حج وعمرہ کے جدید مسائل

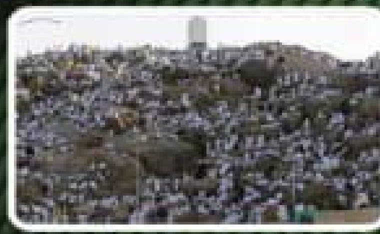
مرتبین

مفتی ابوبکر جابر قاسمی

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

ادارہ دارالدعوۃ والارشاد، حیدرآباد، تلنگانہ













AL-HIRA®

Tours & Travels

Mobile : +91 98490 94928, 70320 44343

حج وعمرہ کے جدید مسائل

اس کتاب میں صرف وہ مسائل جمع کیے گیے جو عاشقانِ خدا کے ہجوم یا انتظامی ضروریات نے پیدا کیے ہیں، بطورِ خاص وہ مسائل جو اہل علم کے درمیان غیر معمول بحث وتحقیق کا موضوع رہے، جدید مسعی، توسیع شدہ جمرات، منی میں قصر واتمام، جدہ کی میقاتی حیثیت، نفل حج یا رفاہی کام وغیرہ دیگر فقہی مذاہب کی آراء کو بھی اس طرح نقل کیا گیا کہ احترام واعتدال باقی رہے، آج کل ہونے والی بعض عملی کوتاہیوں کی اصلاح بھی مدلل نقل کی گئی ہے، مناسک پر مروجہ کتابوں کا تکملہ کہا جاسکتا ہے۔

مفتی ابوبکر جابر قاسمی　　مفتی احمد اللہ نثار قاسمی

دار الدعوۃ والارشاد حیدرآباد

پہلا ایڈیشن: ۱۴۴۰ھ=۲۰۱۹ء

نام کتاب : مسنون حج وعمرہ

ترتیب : مفتی ابوبکر جابر قاسمی، 09885052592

مفتی احمد اللہ نثار قاسمی، 9989497969

صفحات : 276

گرافکس تزئین: مفتی محمد عبداللہ سلیمان مظاہری، قبا گرافکس، حیدرآباد

فون: 09704172672, 8801198133

ناشر : دارالدعوہ والارشاد، یوسف گوڑہ، حیدرآباد

ملنے کے پتے

- مدرسہ خیر المدارس، بورابنڈہ، حیدرآباد، فون: 23836868 - 040
- دکن ٹریڈرس، پانی کی ٹانکی، مغلپورہ، حیدرآباد، فون: 66710230 - 040
- مکتبہ کلیمیہ، یوسفین ویڈنگ مال، نامپلی، حیدرآباد

فہرست مضامین

❁❁❁❁❁❁

پہلی بات

یہ کتاب تمام کتابوں کا تکملہ اور ضمیمہ بنانے کے ارادہ سے لکھی گئی، قدیم مروجہ مسائل کا اعادہ نہیں کیا گیا، زیادہ سے زیادہ ان مسائل کو محقق مدلل کرنے کی کوشش کی گئی جو مسائل ازدحام تمدنی وتعمیری ترقیات انتظامی ضروریات نے پیدا کیے ہیں دس بارہ سال پہلے لکھی گئی کتابوں کو پڑھ کر اگر آج کوئی حج کے لیے سفر کرتا ہے تو کئی مقامات پر اسے کافی تشنگی محسوس ہوگی ویسے تو یہ کام پچھلے کام کا تسلسل ہوتا ہے گویا پہلے کام کی بنیاد ہے اور منزلوں پر منزلے بنائے جاتے ہیں۔

تنگ نظری کا مرض فرقہ واریت اور شدت پسندی کو ہوا دیتا ہے۔ اس لیے دیگر فقہی مذاہب سے بھی ایک عالم دین ومعلم حجاج کو واقف ہونا ضروری ہے، خود ایک فقہی مذھب میں مختلف رائے رکھنے والی علمی واستنادی شخصیات وجامعات کے دلائل سے آگہی دوسرے فریق میں اعتدال وحسن ظن کی فضا ہموار کرتی ہے خاص طور پر وہ مسائل جن کے بارے میں علماء امت نے اجتماعی طور پر توسع اور رخصت والے پہلو کی اجازت دی ہے اُسے بیان کرنا نہایت ضروری ہے تاکہ حاجی بے جا پریشانی اور الجھن میں نہ پڑ جائے، غیر مستند بات کو مستند سمجھنا، ادب ومستحب کو سنت یا فرض کا درجہ دینا، جمہور کے مقابلہ میں اپنی ذاتی رائے پر اصرار ایسی حرکتیں ہیں جو حج کی روح کے منافی ہیں، عبادت واتحاد کے بجائے انتشار وشرارت کا ماحول بنتا ہے۔

مسنون طریقہ تو ایک ہی ہے، بدعات علاقے اور زمانے کی بدلتی رہتی ہیں،

منکرات وعملی کوتاہیاں بیان کرنااس لیے ضروری ہیکہ حق وباطل ، سنت وبدعت میں فاصل قائم رہے، امتِ مسلمہ کی صلاحیتیں ضائع نہ ہو، عام طور پر زندگی میں ایک ہی مرتبہ کیا جانے والا عمل دیکھادیکھی کرنے کی نذر نہ ہو بلکہ بصیرت وعلم کی بنیاد پر ہو، یہاں اس بات کا اظہار واجب محسوس ہورہا ہے کہ اس کتاب کا خاصا کام میرے رفیق تصنیف مفتی احمد اللہ نثار قاسمی حفظہ اللہ نے کیا ہے، اور مفتی محمد منیر صاحب تصحیح وتخریج میں معاونت فرماتے رہے۔ **فجزاهم الله أحسن الجزاء**

ابوبکر جابر قاسمی

۲۸ شوال المکرم ۱۴۴۰ھ

۲ جولائی ۲۰۱۹ء

اسرار وحکمتیں

توحید

زمانۂ جاہلیت کے تلبیہ میں تھا ''إلّا شریکا ھو لك تملکه وما ملك'' کہ ''آپ کا ایک شریک ہے جس کے مالکِ کل بھی آپ ہیں''، رسول ﷺ نے اس کو تبدیل کیا اور ''لا شریك لك'' کہ'' آپ کا کوئی شریک نہیں ہے'' تلبیہ پڑھنے والے کو چاہئے کہ کفریہ عقائد، مشرکانہ رسومات سے توبہ کرے، تلبیہ پڑھتے ہوئے ان جراثیم کے نکالنے کی نیت کرے، آج کے بعد غیر اللہ کے لیے نہ طواف، نہ سجدہ، نذر ونیاز صرف اللہ کے لیے، عزت، اولاد، دولت، صحت وغیرہ کا سوال صرف اللہ سے کیا جائے گا۔

اطاعت وفنائیت

رسول اللہ ﷺ تلبیہ میں ایک لفظ وارد ہے ''لبیک بحجة حقًّا تعبدا ورِقًّا'' کہ میں غلامی وعبادت کے لیے حاضر ہوں، اعمال حج وعمرہ بندہ میں اطاعت کا مزاج بناتے ہیں، کوئی شخص عام دنوں میں عرفات میں ایک مہینہ رہ جائے، مزدلفہ، منی میں چھ مہینے رہ جائے حج نہیں ہوگا، جب جس وقت جس عمل کا حکم دیا گیا، پانچ دن میں اسی طرح عمل کرنا ہے۔

عشق الٰہی میں ترقی

دو چادریں جسم پر، کعبۃ اللہ کے چکر، منی کی کنکریاں، مزدلفہ میں پڑے

رہنا، نہ خوشبو کا استعمال ، نہ بالوں کا خیال ، ایک ہی ترانہ گنگنانا ہے، یہ سب بتلاتا ہے کہ حاجی میں محبت الٰہی گرمانا مقصود ہے، بے عشق دل دین پر چلنے کا لطف بھی کیا پاسکتا ہے!

ایمان ویقین میں تازگی

زمین پانی پر بچھائی گئی "وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا"(۱) پانی میں ایک بلبلہ یا چھاگ نکلا، پروردگارِ عالم نے اس سے سارے برِ اعظم بنائے ،متضاد خصوصیات والی زمین پیدا کردی ہے۔

سرزمین مکہ میں زمزم کے علاوہ کوئی پانی کی فراوانی نہیں ہے، برسات بھی بہت کم، زراعت کا کوئی انتظام نہیں ،لیکن دعاء ابراہیم :

"فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ"(۲)

ساری دنیا کے پھل وہاں پہونچ جاتے ہیں۔

انسان اپنا گھر تعمیر کرنے کے لیے ایسی جگہ کا انتخاب کرتا ہے جہاں اور انسان بھی بستے ہو، پانی اور انسانی ضروریات کی فراوانی ہو، پروردگا عالم نے اپنا گھر وادئی غیر ذی ذرع میں بنایا، جب بندہ میرے گھر پر آئے تو صرف رب پر نظر رہے،سبب کے سارے بت اس کے دل نے نکل جاے،اور اس یقین میں تازگی آئے کہ پروردگار عالم سب کچھ کے بغیر سب کچھ کرتے ہیں۔

ملتِ ابراہیمی سے وابستگی

سعی ،قربانی، رمی جمرات یہ اعمال حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی نقالی ہے، رسم عاشقی کی ادائیگی ہے، بت پرستی سے نفرت، خداپرستی کے لیے وطن، خاندان بڑھاپے کی اولاد،

---

(۱) النازعات:۳۰

(۲) إبراهيم:۳۷

شہزادی حضرتِ ہاجرہ علیہا السلام کو قربان کرنے کے لیے تیار، ''وَاِبْرَاهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى'' (۱) حاجی بھی اپنے اندار ایمانِ ابراہیمی کی کچھ جھلک پیدا کردے۔

عاشق کی تسلی

انسان چاہتا ہے کہ اس کا محبوب اس کی آنکھوں سے اسے دکھائی دے، لیکن دنیا میں انسان ان آنکھوں سے اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتا، ''لَنْ تَرَانِيْ'' کا فرمان جاری ہو چکا ہے، اس عاشقِ زار کے لیے اپنے انوار کا مرکز کعبہ دے دیا چلو اس کی کچھ ڈھارس بند جائے، محبوب کے گھر کو دیکھ کر، اس کے چکر لگا کر، اس سے چمٹ کر بھی عاشق کافی سنبھل جاتا ہے۔

وحدتِ امت کا پیغام

رب کریم چاہتا تو محرم صفر میں رشیا، ربیع الاول، ربیع الثانی میں امریکہ، کسی ماہ میں جاپان، کبھی ہندوستان کو بلاتا لیکن مسلمانانِ عالم کو انہیں پانچ دنوں میں خاص تحدید شدہ مقامات پر ایک زبان کا تلبیہ، مخصوص احرام پہن کر، آنے کا حکم دیا، امتی بننا ہے فرقہ جماعت نہیں، ایک دوسرے سے اختلاط، احوال کی اطلاع، خوبیوں کے لین دین کا زبردست موقع فراہم کیا گیا، مہذب غیر مہذب، کالا گورا، عربی اور عجمی سب کو جھیلنا سنبھالنا اور سہنا سکھلایا گیا، میدانِ عرفات کا پیغام تو صاف طور پر اس کی دعوت دے رہا ہے، حج کے بعد بھی مسلکی شدت پسندی، گروہی عصبیت باقی رہی تو جان لینا چاہئے کہ حج کی حقیقت حاصل نہیں ہوئی، قومی، لونی، لسانی اور علاقائی تعصّبات کا خاتمہ کرنا سب سے اہم سبق ہے۔

دعوتِ دین کا اہتمام

منی کے میدان میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زمانہ حج میں خوب دعوت دیا کرتے تھے، قبائل سے ملاقاتیں ہوتی، انصارِ مدینہ سے یہیں ملاقات ہوئی، آج بھی حجاج کرام

(۱) النجم:۳۷

منیٰ کے فارغ اوقات میں ایک دوسرے کو ایمان وعمل کی دعوت دیتے ہیں، تکمیلِ فرائض یعنی حج تو کیا جارہا ہے، مگر نماز سے ناواقف، رشتے ٹوٹے ہوئے، کمائی حرام، اولاد بے دین، معاشرت، رسومات میں ڈوبی ہوئی، منیٰ میں سنت شریعت پر چلنے کی دعوت دینا وہ سنت ہے جو شاید بھلائی جاچکی ہے۔

حوصلہ بڑھائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۲۱ رسال کی قربانیوں، محنتوں کے بعد حج کیا، ستر ہزار انبیاء علیہم السلام مطاف میں مدفون ہیں، ساری زندگی دعوتِ دین میں کھپا کر آخری لمحات کعبۃ اللہ کے سائے میں گذارتے تھے، جہاں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مارا گیا، نکالا گیا، اوجھڑی ڈالی گئی، خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فاقے جھیلے، ابوطالب کی گھاٹی میں آہیں سسکیاں دو سال تک بھرتے رہے، جہاں حضرت بلال رضی اللہ عنہ پر تپتی ریت میں گرم پتھر رکھ دیا جاتا، حضرت خباب رضی اللہ عنہ کے خون و چربی سے آگ کے شعلہ بجھتے، حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کی دردناک شہادت جس زمین نے دیکھا، وہاں جاکر ہمارے اندر بھی قربانی کا حوصلہ بڑھنا چاہیے، کم ازکم پسینہ بہانے کا جذبہ تو پیدا ہو، بازاروں کی سیر سپاٹ، چیزوں کی خریداری میں کہیں اس اصل سرمایہ سے ہم محروم نہ رہ جائیں۔

علاقائی اثرات سے دین کی تطہیر

اس عظیم اجتماع کا ایک مقصد یہ بھی ہوسکتا ہے دین کی صفائی ستھرائی اور بے غبار شکل پوری امت کے سامنے آجائے، جغرافیائی، علاقائی اثرات کے نتیجہ میں جو بدعات وخرافات اسلام میں داخل ہوگئیں، شریعتِ اسلامی کا خوب صورت چہرہ جو مسخ ہوگیا اس کو نکھارنا، اس حج کا لازم ہے۔

حیاء و پاکدامنی

اس سرزمین میں کوئی بدبخت ہی گناہ کے ارادے سے جاتا ہے، ورنہ ایک مسلمان کی کیا کیفیت ہوتی اس کا اندازہ ہر اس شخص کو ہے جس کا کبھی سفرِ حرمین ہوچکا

ہے، پھر حالتِ احرام میں پردہ کرنا ہے، عام جگہوں میں سڑک پر چلنے کے لیے مرد وعورتوں میں فاصلہ رکھا گیا ''**علیکن بحافات الطرق**'' مسجد میں بھی ان کی صفیں الگ ہوا کرتی تھیں، لیکن طواف کے دوران مرد وعورت میں فاصلہ کم رہ جاتا ہے، ایک امتحان ہے کہ بندہ اور بندی مولی کی محبت میں کعبہ کے عشق میں ڈوب کر طواف کرتے ہیں یا کسی لیلی یا مجنوں میں اپنا دل الجھا دیتے ہیں۔

پوری زندگی کا احرام

خوشبو، عام ملبوسات کے طرز پر سلا ہوا کپڑا، وغیرہ کی پابندیاں ایام حج کے بعد ختم ہوجاتی ہیں، لیکن ''**فَلَا رَفَثَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ**'' (۱) جھگڑا، غصہ، بدکلامی، کا پرہیز پوری زندگی کرنا ہے اس لیے کہا جاتا ہے کہ حاجی بننا آسان ہے، حاجی بن کر مرنا مشکل ہے، مطلب یہ ہے کہ انسان اس حال میں مرے کہ حج کی تربیت ونورانیت بعد کی بے دینی کی وجہ سے ضائع نہ ہوئی ہو۔

طلب علم کی فکر

امام ابو یوسف رحمہ اللہ مرض الموت میں، عیادت کرنے والے سے پوچھا رمی سوار ہوکر کرنا بہتر یا پیدل، اس نے کہا: پیدل! فرمایا: غلط! اس نے کہا سوار ہوکر، فرمایا: غلط! پہلی اور دوسری رمی پیدل تیسری رمی سواری پر کرنا بہتر ہے، کیونکہ تیسری کے بعد دعا نہیں کرنا ہے، وہ شخص دہلیز کے باہر نکلا اور گھر کے اندر سے رونے کی آواز آرہی ہے ہے، یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا، محدثین وفقہاء کرام سفرِ حج اس لیے کرتے تھے کہ دنیا کہ مختلف علماء سے ملاقات ہو، اجازتِ حدیث لے سکیں، کتابیں نقل کرسکیں، مصنفین سے رابطہ ہو۔

انسانی مساوات کا اعلان

خطبۂ حجۃ الوداع کے الفاظ ہیں ''**الناس بنو آدم وآدم من تراب**'' کالا،

(۱) البقرۃ:۱۹۷

گورا، ہونا مشرقی ،مغربی بننا آدمی کے اختیار میں نہیں ، مالدار، نادار ہونا خدائی تقسیم ہے،تقوی والا بننا ہمارے اختیار میں ہے، بڑائی اور برتری صرف تقوی کے بنیاد پر ملے گی،انسان ہونے میں تمام انسان برابر ہیں،سب آدم کی اولاد ہیں،دنیا اللہ کا کنبہ ہے''**الخلق عيال الله**''(۱) ساری انسانیت اس آواز کی کتنی پیاسی ہے۔

❁❁❁❁❁❁

(۱) **المعجم الأوسط، من اسمه محمد**، حدیث نمبر: ۵۵۴۱، ابویعلی وبزاز نے اس کو روایت کیا ہے،اس میں یوسف بن عطیہ صفار ہیں جو متروک ہیں۔

حرم اور مسجد حرام

حدودِ حرم

چونکہ حرم محترم سے کئی مسائل جڑے ہوئے ہیں اس لیے اللہ تعالی نے اس کے حدود متعین فرما دیے، حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حدود حرم کی نشاندہی کی ،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر حضرت اسد خزاعی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ ان حدود کی تجدید فرمائی۔

بعض روایات میں ہے کہ ''خانۂ کعبہ کی تعمیر کے وقت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے جب حجرِ اسود کو دیوارِ کعبہ میں نصب فرمایا تو آس پاس کا علاقہ اس کی چمک سے روشن ہوگیا، اس کی روشنی جہاں تک پھیلی اس حصہ کو حرم قرار دیدیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔(۱)

شمال میں مقام تنعیم (مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا) تک حرم ہے۔

مشرق میں جعرانہ کے قریب تک حرم ہے۔

شمال مشرق میں ''وادی نخلۃ'' تک ہے۔

مغرب میں حدیبیہ (شمیسی) تک ہے۔

اب سعودی حکومت نے حدود حرم کی ابتداء اور انتہا پر ستون بنادیے ہیں جن پر بدایۃ الحرم اور نہایۃ الحرم لکھا ہوا ہے مسجد حرام کو سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ وہاں کی عبادت کا اللہ رب العزت نے اجر کئی گنا بڑا دیا ہے چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے

---

(۱) عظمت بیت اللہ: ۲۶۳

روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد کی نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے:

صَلاَةٌ فِي مَسْجِدِيْ هٰذَا خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. (۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری مسجد کی ایک نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے سوائے مسجد حرام کے، اور مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے:

صَلاَةٌ فِي مَسْجِدِيْ هٰذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلاَةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ وَصَلاَةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَفْضَلُ مِنْ مِائَةِ أَلْفِ صَلاَةٍ (۲)

حدود مسجد نبوی

مسجد نبوی جہاں تک وسیع ہوتی جائے سب مسجد نبوی میں داخل ہے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ مسجد صنعاء تک بنادی جائے تب بھی یہ میری مسجد ہوگی (۳)، امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کی توسیع کی تو فرمایا: اگر اس کو ''جبانہ'' تک بڑھا دیا جائے تب بھی یہ ساری مسجد نبوی ہے، لیکن افضل یہی ہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود مسجد میں نماز ادا کرنے کی کوشش کی جائے چونکہ جو خشوع اور کیفیت مسجد میں ادا کرنے سے حاصل ہوتی ہے وہ خارج مسجد ادا کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔

---

(۱) صحيح بخاری، باب فضل الصلاة في مسجد مكة والمدينة، حدیث نمبر: ۱۱۹۰

(۲) مسند احمد، حدیث ۱۴۶۹۴، شعیب الانؤوط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے

(۳) "لو بنى هذا المسجد إلى صنعاء كان مسجدي" (تاريخ مكة المشرفة والمدينة الشريفة: ۱/ ۲۸۰، دار الكتب العلمية)

فائدہ: خواہ مسجد حرام ہو یا مسجد نبوی نماز کی فضیلت ہو صرف فرض نمازوں کے ساتھ حاص ہے نوافل وہاں بھی گھر پر ادا کرنا ہی افضل ہے۔(۱)

حرم کا احترام

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حج کے لیے جاتے تو دو خیمے لگاتے تھے، ایک حرم کے اندر دوسرا حرم کے باہر، حرم میں اگر اپنے اہل وعیال یا خدام و متعلقین میں کسی کو کسی بات پر تنبیہ کرنا ہوتو حرم سے باہر والے خیمہ میں جا کر سرزنش کرتے، لوگوں نے مصلحت دریافت کی تو فرمایا: ہم سے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ انسان جب ناراضگی کے وقت **"واللہ، بلی واللہ"** وغیرہ کے الفاظ استعمال کرتا ہے یہ بھی الحاد فی الحرم میں داخل ہے۔

"عن عبد الله بن عمرو بن العاص كان يضرب فسطاطه في الحل، ويجعل مصلاه في الحرم، فقيل له: لم تفعل ذلك؟ قال: لأن الأحداث في الحرم أشد منها في الحل" (۲)

حرم کی نیکیاں

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حرم کا ایک روزہ ثواب میں ایک لاکھ روزوں کے برابر ہے اور ایک درہم کا صدقہ ایک لاکھ درہم صدقہ کرنے کا ثواب رکھتا ہے اور حرم کی ہر نیکی ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے۔(۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو اپنے گھر میں نماز پڑھے اسے پچیس نمازوں کا، اور جو جامع مسجد میں نماز پڑھے اسے پانچ سو نمازوں کا، جو جامع مسجد اقصی اور میری مسجد (مسجد نبوی) میں نماز پڑھے اسے

---

(۱) عظمت بیت اللہ: ۱۱۳

(۲) الطبقات الكبرى لابن سعد، عبد الله بن عمرو بن العاص: ۲۰۲/۴، دار الكتب العلمية بيروت

(۳) عظمت بیت اللہ: ۶۸

پچاس ہزار کا، اور جو مسجد حرام میں نماز پڑھے اسے ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے:

صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي بَيْتِهِ بِصَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِ الْقَبَائِلِ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي يُجَمَّعُ فِيهِ بِخَمْسِ مِائَةِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ، وَصَلَاتُهُ فِي مَسْجِدِي بِخَمْسِينَ أَلْفِ صَلَاةٍ، وَصَلَاةٌ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ بِمِائَةِ أَلْفِ صَلَاةٍ (۱)

اس اعتبار سے حرم کی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔

شیخ ابوبکر نقاش رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے حساب لگایا تو مسجد حرام کی ایک نماز عام نمازوں کے مقابلہ میں پچپن سال چھ مہینہ اور بیس دن کی نمازوں کے برابر ہے، تو مسجد حرام کی پانچ نمازوں کا ثواب دوسو ستہتر سال سات مہینہ اور دس دن کی نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔

فائدہ: جس کا حاصل یہ ہوا کہ جو شخص سبحان اللہ کہے، اللہ اکبر کہے، الحمد للہ کہے، ایک بار درود پڑھے، ایک روپیہ صدقہ کرے، تہجد، اشراق، سنت، نفل، ایک عمرہ، ایک طواف کرے وغیرہ سب کا ثواب ایک لاکھ/دس لاکھ کے برابر ہے۔ (۲)

حرم کا ہر عمل افضل ہے یا فقط نماز؟

حرم شریف کی نماز کا اجر زیادہ ہونے کی احادیثِ صحیحہ منقول ہیں، اور بعض روایات سے روزہ اور دیگر عبادات کا افضل ہونا بھی ثابت ہے، اور قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے چونکہ جب عبادت کی افضلیت مقام کی برکت کی وجہ سے ہے تو اس مقام پر جو

(۱) سنن ابن ماجه، باب ما جاء في الصلاة في المسجد، حدیث نمبر: ۱۴۱۳، علامہ بوصیری نے کہا ہے: اس کی سند ضعیف ہے، چوں کہ ابو خطاب دمشقی ضعیف ہیں، ان کے احوال معلوم نہیں، ابو عبد اللہ الہانی کے سلسلہ میں کا نام ہے۔

(۲) عظمت بیت اللہ: ۱۱۱

عبادت بھی کی جائے اس کا ثواب زیادہ ہونا چاہئے، حضرت عبداللہ بن عباس ﷺ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ أَدْرَكَ رَمَضَانَ بِمَكَّةَ، فَصَامَهُ، وَقَامَ مِنْهُ مَا تَيَسَّرَ لَهُ، كَتَبَ اللهُ لَهُ مِائَةَ أَلْفِ شَهْرِ رَمَضَانَ، فِيمَا سِوَاهَا، وَكَتَبَ اللّٰهُ لَهُ بِكُلِّ يَوْمٍ عِتْقَ رَقَبَةٍ، وَكُلِّ لَيْلَةٍ عِتْقَ رَقَبَةٍ، وَكُلِّ يَوْمٍ حُمْلَانَ فَرَسٍ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَفِي كُلِّ يَوْمٍ حَسَنَةً، وَفِي كُلِّ لَيْلَةٍ حَسَنَةً" (۱)

''جس نے مکہ مکرمہ میں رمضان کا روزہ رکھا اور حسب سہولت رات میں قیام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے مکہ سے باہر ایک لاکھ رمضان کے مہینوں کے روزوں سے افضل ہے، ہر دن ایک غلام آزاد کرنے کا اجر، ہر رات ایک غلام آزاد کرنے کا اجر، ہر دن اللہ کے راستے میں گھوڑے صدقہ کرنے کا اجر اور ہر دن اور ہر رات میں نیکی کرنے کا اجر ملے لکھا جائے گا''۔

اور علامہ شامی لکھتے ہیں:

''وجاءت أحاديث تدل على تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة إلا أنها فى الثبوت ليست كأحاديث الصلاة فيها'' (۲)

حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر ﷺ سے ان کا قول نقل کیا ہے کہ: پورے حرم شریف کا یہی حکم اور پورا حرم مسجد حرام ہے۔ ''فإن الحرم كله مسجد'' (۳)

---

(۱) سنن ابن ماجه، كتاب المناسك، باب صيام شهر رمضان بمكة، حدیث نمبر: ۳۱۱۷

(۲) الدر المختار مع الرد، مطلب في طواف الزيارة: ۲/۵۲۵

(۳) مسند أبي داود الطيالسي، عبد الله بن الزبير، حدیث نمبر: ۱۴۶۴

فتاوی دارالعلوم زکریا میں اس بات کی وضاحت اور صراحت کی گئی ہے کہ حرم شریف میں ثواب کی زیادتی تمام طاعات سے متعلق ہے، یعنی حرم شریف میں کسی بھی قسم کی عبادات یا نیکی کا کام کیا جائے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے مثلاً حرم شریف میں زکوۃ ادا کی گئی تو ایک لاکھ کا ثواب ملے گا۔

بعض احادیث وآثار اور اقوال فقہاء میں اس کے دلائل موجود ہیں۔

دو چند کا یہاں تذکرہ کیا جارہا ہے ملاحضہ ہو۔

مستدرک حاکم میں ہے:

مَرِضَ ابْنُ عَبَّاسٍ مَرَضًا شَدِيدًا، فَدَعَا وَلَدَهُ فَجَمَعَهُمْ فَقَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ حَجَّ مِنْ مَكَّةَ مَاشِيًا حَتَّى يَرْجِعَ إِلَى مَكَّةَ كَتَبَ اللهُ لَهُ بِكُلِّ خُطْوَةٍ سَبْعَ مِائَةِ حَسَنَةٍ، كُلُّ حَسَنَةٍ مِثْلُ حَسَنَاتِ الحرَمِ قِيلَ: وَمَا حَسَنَاتُ الحرَمِ؟ قَالَ: بِكُلِّ حَسَنَةٍ مِائَةُ أَلْفِ حَسَنَةٍ (۱)

وعلى هامشه: قال: إسناده ضعيف۔ قال الذهبي: ليس بصحيح أخشى أن يكون كذبا، قال أبو حاتم في عيسى بن سورة: منكر الحديث۔

شعب الایمان میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: "الصَّلَاةُ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ صَلَاةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا المسْجِدَ الحرَامَ، وَالجمُعَةُ فِي مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ جمعَةٍ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا المسْجِدَ الحرَامَ وَشَهْرُ رَمَضَانَ فِي

(۱) المستدرك على الصحيحين، حدیث نمبر: ۱۷۹۲، حاکم نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور شیخین نے اس کی تخریج نہیں کی ہے، علامہ ذہبی نے کہا کہ اس کی سند ضعیف ہے۔

مَسْجِدِي هَذَا أَفْضَلُ مِنْ أَلْفِ شَهْرِ رَمَضَانَ فِيمَا سِوَاهُ إِلَّا المسْجِدَ الحرَامَ" (۱)

الغرض حرم میں ہر عمل کا ثواب افضل ہے اور اس کا اجر دو گنا ہو جاتا ہے، اور ایک نیکی کا اجر ایک لاکھ نیکیوں کے برابر ہے خواہ وہ نماز ہو یا کوئی اور عمل امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور علامہ نووی رحمہ اللہ اسی کے قائل ہیں، اور علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کہیں بھی عبادت کی جاوے وہ افضل ہے لیکن ایسی جگہ عبادت کرنا جس سے ایمان وتقوی میں اضافہ ہوتا ہو وہ افضل و بہتر ہے، جگہ کی اہمیت سے نیکی و گناہ فضیلت و سنگینی بھی بڑھ جاتی ہے:

"والصلاة وغيرها من القرب بمكة أفضل، والمجاورة بمكان يكثر فيه إيمانه وتقواه أفضل حيث كان، وتضاعف السيئة والحسنة بمكان أو زمان فاضل" (۲)

وقال الحسن البصری رحمہ اللہ: صوم يوم بمكه بمائة ألف وصدقة درهم بمائة ألف، ومثله لا يقال إلا عن توقيف" (۳)

پورا حرم یا صرف مسجد حرام؟

علمائے کرام کا اختلاف ہوا ہے اور اس سلسلہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں، جن میں سے چند اقوال یہ ہیں:

پہلا قول: مسجد حرام سے مراد: خانۂ کعبہ ہے، یعنی: خانۂ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کی یہ فضیلت ہے۔ (۴) قاضی عز الدین بن جماعہ نے فرمایا: یہ فہم سے بعید بات ہے۔ (۵)

---

(۱) شعب الإيمان للبيهقي، فضل الحج والعمرة، حدیث نمبر: ۳۸۵۱

(۲) الاختيارات الفقهيه لابن تيميه: ۱۱۳، بحوالہ البلد الحرام فضائل وأحكام: ۳۱

(۳) غنية الناسك: ۱۴۳

(۴) فتاوى شامي: ۳/ ۷ ۵۴، زکریا دیوبند

(۵) البحر العميق: ۱۵۰

دوسرا قول: پورا حرم اور عرفہ مراد ہے، مگر یہ بھی نا قابل فہم بات ہے۔(۱)

تیسرا قول: پورا حرم مسجد حرام ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے، علامہ ماوردی رحمہ اللہ نے اس پر جزم کیا ہے اور امام نووی رحمہ اللہ سے نقل فرما کر اسے باقی رکھا ہے (۲) علامہ شامی رحمہ اللہ نے فرمایا: علامہ بیری رحمہ اللہ نے شرح اشباہ میں فرمایا: ہمارے اصحاب حنفیہ کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ فضیلت پورے مکہ کو عام ہے؛ بلکہ پورے حرم کو شامل ہے جیسا کہ امام نووی رحمہ اللہ نے اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے۔(۳) بعض علماء نے اسی بات کو راجح قرار دیا ہے کہ یہ فضیلت مسجد حرام کے علاوہ سارے حرم کو شامل ہے چنانچہ جلیل القدر تابعی عطاء بن ابی رباح مکی جو اپنے دور کے مکہ مکرمہ کے مرجع الخلائق تھے جب آپ سے ربیع ابن صبیح نے پوچھا کہ یہ فضیلت مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے یا سارے حرم کو عام ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ فضیلت عام ہے اور سارا حرم مسجد ہے:

"يا أبا محمد هذا الفضل الذي يذكر في المسجد الحرام وحده أو في الحرم كله ؟ فقال عطاء: بل فى الحرم كله فإن الحرم كله مسجد"(۴)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، علماء عرب میں سے شیخ عبد العزیز بن باز کا بھی یہی فتوی ہے۔(۵)

حضرت عطاء بن رباح رحمہ اللہ شاگرد سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ مسجد حرام کی فضیلتیں مسجد حرام کی حدود کے ساتھ خاص ہیں یا مکہ مکرمہ کی تمام مساجد کا

---

(۱) مجامع المناسك: ۳۸۹

(۲) غنية الناسك قديم: ۷۶

(۳) شامی: ۲۲ ۴۳، ۳: ۵۴۷

(۴) مسند الطيالسی: ۱۴۶۴

(۵) زاد المعاد: ۳/ ۳۰۳، مجموع فتاوی بن باز: ۴/ ۱۳۰، مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: اوجز المسالك ۲۰۲، غنية الناسك: ۷۶

یہی ثواب ہے؟ آپ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: پورے حرم کا یہی ثواب ہے، کیونکہ پورا حرم مسجد حرام ہے "بل فی الحرم کله، فان الحرام کله مسجد"(۱)

اور عقلا بھی یہی بات درست ہے چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں کعبہ کے چاروں طرف کھلا ہوا صحن تھا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ نماز ادا فرماتے تھے بعد میں اس صحن کو عمارت کی شکل دی گئی اور حسب سہولت لوگوں کی آسانی کے لیے اس میں توسیع کی جاتی رہی، اس لیے کسی خاص حصہ کا مسجد حرام ہونا طئے نہیں ہے پس سارا حرم مسجد حرام ہے، پس حدود حرم میں کہیں بھی نماز پڑھی جائے، یہ فضیلت حاصل ہوگی۔

چوتھا قول: مسجد حرام کا وہ حصہ مراد ہے جو مسجد شرعی ہے، جس میں نماز با جماعت ہوتی ہے اور جنبی اور حائضہ وغیرہ کے لیے اس میں داخلہ شرعاً ممنوع ہے، اور مسجد بھر جانے کی صورت میں اسی کے حکم میں وہ حصہ بھی ہوگا جہاں تک لوگوں کی صفیں ہوں، امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے المجموع اور تہذیب میں اسی کو جزم کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے "تحفة المحتاج" میں اسی کو اختیار فرمایا اور صحیح قرار دیا، محب الدین طبری اور ابن جماعہ نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے، اور کبیری میں ہے: یہی ہمارے اصحاب کا ظاہر مذہب ہے، ابن الہمام رحمہ اللہ اور شرح منیہ وغیرہ کی عبارات سے بھی یہی ماخوذ ہوتا ہے(۲) اور "البحر العمیق" میں ہے: اصحاب حنفیہ کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے، اس کے بعد دلیل پیش فرمائی (۳) اور مجامع المناسک میں ہے: ہمارے اصحاب حنفیہ کے کلام سے یہی ظاہر ہوتا ہے اور بعض شوافع نے بھی اسی کو اختیار فرمایا ہے۔(۴)

---

(۱) مسند ابی داؤد طیالسی، عبد اللہ بن زبیر، حدیث نمبر: ۱۴۶۴
(۲) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶
(۳) البحر العمیق: ۱۴۹
(۴) مجامع المناسك: ۳۸۹

اس قول کی تائید میں چند دلائل بھی پیش کیے جاتے ہیں:

۱۔ محب الدین طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: حدیث میں مستثنیٰ منہ (مسجد نبوی) سے بالیقین مسجد الجماعۃ مراد ہے، پورا حرم مدنی مراد نہیں ہے، پس مستثنیٰ (مسجد حرام) میں بھی مسجد الجماعۃ ہی مراد ہوگی، پورا حدود حرم مراد نہ ہوگا۔(۱)

۲۔ علماء نے فرمایا کہ یہ فضیلت فرائض کے ساتھ خاص ہے، نوافل کے لیے یہ فضیلت نہیں ہے، نوافل کا گھر ہی میں پڑھنا افضل ہے، پس جب نوافل کے باب میں گھر کا حکم مسجد سے مختلف ہے تو معلوم ہوا کہ اس فضیلت میں پورا حدود حرم شامل نہیں ورنہ نوافل کے باب میں گھر کا حکم مسجد سے مختلف نہ ہوتا۔(۲)

۳۔ علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ نے فرمایا: دس ذی الحجہ کو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز مسجد حرام میں ادا فرمائی یا منیٰ میں؟ اس سلسلہ میں روایات متعارض ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز دونوں میں سے کسی جگہ ضرور پڑھی ہے؛ اس لیے یہ ماننا مناسب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس ذی الحجہ کو ظہر کی نماز مکہ مکرمہ میں مسجد حرام میں ادا فرمائی؛ کیوں کہ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ مسجد حرام میں فرائض کا ثواب کئی گنا ہوجاتا ہے۔(۳) اور ابن حجر رحمہ اللہ نے فرمایا: دس ذی الحجہ کو ظہر کی نماز مسجد حرام کے بجائے منیٰ میں پڑھنا افضل ہے اگر چہ اس صورت میں اصح قول کے مطابق کئی گنا کا ثواب نہ ملے گا (۴)، علامہ ابن الہمام رحمہ اللہ اور ابن حجر رحمہ اللہ کی بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو فضیلت آئی ہے وہ پورے حدود حرم کو عام نہیں ہے؛ کیوں کہ منیٰ حدود حرم ہی میں ہے۔

---

(۱) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶، البحر العمیق: ۱۴۹

(۲) غنیۃ الناسک قدیم: ۷۶، البحر العمیق ۱۴۹

(۳) فتح القدیر: ۲/۱۸۰، مطبوعہ: مصر

(۴) غنیۃ الناسك قدیم ص: ۷۶

۴۔ شرح المنیہ کے ایک جزئیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ فضیلت پورے حرم کو عام نہیں ہے، وہ جزئیہ یہ ہے: محلہ کی مسجد میں اگر کسی کی جماعت چھوٹ جائے تو اگر کسی دوسری مسجد میں نماز باجماعت مل سکتی ہو تو وہاں چلا جائے، البتہ اگر مسجد حرام یا مسجد نبوی کی جماعت فوت ہو جائے تو وہیں نماز پڑھ لے، جماعت پانے کے لیے کسی دوسری مسجد نہ جائے۔(۱)

پس معلوم ہوا کہ جمہور احناف کے نزدیک صحیح وراجح یہ ہے کہ یہ فضیلت پورے حدود حرم کو شامل نہیں ہے، صرف مسجد حرام کے ساتھ خاص ہے جو کعبہ کے اردگرد ہے اور وہاں نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اور وہاں جنبی اور حیض ونفاس والی عورت کے لیے جانا شرعاً منع ہے، اور مسجد بھر جانے کی صورت میں اسی کے حکم میں وہ حصہ بھی ہوگا جہاں تک لوگوں کی صفیں ہوں، اس فضیلت میں پورا حدود حرم شامل نہیں ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص مسجد حرام کے علاوہ مکہ مکرمہ کی کسی اور مسجد میں یا گھر میں فرض نماز باجماعت پڑھتا ہے تو اس کا ثواب مسجد حرام کی نماز کے برابر نہ ہوگا اور علامہ شامی رحمہ اللہ نے علامہ بیری کی شرح اشباہ کے حوالے سے جو قول نقل فرمایا ہے وہ جمہور احناف کے نزدیک محض مشہور ہے، صحیح وراجح اور محقق قول نہیں ہے؛ اسی لیے صاحب غنیۃ الناسک نے اس کی تردید فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں: فما في رد المحتار:

"وذكر البيري في شرح الأشباه أن المشهور من أصحابنا أن التضعيف يعم جميع مكة بل جميع حرمها الذي يحرم صيده كما صححه النووي" ليس كما ينبغي، نعم مضاعفة الحسنة مطلقاً بمائة ألف تعم الحرم كله الخ (۲)

افضل یہی ہے کہ مسجد حرام کے احاطہ میں نماز ادا کرنے کی کوشش کی جائے چونکہ

---

(۱) مختصر البحر بحوالہ: غنیۃ الناسک قدیم ص:۶۷

(۲) غنیۃ الناسک قدیم:۶۷، مستفاد از: دار الافتاء، دار العلوم دیوبند، ۱۴۰۵ / ۱۴۰۲ / ۷ / ۱۴۳۳ھ

جو اطمنان اور خشوع کی کیفیت مسجد کے احاطہ میں حاصل ہوتی ہے وہ اپنی ہوٹل وقیام گاہ میں حاصل نہیں ہوتی، اور جماعت کی کثرت کا ثواب جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے سے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

حرم کا گناہ بھی زیادہ سنگین

گناہ تو کہیں بھی کیا جائے گناہ ہی ہے، لیکن اس مقدس سفر اور مقدس مقام پر گناہ کا وبال اور سنگینی بڑھ جاتی ہے، جس طرح حرم کی نیکیوں کا ثواب بڑھ جاتا ہے ایسے ہی حرم کی معصیت کا وبال بھی بڑھ جاتا ہے، خواہ وہ گناہ قولی ہو یا فعلی:

"وكذا المعاصي تضاعف على ما روي عن ابن عباس وابن مسعود رضي الله عنه إن صح، وإلا فلا شك أنها في حرم الله أفحش وأغلظ"(۱)

یہ اکثر اہل علم کے نزدیک ہے۔ لیکن بعض اہل علم حضرات کے نزدیک حرم کی حدود میں گناہ کرنا اگرچہ دوسرے مقامات کے مقابلہ میں زیادہ شدید ہے، مگر اس کی شدت وہاں نیک اعمال کرنے کے تناسب کے برابر نہیں ہے، چنانچہ وہاں ایک گناہ کرنا ایک لاکھ گناہوں کے برابر نہیں ہے۔(۲)

برائی کے ارادہ پر بھی مواخذہ

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: **وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ** (۳) جو شخص حرم شریف میں جان بوجھ کر بے دینی وشرارت کا ارادے کرے تو اسے دردناک عذاب دیا جائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص مقام عدن میں رہ کر

(۱) غنیہ الناسک: ۱۴۳؛ البحر العمیق: ۱/ ۱۳۵

(۲) عمرہ کے فضائل واحکام: ۱۷۲

(۳) الحج: ۲۵

حرم میں الحاد وظلم کا ارادہ کرے تو اسے بھی دردناک عذاب دیا جائے گا، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حرم کی خصوصیات میں سے ہے کہ حرم میں کسی بدی کا ارادہ کریں تو انہیں سزا ہوگی خواہ اس بدی کا وہ ارتکاب نہ کریں، آیت میں ''الحاد'' سے کیا مراد ہے؟ اس سے متعلق اہل علم حضرات کے مختلف اقوال ہیں: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''حرم میں قسم کھانا الحاد میں داخل ہے'' اور ایک قول آپ کا ہے کہ ''الحاد'' سے مراد کفر وشرک ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: امیر شخص کا حرم میں آکر تجارت کرنا الحاد میں داخل ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مکہ میں اناج بیچنا الحاد میں داخل ہے۔

حبیب بن ابو ثابت رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حرم میں گراں فروشی کے لیے اناج روک لینا الحاد میں داخل ہے۔

بعض اہل علم نے ہر برائی کو الحاد شمار کیا ہے چنانچہ اپنی خادمہ کو گالی دینا بھی ''الحاد'' میں داخل ہے، اسی معنی کے لحاظ سے حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حرم میں بغیر احرام کے داخل ہونا، حرم کے جانور کا شکار کرنا، یا ممنوعات حرم کا ارتکاب کرنا ''الحاد'' میں داخل ہے۔

یوم عرفہ کس ملک کے اعتبار سے؟

شریعت کے دیگر احکام جس طرح اسی شہر کی تاریخ کے اعتبار سے مانے جاتے ہیں جس شہر میں انسان کا قیام ہوتا ہے اسی طرح اس مسئلہ میں بھی یہی حکم ہے مثلاً عید الفطر، عید الاضحیٰ اور شب قدر ہندوستانی باشندے ہندوستان کے چاند وتاریخ کے اعتبار سے کرتے ہیں، روزے ہندوستانی چاند کے اعتبار سے کرتے ہیں، صوم یوم عاشورہ ہندوستانی تاریخ کے اعتبار سے کرتے ہیں تو یوم عرفہ بھی ہندوستانی تاریخ کے اعتبار سے ہی مانا جائے گا نہ کہ سعودیہ کے چاند کے اعتبار سے، آخر کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ دیگر

احکامات میں ہندوستانی تاریخ کے اعتبار سے مانے جائیں اور صرف یوم عرفہ سعودیہ کی تاریخ سے مانا جائے، اگر یہ کہا جائے کہ صوم عرفہ حجاج کے وقوف عرفہ کی نقل میں ہے تو حجاج کا جو یوم عرفہ ہوگا وہی ہمارا صوم عرفہ ہوگا، تو قربانی بھی حجاج کی قربانی کی نقل ہے تو جو ایام حجاج کی قربانی کے ہوں گے وہی ہماری قربانی کے ہونے چاہئیں تو قربانی دس ذی الحجہ کے بجائے نو ذی الحجہ سے شروع ہونی چاہیے جبکہ یہ درست نہیں ہے، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر روزوں کا اختتام کرو اور اگر تم پر چاند مخفی ہو جائے تو پھر تم شعبان کے ۳۰ دن پورے کرلو۔

صُومُوا لِرُؤْيَتِهِ وَأَفْطِرُوا لِرُؤْيَتِهِ ، فَإِنْ غُمَّ عَلَيْكُمْ فَأَكْمِلُوْا عِدَّةَ شَعْبَانَ ثَلَاثِيْنَ (۱)

اگر برصغیر کے مسلمان، بغیر چاند دیکھے، سعودی عرب کے مطابق رمضان کے روزے شروع کر دیں اور عید بھی منالیں تو کیا یہ صحیح ہوگا؟

جس طرح نمازوں کے اوقات، تہجد اور سحر و افطار وغیرہ میں ہر ملک کا اپنا وقت معتبر ہے، سعودی عرب کے نمازوں کے اوقات کو ہندو پاک میں نمازوں کے لیے معیار قرار نہیں دیا جاسکتا، اس طرح عید، روزہ اور قربانی میں بھی ہر ملک کی اپنی رؤیت کا اعتبار ہے، اسی طرح عرفہ کے روزہ کے بارے میں بھی ہر ملک کی اپنی رؤیت معتبر ہے۔

چنانچہ فقہاء نے لکھا ہے کہ: آدمی جہاں موجود ہے وہیں کی نو (۹) تاریخ کا اعتبار کیا جائے گا، دوسری جگہ کی تاریخ کا اعتبار نہیں ہے:

"هذا إذا كانت المسافة قريبة لا تختلف فيها المطالع، فأما إذا كانت بعيدة فلا يلزمه أحد البلدين حكم الآخرين، لأن مطالع البلاد عند المسافة الفاحشة تختلف ، فيعتبر في أهل

(۱) صحیح بخاری، کتاب الصوم، حدیث نمبر: ۱۹۰۹

کل بلد مطالع بلدهم دون البلد الآخر (۱)

کچھ لوگوں کا اختلاف ہے کہ موجودہ تیز تر وسائلِ نقل وحرکت اور ذرائع ابلاغ کے پیشِ نظر، حجاجِ کرام کے میدانِ عرفات میں ہونے کی خبر لمحہ بہ لمحہ دنیا بھر میں پہنچ رہی ہوتی ہے، لہٰذا یومِ عرفہ کا روزہ بھی اسی دن رکھا جائے جب حجاج کرام، عرفات میں وقوف کرتے ہیں۔

مگر یہ بات چند وجوہ سے محلِ نظر ہے:

۱) بعض ممالک ایسے بھی ہیں جب سعودیہ میں دن ہوتا ہے تو وہاں رات ہوتی، اگر ان ممالک کے لوگ حجاج کرام کے وقوفِ عرفات کے وقت روزہ رکھیں تو گویا وہ لوگ رات کا روزہ رکھیں گے؟ وہ تو محروم ہو گئے روزہ رکھنے اور دو سالوں کے گناہ معاف کرانے سے!

امریکہ جیسے ممالک جن میں حاجیوں کے وقوفِ عرفات کے وقت رات ہوتی ہے، یومِ عرفہ کا روزہ تو ان کے لیے بھی مشروع ہے، یومِ عرفہ سے مراد حاجیوں کا وقوفِ عرفات لینا اس لحاظ سے بالکل غیر منطقی ہے۔

مسجد حرام میں نمازی کے سامنے سے گزرنا

شدید عذر کے بغیر نمازی کے سامنے سے گزرنا سخت گناہ ہے، البتہ مطاف اس حکم سے مستثنی ہے، خواہ طواف کرنے والا ہو یا نہ ہو، طواف تو نماز ہی کے حکم میں ہے، دیگر افراد کے لیے مسجد حرام میں پائے جانے والے کثیر مجمع کی وجہ سے اس حکم پر عمل دشوار ہے، حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک یہ عمل جائز ہے، کیونکہ مطاف میں طواف کرنے والوں کو گزرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، نیز کعبہ کے اردگرد دائرہ بنا کر لوگ نماز پڑھتے ہیں اور کعبہ کا طواف باجماعت نماز کے علاوہ ہر وقت طواف جاری رہتا ہے، نیز کعبہ میں

(۱) اور کچھ ایسے ممالک بھی ہونگے جہاں سعودیہ سے بھی پہلے چاند نظر آجاتا، تو کیا وہ لوگ ۱۰/ذوالحجہ یعنی عید کے دن عرفہ کا روزہ رکھیں گے؟

ہر وقت لوگوں کی آمد ورفت رہتی ہے، اس لیے ممانعت کی صورت میں لوگوں کو سخت مشکل اور تنگی لازم آتی ہے، اور حرج وتنگی شرعاً مرفوع ہے۔(۱) چنانچہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ "کعبہ کے سامنے لوگوں کا نمازیوں کے سامنے سے گزرنا درست ہے" اور علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجر اسود کے مقابل نماز ادا فرمارہے تھے اور کوئی سترہ سامنے نہیں تھا پھر بھی لوگ سامنے سے گزر رہے تھے۔(۲)

نوٹ: لیکن معلوم رہے کہ مطاف میں نمازی کے سجدے کی جگہ سے گزرنے کی اجازت نہیں بلکہ بین یدی المصلی (سجدے کی جگہ سے آگے سے) گزرنے کی اجازت ہے۔

حنفی کا حرم میں نمازِ وتر دوسلام سے فقہ اکیڈمی کا فیصلہ

بلاد عرب میں عموماً وتر کی تین رکعتیں دوسلام سے ادا کی جاتی ہیں احناف کے لیے بھی ایسے امام کی اقتداء میں نمازِ وتر ادا کرنے کی گنجائش ہے اگر امام وتر کی تین رکعتیں دوسلام سے ادا کرے تو حنفی مقتدی دو رکعت کے بعد سلام پھیرے اور امام کے ساتھ تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔(۳)

مکہ ومدینہ میں پرندوں کو دانہ ڈالنا

بعض لوگ مکہ مکرمہ اور مدنیہ منورہ میں کبوتروں اور دوسرے پرندوں کو اناج، چاول، باجرا وغیرہ ڈالنے کا بڑا اہتمام کرتے ہیں، یہاں تک کہ بہت سے لوگ حج وعمرہ پر جانے والوں کو اس غرض کے لیے رقم فراہم کرتے ہیں، پھر وہاں گلی کوچوں، راستوں اور بازاروں میں اور چلنے والوں کے پیروں کے نیچے اس رزق کے بے حرمتی ہوتی ہے اور چلنے والوں بلکہ بعض اوقات مسجد حرام کے قریب نماز پڑھنے والوں کی روکاوٹ

---

(۱) عمرہ کے فضائل واحکام: ۱۷۵

(۲) ردالمحتار: ۲/ ۵۰۱

(۳) حج وعمرہ موجود حالات کے پس منظر میں ۳۸: ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی، رفیق حج وعمرہ: ۵۶

پیدا ہوتی ہے، حتی کہ صفائی کے لیے وہاں جاروب کشوں کو مقرر کرنا پڑتا ہے، اور بعض ناواقف اس کام کی منت اور نذر بھی مانتے ہیں، حالانکہ اگرچہ پرندوں کو کھلانا پلانا باعث اجر وثواب ہے۔لیکن اس میں اتنا غلو کرنا جیسا کہ عام لوگوں نے سمجھا ہوا ہے، اور رزق کی بے ادبی کرانا اور دوسروں کو ایذاء تکلیف پہنچانا، درست نہیں، لہٰذا اس طرح کی بے حرمتی اور غلو سے بچنا چاہیے، البتہ حدود کے اندر رہتے ہوئے ان خرابیوں سے بچ کر پرندوں کے لیے کھانے پینے کی اشیاء ایک طرف ڈالنے میں حرج نہیں بشرطیکہ کسی کو تکلیف نہ پہنچے اور رزق کی بے ادبی اور ضیاع نہ ہو اور حد سے تجاوز بھی نہ ہو۔(۱)

حرم میں چھوڑے جوتوں اور چپلوں کا حکم

جن چپلوں اور جوتوں کے بارے میں یہ یقین ہو کہ یہ قیمتی ہیں اس کا مالک اس کی تلاش میں آئیگا، انہیں استعمال کرنا اور اٹھانا درست نہیں اور جو سستے ہوں جن کی تلاش میں مالک نہیں آئیگا، انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے:

"نوع لا يطلبه مالكه كالنواة وقشر الرمان والبطيخ في مواضع متفرقة له أن يأخذ وينتفع بها"(۲)

❀❀❀❀❀

(۱) عمرہ کے فضائل واحکام: ۷ /۱۴

(۲) فتاوى بزازيه على هامش الفتاوى هنديه: ۶ /۲۱۹

حج کی استطاعت

استطاعت سے کیا مراد ہے؟

ہرانسان کی استطاعت اس کی اپنی حالت کے اعتبار سے ہے مثلا: مکی کے لیے پیدل چلنے پر قدرت ہونا، بصورت عذر سواری سے جانے پر قدرت ہونا، آفاقی کے لیے سواری سے جانے پر قدرت ہونا، خشکی سے سفر ہو تو بس، ٹرین، ہوائی جہاز، سمندری سفر ہو تو پانی کے جہاز سے سفر پر قدرت ہونا، اور جو شخص جس طرح کے کھانے کا عادی ہو اس کے توشہ کا انتظام ہو جانا استطاعت میں داخل ہے پس اگر غیر مستطیع شخص بھی میقات کے اندر داخل ہو گیا تو اس پر حج فرض ہو جائے گا۔

"الاستطاعة وهي القدرة على زاد يليق بحاله" (۱)

مشترکہ خاندان میں حج کی فرضیت؟

اگر خاندان مشترک ہے باپ بیٹے ملکر محنت ومزدوری کرنے سے ایک حاجی کا مال جمع ہوا ہے تو جمع شدہ مال باپ کی ملکیت ہوگی اس لیے باپ پر حج فرض ہوگا۔

اور بیٹا باپ کی فیملی میں نہیں ہے، دونوں کا چولہا الگ الگ ہے اور کاروبار مشترک ہے جس کا پٹوارہ نہیں ہوا ہے، تو مال دونوں کے درمیان نصف نصف ہے تو دونوں میں سے کسی پر حج فرض نہ ہوگا۔

البتہ اگر صورت ایسی ہے کہ بیٹا باپ کے ساتھ ملکر رہتا ہے لیکن بیٹے کا کاروبار

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۵۴۸

خالص ہے باپ کی اس میں شرکت نہیں ہے تو اب بیٹے پر حج فرض ہوگا نہ کہ باپ پر۔(۲)

حج کا ویزا نہ ملنا مانع وجوبِ ادا ہے؟

سعودی حکومت کی طرف سے انتظامات کے پیش نظر ہر ملک میں مسلم آبادی کے تناسب سے حج کے لیے ویزوں کا کوٹہ مقرر ہے، اس مقررہ تعداد سے زیادہ ویزے نہیں دیے جاتے، اسی طرح ویزے کے اجراء کے لیے دیگر شرائط بھی لازم کردی گئی ہیں، جن کو پورا کیے بغیر ویزا ملنا مشکل ہوتا ہے بریں بنا اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہو اور تندرست بھی ہو؛ لیکن کوشش کے باوجود اسے حج کا ویزا نہ مل پائے، تو اس کے حق میں وجوب ادا کی شرط نہیں پائی جائے گی، اور اس بنا پر حج میں تاخیر کا گناہ اسے نہ ہوگا، تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ ہر سال ویزے کی کوشش کرتا رہے، اور زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کرے۔(۲)

فرض حج ساقط نہ ہوگا

اگر کسی شخص پر حج فرض ہوگیا پھر بھی اس نے حج نہ کیا، پھر حالت بدل گئی، اور وہ تنگدست ہوگیا، تو تنگدست ہوجانے سے حج کی فرضیت ساقط نہیں ہوگی، بلکہ علیٰ حالہ برقرار رہے گی، ایسا شخص استطاعت کا انتظار کرے، اگر موت تک استطاعت حاصل ہوجائے، تو حج کرلے، ورنہ موت کے وقت حج بدل کی وصیت کرجائے، پھر تہائی ترکہ سے جہاں سے بھی حج بدل ہوسکتا ہو، وہاں سے اس کی جانب سے حج بدل کرادیا جائے۔(۳)

اگر یہ شخص ادائے حج کے لیے قرض لینا چاہئے تو اجازت ہے بشرطیکہ قرض کی ادائیگی کے اسباب موجود ہوں، ورنہ بہتر ہے کہ قرض نہ لے، کیونکہ خدانخواستہ اگر قرض ادا کرنے کی فکر میں قرض ادا نہ کرسکے تو حقوق العباد کی پکڑ حقوق اللہ کی پکڑ سے زیادہ سخت ہے۔

---

(۱) مستفاد: فتاوی قاسمیہ: ۱۲/۵۱، ۵۲

(۲) کتاب النوازل في الحج: ۳۰۳/۳۰۲

(۳) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۱۶۰/۷

"لولم يحج حتى افتقر تقرر وجوبه دينا فى ذمته بالاتفاق ولا يسقط عنه بالفقر وو سعه ان يستقرض ويحج، إما إن علم أنه ليس له جهة القضاء أصلا فالأفضل عدم الاستقراض لأن تحمل حقوق الله تعالى أخف من ثقل حقوق العباد" (۱)

عورت پر حج کب فرض ہے؟

عورت پر حج فرض ہونے کے لیے دیگر تمام شرائط کے ساتھ محرم کا یا شوہر کا ساتھ ہونا بھی شرائط میں داخل ہے، پس استطاعت کے باوجود اگر شوہر یا محرم ساتھ نہیں ہیں تو عورت پر حج فرض نہیں ہے، حرمین کی حاضری کا شوق ہر مسلمان کو ہوتا ہے اور ہونا چاہیے مگر شریعت پر عمل اپنی خواہش سے کئی گنا بڑا ہوا ہے اس لیے عورت جلد بازی نہ کرا ور جب تک محرم نہ ملے حج نہ کرے اور اس تاخیر کی وجہ سے عورت کو گناہ بھی نہیں ہوگا۔

"وأما الذى يختص النساء فشرطان أحدهما أن يكون معها زوجها أو محرما لها فإن لم يوجد أحدهما لا يجب عليها الحج" (۲)

حج کے لیے شوہر کی اجازت

۱) عورت کے پاس اتنی استطاعت ہو کہ حج کر سکے اور کسی محرم کی رفاقت اس کو میسر ہوجائے تو شرعا عورت پر حج فرض ہے، اس صورت میں اگر شوہر صاحبِ استطاعت نہ ہونے کی وجہ سے بیوی کو حج کرنے سے منع کرنا بھی درست نہیں، اور اگر منع کرے تو بیوی پر اس کی اتباع واجب نہیں "لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق" اگر عورت شوہر کے منع کرنے پر حج سے رک گئ اور بلا حج

(۱) غنية الناسك: ۳۳، فتاوی شامی: ۴۵۵/۳، البحر العميق: ۳۸۶/۱

(۲) فتاوی شامی: ۴۶۴/۲

کے انتقال ہوگیا تو عند اللہ ماخوذ ہوگی ، یہ حکم فرض حج میں ہیں، ہاں نفل حج میں شوہر کے حکم کی اتباع ضروری ہے، عورت کا نفل حج شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے شوہر کا حق نفل حج پر مقدم ہے، اور شوہر کو چاہیے کہ قابل اعتماد محرم سفر کے لیے ساتھ ہو تو بیوی کو فرض حج سے منع نہ کرے ، اور ازدواجی زندگی میں دراڑ پیدا نہ کرے:

”ولو معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا......حتى لو أرادت الخروج إلى حجة التطوع فللزوج أن يمنعها كما فى صلوة التطوع وصوم التطوع“(۱)

۲) عورت اگر غیر محرم کے ساتھ سفر حج کے لیے تیار ہو جائے تو شوہر کو منع کرنے کا حق حاصل ہے خواہ وہ فرض حج ہو، البتہ شوہر کے منع کرنے پر عورت پر احرام سے نکلنے کے لئے ہدی کا جانور حرم پہنچا کر قربانی دینا یا اس کے قائم مقام روزے رکھ کر ہی احرام سے نکلنا ہوگا، اسکے بغیر احرام سے نکلنا درست نہیں ہے:

”وإن لم يكن لها محرم فمحصرة فله منعها وتحليلها بالهدى“(۲)

۳) نفل حج میں شوہر کی اجازت بغیر احرام باندھ لے اور شوہر کو حق ہے کہ منع کر کے احرام سے فورا نکال دیے، البتہ اس صورت میں عورت پر ایک قربانی اور حج وعمرہ لازم ہے جس کی قضاء بعد میں لازم ہے:

”ومنه منع الزوج زوجته إذا أحرمت بنفل أو عمرة الخ... ثم عليها هدى الإحصار وحجة وعمرة“(۳)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴

(۲) غنية الناسك: ۳۱۰

(۳) غنية الناسك: ۳۱۵

محرم یا شوہر کا سفر خرچ

۱) عورت پر حج فرض ہو جائے اور ساتھ چلنے کے لیے محرم یا شوہر پر حج فرض نہ ہوا ہو یا وہ فرض حج کر چکا ہو (لیکن عورت اس کو ساتھ لے جانا چاہتی ہے) تو عورت پر ضروری ہے کہ اپنے ساتھ شوہر کو ساتھ لے جانے کو ترجیح دے اور شوہر کے حج کے اخراجات بھی برداشت کرنا عورت پر ہی فرض ہے اور اگر شوہر یا محرم کے سفر خرچ کے اخراجات برداشت کرنے کی استطاعت نہیں ہے تو عورت پر حج فرض نہیں ہے، البتہ شوہر پر بیوی کا نفقہ حسب دستور باقی رہے گا اور وہ حضر کے نفقہ کے حساب سے دیا جائے گا۔ "ومع زوج أو محرم وجوب النفقة لمحرمها عليها لأنه محبوس عليها" (۱)

۲) اگر شوہر یا محرم پر حج فرض ہو چکا ہے کہ وہ بھی صاحب استطاعت ہے تو عورت پر ان کا خرچ لازم نہیں ہے بلکہ ہر ایک اپنا خرچ برداشت کرے۔ "فأما إذا حج معها من غير اشتراط ذلك فلا يجب" (۲)

محرم سے مراد؟

۱) محرمات ابدیہ یعنی وہ محرم رشتہ دار ہیں جن سے کبھی بھی نکاح حلال نہ ہو محرمات وقتیہ جن سے وقتی طور پر نکاح حرام ہو ان کے ساتھ سفر درست نہیں لہٰذا باپ، بیٹا، پوتا، نواسا، چچا، ماموں، وغیرہ کے ساتھ سفر درست ہے، بہنوئی، خالو، پھوپھا، وغیرہ کے ساتھ درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ محرمات وقتیہ ہیں جن سے وقتی طور پر نکاح حرام ہے، ہمیشہ کے لیے نہیں، لہٰذا یہ محرم نہیں بن سکتے اور داماد و سسر کے ساتھ سفر درست ہے "من لا يجوز مناكحته على التأبيد بقرابته أو رضاع أو مصاهرة" (۳) یہ بھی اسی وقت ہے جب کہ محرم کی عمر کا تفاوت

---

(۱) فتاوی شامی ۲:/ ۴۶۴

(۲) غنية الناسك: ۲۷

(۳) فتاوی شامی: ۳/ ۴۶۴، مکتبہ زکریا دیوبند

زیادہ ہو اور فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، عادات واخلاق قابل اطمینان ہوں، اور اگر محرم کے ساتھ سفر سے فتنہ کے اندیشہ کا قوی امکان ہو تو پھر محرم کے ساتھ سفر کرنا بھی حرام ہے:

"إن المحرم إذا لم يكن مأمونا عليه لم يجز لها أن تسافر معه وسواء كان المحرم حرا أو عبدا"(۱)

لہٰذا جوان ساس کے ساتھ یا جوان سسر کے ساتھ سفر حج فتنہ کے خوف کی وجہ سے منع ہے:

"ويؤده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة فينبغي استثناء الصهرة الشابة هنا أيضا، لأن السفر كالخلوة"(۲)

لیکن اگر یہ خوف کا اندیشہ نہیں ہے اور ساس یا خسر جوان بھی نہیں ہیں اور عورت کے پاس محرم کو ساتھ لے جانے کا خرچہ نہیں ہے، ادھر خسر یا داماد بھی سفر حج کے لیے جا رہا ہے ہوں تو عورت اپنے خسر کے ساتھ اور ساس اپنے داماد کے ساتھ سفر حج پر جا سکتے ہیں۔

تاہم فتنہ کا اندیشہ نہ بھی ہو تب بھی تہمت اور وساوس سے بچنے کے لیے خلوت سے بچتے ہوئے الگ الگ رہنا چاہیے۔

والمحرم الزوج، ومن لا يجوز مناكحتها على التأبيد بقرابة أو رضاع أو مصاهرة كذا في الخلاصة(۳)

۲) عورت اگر بلا محرم سفر حج کر لے تو کراہت تحریمی کے ساتھ حج ادا ہو جائے گا مگر گناہ ہوگا، اور عورت پر کوئی جرمانہ لازم نہیں آئے گا، مگر اس گناہ سے توبہ ضروری ہے:

"ولو حجت ملا حرمح أوزوج جاز حجها بلاتفاق ...

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۲۴

(۲) فتاوی شامی: ۳/ ۴۶۴، إعلاء السنن: ۱۰/ ۱۰

(۳) الفتاوی الهندیه: ۱/ ۲۱۹

لکن مع الکراھة التحریمیة للنھی"(۱)

(۳) خنثی مشکل کا بغیر محرم کے سفر حج کرنا جائز نہیں اگر سفر کر لے تو فرض حج ادا ہو جائے گا:

"والخنثی المشکل یشترط فی حقه مایشترط في حق الأنثی احتیاطا"(۲)

عورت کا بغیر محرم کے سفرِ حج

اس عنوان سے متعلق دو جزئیہ ہیں، جوان عورت کا سفرِ حج بذریعہ ہوائی جہاز بغیر محرم کے درست ہے یا نہیں؟ بعض حضرات کے نزدیک ہوائی جہاز کے پر امن محفوظ سفر ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ میں اپنے مسلک سے ہٹ کر دوسری رائے ہوئی ہے، دوسرا جزئیہ بوڑھی عورت کا سفر بغیر محرم کے۔

اس سلسلہ میں تو اہل علم کا اتفاق ہے کہ مسلمان قیدی خاتون کفرستان سے دارالاسلام بغیر محرم کے سفر کر سکتی ہے، اسی طرح قافلہ سے بچھڑی ہوئی خاتون کو اگر ثقہ بھروسہ مند انسان مل جائے تو وہ اس کے ساتھ اپنے قافلہ سے مل سکتی ہے، فقہاء کرام کا اس بارے میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے کے بغیر محرم کے عورت نفل حج یا تجارت یا ملاقات کا سفر نہیں کر سکتی ہے۔

البتہ اختلاف اس سلسلہ میں ہے کہ فرض حج کے سفر میں محرم شرط ہے یا نہیں؟ پہلی رائے یہ ہے کہ اگر محرم نہ ہو تو حج واجب ہی نہیں، امام نخعی، حسنِ بصری، طاؤس، شعبی، ثوری رحمہم اللہ، احناف، حنابلہ، شوافع، کی ایک رائے یہ ہی ہے، دلیل یہ ہے کہ "لا تسافر المرأة ثلاثة أیام إلا مع ذي محرم"(۳) دوسری وہ روایت دلیل ہے جو

---

(۱) فتاوی شامی: ۲/۴۶۶

(۲) فتاوی شامی: ۳/۵۵۲، البحر العمیق: ۱/۴۱۰

(۳) بخاری شریف، کتاب الصلاة، باب کم یقصر لصلوة، حدیث نمبر: ۱۰۳۸

حضرت ابن عباس ﷛ نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: **"لا يخلون رجل بامرأة ولا تسافرن امرأة إلا ومعها محرم"** تو ایک شخص کھڑے ہوکر پوچھا: یا رسول اللہ! میر نام فلاں غزوہ میں لکھا گیا ہے، اور میری بیوی حج کے لیے جارہی ہے، تو آقا علیہ السلام نے فرمایا: **"اذهب فحج مع امرأتك"** (۱)

جب نفل حج بغیر محرم کے درست نہیں تو فرض حج بھی جائز نہیں، اس لیے بھی کہ نفل شروع کرنے کے سے واجب ہوجاتا ہے، ہوائی جہاز میں پیش آنے والے ناگہانی واقعات، اعمال حج کی مخصوص نوعیت کی وجہ سے اگر محرم ہوتب ہی عورت محفوظ رہتی ہے، ورنہ خطرات کا اندیشہ ہے۔

دوسری رائے یہ ہے کہ محرم تو شرط نہیں، بھروسہ مند رفقاءِ سفر ضروری ہیں۔ "الرفقة المامونة" کی اصطلاح آئی ہے، اگرچہ کہ اس کی تشریح میں خود ان کے درمیان اختلاف ہے، یہ قول حضرت عائشہ، ابن عمر، عبداللہ بن زبیر ﷡، عطاء بن ابی رباح، محمد بن سیرین ﷮، مالکیہ، شوافع، کا مشہور قول یہ ہی ہے، آیات واحادیث کے عموم سے انہوں نے استدلال کیا ہے، کہ صرف زادوراحلہ کافی ہے، محرم کی شرط عام اسفار کے لیے ہے، سفرِ حج کے لیے نہیں ہے، حضرت عمر ﷛ ازواجِ مطہرات کو عبدالرحمن بن عوف ﷛ اور عثمان بن عفان ﷛ کے ساتھ بھیجا۔

حضرت حسن بصری، داؤد ظاہری، ابن حزم اور علامہ بن تیمیہ ﷬ کے نزدیک نہ محرم شرط ہے نہ بھروسہ مند رفقاءِ سفر۔

صاف اور صریح احادیث کے مقابلہ میں ان آراء کی کوئی حیثیت نہیں ہے، کوئی سفر عورت کا بغیر محرم کے درست نہیں، چاہے سفر مختصر ہو یا طویل، چاہے ہوائی جہاز سے ہو یا کسی اور سواری سے، محرم کا مقصد صرف حفاظت نہیں بلکہ قدم قدم پر معاونت، ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقلی میں سہولت، علاج معالجہ میں خدمت اور خود اس کی آبرو کی

---

(۱) بخاری شریف، كتاب الجهاد، باب من اكتتب في جيش، حدیث نمبر: ۳۰۰۶

حفاظت مقصود ہے۔(۱)

علماء ہند میں بلند پایہ مصنف مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ اگر زوجین میں آپسی ملاقات کو عرصہ گزر چکا، آمدنی بھی اتنی نہیں ہے کہ شوہر جا کر اپنی بیوی کو لائے، وطن میں ایئر پورٹ تک محرم پہونچا دے، وہاں مکہ مکرمہ جدہ میں شوہر وصول کر لے، قابل اعتماد جماعت ساتھ ہو، غیر مرد سے فتنہ میں مبتلا ہونے کا شبہ بھی نہ ہو، کوشش کی جائے کہ براہِ راست ڈائرکٹ فلائٹ ہو تو حنفی عورتیں مالکی، شافعی اور ابن سیرین وحماد علیہم الرحمۃ کی رائے پر عمل کر سکتی ہیں، بُعد ملاقات اور طول فراق کی وجہ سے دونوں پریشان ہونے کی شرط بھی آپ نے لگائی ہے۔(۲)

لیکن اس قول میں برائے ملاقات اور برائے حج کا باہمی امتیاز نہیں کیا گیا، محسوس ہوتا ہے کہ دونوں ہی صورتوں میں، مخصوص صورتحال میں خاص شرط کے ساتھ حضرت مفتی صاحب درست سمجھتے ہیں۔

واضح رہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری ؒ کی رائے بھی یہ ہی تھی کہ اگر عورت بغیر محرم کے سفرِ شرعی کر سکتی ہے جبکہ فتنہ سے مامون ومحفوظ ہو۔(۳)

"أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها، ومس يدها إذا أمن ومتى جاز المس جاز سفره بها ويخلو إذا من عليه وعليها، وإلا فلا"(۴)

فیض الباری میں ہے:

"وفي كتب الحنفية عامة عدم جواز السفر إلا مع محرم. قلت:

(۱) مذاہب اربعہ کے حوالوں اور مفصل تخریجات کے لیے دیکھیے: النوازل فی الحج: ۱۱۱

(۲) انوارِ مناسک: ۱۸۰

(۳) دیکھیے: العرف الشذی حاشیہ ترمذی

(۴) فتاوی شامی: ۳۶۸/۶، ملخص از: امداد الفتاوی: ۲۰۱/۴، فتح الملہم: ۳۷۶/۳، کتاب المسائل: ۹۳/۳

ویجوز عندي مع غیر محرم أیضا بشرط الاعتماد والأمن من الفتنة. وقد وجدت له مادة کثیرة في الأحادیث أما في الفقه فهو من مسائل الفتن. (۱)

حاشیہ میں مرتب لکھتے ہیں:

منها أمر النبي ﷺ أبا العاص أن یرسل زینب رضي الله عنها مع رجل لم یکن لها محرما، ومجيء عائشة رضي الله عنها في قصة الإفك. (۲)

مفتی محمد رضوان صاحب راولپنڈی نے اپنے علمی وتحقیق رسائل (جلد سوم) ایک مفصل مضمون ''محرم کے بغیر سفر کا حکم'' تقریباً نوے صفحات پر مشتمل ہے، انہوں نے بھی مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے ذکر کردہ شرائط ے ساتھ استثنائی صورتوں میں مشروط اجازت دی ہے، رواج دینے سے تو تمام اکابر نے منع کیا ہے۔

دوسرا جزئیہ: بوڑھی عورت کیا بلا محرم سفر کرسکتی ہے؟ اس بارے میں معاصر احناف کے درمیان اختلاف ہے، حضرت اقدس حکیم الامت اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ مفتی شبیر احمد قاسمی دامت برکاتہم اور مفتی شعیب اللہ خان صاحب مفتاحی دامت برکاتہم کی رائے یہ ہے کہ عجوزہ بغیر محرم کے سفر کرسکتی ہے، دلیل یہ ہے کہ محرم کی شرط اور مقصدِ اصلی اثنائے سفر ابتلاء معصیت اور فتنہ سے حفاظت ہے، اس لیے ساٹھ ستر سالہ عورت مستثنیٰ ہوگی، مگر بوڑھی کمزور عورت کی خدمت وسہولت کے لیے کسی کا ساتھ ہونا ضروری ہے۔

مولانا عبدالرحیم لاجپوری، مولانا رشید احمد لدھیانوی، مولانا یوسف لدھیانوی اور ماضی قریب کی کثیر التصانیف وسیع النظر شخصیت مولانا ارشاد القاسمی صاحب (استاذ حدیث وافتاء مدرسہ ریاض العلوم گورینی، جون پور، یوپی) کی رائے یہ ہے کہ اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

---

(۱) فیض الباری: ۲/ ۵۳۴

(۲) حوالہ سابق

احادیث میں کہیں بھی بوڑھی کا استثناء نہیں ہے، متقدمین فقہاء احناف کا اس پر اجماع ہے، فتاوی قاضی خان میں ہے: "واجمعوا علی أن العجوز لا تسافر بغير محرم"۔

عمدۃ القاری میں ہے: "وفيه أن النساء كلهن في منع المرأة عن السفر الأذى محرم"

مرقاۃ المفاتیح میں ہے۔ "امرأة عجوزة او شابة" بنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ "سواء كانت المرأة شابة او عجوزة" عنایہ شرح ہدایہ میں ہے۔ "شابة كانت أوعجوزة" ابن الھمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں: "وإن كانت عجوزه" البحر الرائق میں ہے۔ "واطلق فشمل المشائخ والعجوز لا طلاق النصوص" طحاوی علی الدر، مجمع الأنهر، محيط برهانی، ردالمحتار، شرح مناسك ملا علی قاری، غنية الناسك، میں واضح اور صاف عبارات موجود ہیں۔

ستر سال کی تحدید، غیر مشتہاۃ ہونے کی تعیین کیسے کی جاے گی، بقول علامہ عینی کے۔ "لكل ساقطة لاقطة" پھر اس ہیجان انگیز ماحول میں جہاں پانچ سالہ کم سن لڑکیوں کو بھی اپنی ہوس کا نشانہ بنایا جارہا ہو۔

متفقہ فیصلہ سے خروج کے لیے کونسا محرک پیش آیا؟ جب کہ شریعت حکم کو پورا کرنے کا نام ہے، شوق پورا کرنے کا نام نہیں، پھر اتنی کھوسٹ بوڑھی کی خدمت کون کریں گے؟ خواتین یا مرد؟ اتارنا چڑھانا، کیا دیگر خواتین کرسکتی ہیں، طواف، سعی، منی، مزدلفہ میں تعاون کون کرے گا، بہرحال دونوں نقطۂ نظر، دلائل پیشِ خدمت ہیں، فیصلہ فرمائیں۔ واللہ اعلم۔

محرم کا لزوم عورت کے حق میں باعثِ رحمت

الف) عورت پر حج فرض ہونے کے لئے شرط ہے کہ عورت کے ساتھ اسکا کوئی محرم رشتہ دار ہو، اگر محرم رشتہ دار نہ ہو یا ساتھ چلنے کے لئے تیار نہ، یا تیار ہو اور عورت

کے پاس اسے لے جانے کے لئے انتظام نہ ہوتو عورت پر حج فرض نہیں ہے، جب اس صورت میں حج فرض ہی نہیں تو بلا محرم کے حج کرنا جائز نہیں ہے، عبادت شریعت کی اطاعت واتباع کا نام ہے، اپنی مرضی وخوشی اور اتباع ہوی کا نام شریعت نہیں ہے، بلا محرم سفر کرنا اتباع شریعت نہیں بلکہ اتباع ہوی ہے، یہی مفتی بہ قول ہے۔ "وينبغي أن يكون الفتوى عليه الفساد الزمان"(۱)

ب) نیز حج کے فرض ہونے کے بعد بھی عورت کے لیے محرم کے بغیر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہوتی، بلکہ اس کے لیے یہ حکم ہے کہ اگر مرتے دم تک محرم میسر نہ ہوتو وہ مرنے سے پہلے حج کی وصیت کر جائے۔

ج) حج اور عمرہ انسان عبادت اور اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کرتا ہے، اور نبی کریم ﷺ کے ارشادات کے نافرمانی کر کے اللہ کے رضا اور ثواب کی امید کرنا عبث اور ناسمجھی ہے، نیز شریعتِ مطہرہ میں عورت کے لیے سفر میں محرم کی شرط اس کی عصمت وناموس کی حفاظت اور بدگمانی، بدنامی اور تہمت سے بچانے کے لیے ہے، جس کے بغیر عورت کی کوئی قیمت نہیں ہے، اس لیے عورتوں کو چاہیے کہ شریعت کی احکام کی قدر کریں اور شریعت کو اپنا محسن سمجھیں۔

د) حج کا سفر عموما زندگی میں ایک بار ہوتا اور فرض بھی ایک ہی با ہے، اور مشقت بھرا سفر ہے، نئی جگہ، ازدحام، ایرپوٹ کے مسائل، قانونی دشواریاں، عرفہ، مزدلفہ، منی، وغیرہ کے انتظامی تعاون کے لئے اگر محرم ساتھ نہ ہوگا تو کس قدر مشقت ہوگی اندازہ کرلیں، فرض حج اگر تجربات کے نذر ہوگیا تو بقیہ جتنے بھی حج کی توفیق مل جائے وہ سب نفل ہی ہونگے۔

مسئلہ کا سیاسی رخ

ہندوستان میں حکومتِ موجودہ (۲۰۱۹ء) نے بغیر محرم کے سفر کرنے کی اجازت

---

(۱) فتاوی شامی: ۲/ ۴۶۴

دے دی ہے، امسال (۱۴۴۰ھ) کے حج میں بڑی تعداد اس طرح خواتین کی جا رہی ہے، طلاقِ ثلاثہ وغیرہ کی طرح حکومت کا نشانہ مساواتِ مرد وزن کا ناکام بے جان نعرہ لگانا ہے، شریعت محمدیہ پر حملہ کرنا ہے، کسی مسلک یا کسی شخصیت کی رائے کو اس کے تمام شرائط کے ساتھ قبول کرنا ہرگز حکومت کے سامنے نہیں رہا ہے، لکھتے، بولتے وقت یہ سیاسی رخ بھی اوجھل نہ ہونا چاہیے، مسجد میں خواتین کو مردوں کی صف میں شامل کرنے کی آواز اٹھ چکی ہے۔ ”وماتخفی صدورھم أکبر“۔

حج بدل کے بعد محرم ملے تو دوبارہ حج فرض ہے

عورت محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرانے میں اس وقت تک انتظار کرے جب تک کہ وہ بڑھاپہ کی وجہ سے سفر سے عاجز نہ ہو جائے ورنہ اگر کوئی عورت محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرا دی بعد میں محرم مل گیا تو حج بدل نفل ہو جائے گا اور عورت پر اپنے محرم کے ساتھ فرض ادا کرنا ضروری ہوگا، اور اگر حج بدل کے بعد محرم نہیں ملا تو وہی حج بدل کافی ہوگا۔(۱)

خادمہ کا حج کفیل کے ساتھ

ابھی یہ بات گزر چکی کہ عورت کا بلا محرم سفر حج ہو جانا ناجائز ہے اور چونکہ خادمہ یہ بھی عورتوں کے زمرہ میں داخل ہے، اس لیے وہ بھی بغیر محرم کے سفر حج پر نہیں جا سکتی اور کفیل چونکہ وہ بھی غیر محرم ہے اس لیے اس کے ساتھ بھی سفر حج پر جانا جائز نہیں ہے۔

البتہ صورت حال ایسی ہے کہ خادمہ ایک قبیلہ کے پاس رہ کر کام کرتی ہے جس کا اس قبیلہ کے علاوہ کوئی نہیں، اب یہ قبیلہ حج کے لیے جانے والا ہے اور اس خادمہ کا گھر میں تنہا رہنا خطرہ سے خالی نہیں، نیز کسی کے گھر اس خادمہ کو ٹھہرانا بھی غیر مناسب ہو تو ایسی مجبوری کی صورت میں بڑے مفسدہ سے بچانے کی غرض سے اس خادمہ کو بھی کفیل پورے خاندان کے ساتھ سفر حج پر لے جایا جا سکتا ہے۔(۲)

(۱) البحر العمیق: ۴/ ۲۲۶۲، کتاب المسائل: ۳/ ۳۹۳ (۲) مستفاد: النوازل: ۱۱۲

عدت کی حالت میں حج کرنا

۱) میاں بیوی حج کا ارادہ کر لینے کے بعد خدانخواستہ شوہر کا انتقال ہوجائے تو عورت اپنا سفر حج ملتوی کر دے عدت کی حالت میں سفر حج کرنا شرعا درست نہیں ہے، حج کرنا بھی اللہ ہی کا حکم ہے اور عدت کی حالت میں سفر نہ کرنے کا حکم بھی اللہ تعالی ہی کا ہے، جس حال میں اللہ کا جو حکم بندہ کو دیا جائے وہ حکم بجالانا ہی اصل بندگی ہے، تاہم اگر سفر کر لے اور حج کے ارکان ادا کر لے تو حج ادا ہوجائے گا اور گناہ لازم آئے گا۔ "فإن حجت وهي في العدة جازت بالاتفاق وكانت عاصية" (۱)

۲) سفر شروع ہونے کے بعد اگر شوہر کا انتقال ہوجائے جائے انتقال اور وطن کے درمیان مسافت سفر سے کم مدت ہو یا برابر ہو یا زائد ہو واپس وطن آ کر عدت گزارے اور اگر آگے کسی محرم کے ساتھ سفر حج کر لے تو حج ہوجائیگا:

"وإن كان كل واحد من الطرفين سفرا، فإن كانت في المفازة مضت إن شائت أو رجعت بمحرم أو بغير محرم والرجوع أولى" (۲)

یہی فقہ اکیڈمی انڈیا کا فیصلہ بھی ہے۔

۳) اگر مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد شوہر کا انتقال ہوا تو اعمال حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، محرم سفر کے لیے شرط ہے اعمالِ حج کے لئے شرط نہیں:

"ومنها عدم قيام العدة فی حق المرأة وفاة كانت أو عدة طلاق ... فلا تخرج المرأة إلى الحج في عدة طلاق أو موت" (۳)

---

(۱) غنية الناسك:۲۹

(۲) غنية الناسك:۳۰

(۳) الفتاوى الهنديه:۱/۲۱۹

دوران سفر اگر طلاق ہوجائے؟

۱) سفر شروع ہونے کے بعد اگر طلاق رجعی ہوجائے تو عورت کو چاہیے کہ شوہر ہی کے ساتھ رہے خواہ شوہر حج کا سفر مکمل کرے یا واپس آجائے، اور شوہر کے لیے افضل یہی ہے کہ ایسی صورت میں بیوی سے رجوع کرلے:

"فإن لزتها في السفر فإن كان الطلاق رجعيا تبعت زوجها رجع أو مضى، ولا يفارقها زوجها والأفضل أن يراجعها"(۱)

۲) اور اگر طلاق رجعی ہوجائے تو دیکھا جائے کہ وقوع طلاق کے وقت وطن مسافت سفر سے کم ہے تو سفر حج ملتوی کرکے واپس لوٹ کر عدت گزارنا واجب ہے، اور اگر جائے طلاق سے وطن مسافت سفر یا مسافت سفر سے زیادہ ہے تو بھی یہی حکم ہے کہ واپس لوٹ کر عدت گزارے، ساتھ میں اگر دوسرا محرم ہو مثلا بھائی، باپ وغیرہ تو بھی اولی وافضل یہی ہے کہ واپس آجائے لیکن اگر دوسرے محرم کے ساتھ سفر جاری رکھے تو اس کی بھی گنجائش ہے:

"فإن كان إلى كل من بلدها ومكة أقل من مدة السفر تخير، أو إلى أحدها سفر دون الآخر تعين أن تصير إلى الآخر الخ"(۲)

حج کے لیے زمین، گھر اور جائداد فروخت کرنا

۱) اگر کسی کے پاس اتنی جائداد زمین وغیرہ ہو کہ اسکا کچھ حصہ فروخت کرکے حج کا سفر کیا جا سکتا ہے اور بقیہ زمین پر واپسی کے بعد گزارا ہوسکتا ہے تو اس پر حج فرض ہے اور اگر اتنی مقدار میں زمین نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔

---

(۱) غنية الناسك:۲۹

(۲) غنية الناسك:۲۹

”وإن کان له من الضياع مالوباع مقدار ما يكفى الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بغلته الباقى افترض عليه الحج وإلا لا“(۱)

۲) اگر کسی کے پاس، حویلی، بنگلہ، گھر اتنا بڑا ہے کہ اسکا کچھ حصہ فروخت کر کے حج کا سفر کرسکتا ہے تو اس پر مکان کا وہ حصہ فروخت کرنا فرض نہیں ہے، لیکن اگر کچھ حصہ فروخت کر کے حج کرتا ہے تو فضیلت پر عمل کرنے کا ثواب ملے گا۔

”ولو کان منزله کبیرا یمکنه الاستغناء والحج بالفاضل لایلزمه بیع الفاضل، نعم ہو الافضل“(۲)

(۳) اگر کسی کے پاس زائد مکان خالی پڑا ہوا ہے اور آمدنی کا ذریعہ دوسرا ہے تو اس مکان کو فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے۔

”وإن کان له مسكن فاضل لايسكنه....او حوانيت أو نحو ذالك مما لايحتاج إليها يجب بيعها إن كان به وفاء بالحج“(۳)

۴) اگر کسی کے پاس زائد مکان کرایہ پر دیا ہوا ہے جبکہ آمدنی کا ذریعہ بھی وہی ہے تو اس پر مکان فروخت کر کے حج کرنا فرض نہیں ہے، البتہ اگر زائد مکان، گھر کا زائد سامان جس کی اس کو فی الفور ضرورت نہیں ہے اور اس مقدار میں ہے کہ اس کی رقم سے حج ہوسکتا ہے تو اس پر حج فرض ہے۔

”وإن کان له مسكن فاضل لا يسكنه أو عبد لا يستخدمه أو متاع لا يمتهنه.....أو نحو ذلك مما لا يحتاج إليها يجب

---

(۱) غنية الناسك:۲۰

(۲) غنية الناسك:۲۱، فتاوی شامی: ۳/۴۶۱، البحر الرائق: ۲/۵۴۹، فتاوی هنديه: ۱/۲۱۷

(۳) غنية الناسك:۲۱

بيعها إن كان وفاء بالحج" (۱)

۵) حج کے لیے حوائج اصلیہ جیسے گھر کا ضروری سامان، سواری، کاری گری کے آلات، مطالعہ کی کتابیں، پہننے کے کپڑے، فریج، کولر اگر چہ کتنے ہی قیمتی ہوں، بقدر ضرورت تجارت کا سامان فروخت کرنا ضروری نہیں۔

"ومعنى القدرة على زاد وراحلة ...فاضلا عن حاجته الأصلية المذكورة في الزكاة......وعن نفقة عياله من تلزمه نفقته" (۲)

۶) جو شخص سفر خرچ پر تو قادر ہے مگر اہل وعیال کے نفقہ کا انتظام کرنے پر قادر نہیں ہے تو اس پر حج فرض نہیں ہے۔

"إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلا عن مسكنه ومالا بد منه وعن نفقة عياله إلى حين عوده" (۳)

۷) جس شخص کے پاس اتنی رقم ہے کہ جس سے حج کا سفر بسہولت ہوسکتا ہے مگر اس کو مکان کی تعمیر بھی کرنا ہے تو اس کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر ایام حج آنے سے قبل گھر کی تعمیر میں وہ رقم خرچ کر دے تو حج فرض نہیں اور اگر ایام حج آ گئے اور رقم خرچ نہیں ہوئی ہے تو اس پر حج فرض ہے، اور اگر تھوڑی رقم خرچ ہوگئی اور تھوڑی باقی ہے تو بھی حج فرض نہیں ہے۔

"ومن لا مسكن له ولا خادم وهو محتاج إليهما وله مال يكفيه لقوت عياله من وقت ذهابه إلى حين إيابه وله مال يبلغه فليس له صرفه إليهما إن حضر وقت خروج أهل بلده الخ" (۴)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۲۹۸، غنية الناسك: ۲۱، فتاوی خانیہ: ۱/ ۲۸۴

(۲) مجمع الأنهر: ۱/ ۳۸۶

(۳) اللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۸۹

(۴) فتاوی ہندیہ: ۱/ ۲۱۷، غنية الناسك: ۲۰، بدائع الصنائع: ۲/ ۲۹۶

حج کے لیے سامان تجارت (دکان) فروخت کرنا

اگر کسی کے پاس دوکان پر اتنا سامان ہے جس کو فروخت کرنے سے حج کا سفر بسہولت ممکن ہے مگر ذریعہ معاش بھی وہی دوکان ہے تو اس پر حج اس وقت فرض ہوگا جبکہ آدھا سامان یا کچھ سامان فروخت کر دینے کے بعد بھی اتنی تجارت باقی رہ سکتی ہے کہ جس سے گزارا چل سکے تو زائد سامان فروخت کر کے حج کرنا فرض ہے اور اگر سامان تجارت ہی اتنا ہے کہ اسے فروخت کر دینے پر گزارا مشکل ہے تو حج فرض نہیں ہے۔

"وإن كان له من الضياع مالو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بغلته الباقي افترض عليه الحج وإلا لا"(۱)

حاجت اصلیہ میں مال خرچ کرے یا حج کرے؟

حج کے بقدر مال ہے مگر کار خریدنا چاہتا ہے یا گھر کے لیے جنریٹر خریدنا چاہتا ہے، یا دوسری کوئی ضرورت پوری کرنا ہو تو ایام حج سے پہلے اگر وہ رقم خرچ کر دے تو درست ہے لیکن اگر ایام حج آ گئے تو حج کرنا ہی فرض ہے۔

"وإن لم تكن موجودة عنده وهو محتاج اليها يقدم الحج عليها إن حضرت وقت خروج أهل بلده فلا يصرف المال إليها، بل يحج به"(۲)

زیورات فروخت کر کے حج کرنا

جس عورت کے پاس اس قدر سونا، چاندی ہے کہ جسے فروخت کرنے پر اپنے اور محرم کے مصارف حج کے لیے کافی تو ہو جاتے ہیں اس عورت پر حج فرض ہے۔(۳)

---

(۱) غنية الناسك: ۲۰

(۲) بدائع الصنائع: ۲/ ۲۹۸، فتاوی هنديه: ۱/ ۲۱۷، البحر الرائق: ۲/ ۵۴۹

(۳) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۲۶، کتاب المسائل: ۳/ ۲۸۸

حج میں تاخیر کرنے کا گناہ

۱) حج کے تمام شرائط واسباب پائے جانے کے باوجود بلاعذر حج میں تاخیر کرنا فسق میں داخل ہے، ایسا شخص مردود الشہادہ ہے، اور اگلے سال موقع نہ مل سکا کہ مال ختم ہوگیا یا خود چل بسا تو گناہگار ہوکر مرے گا بلکہ اندیشہ ہے کہ حدیث کی رو سے ایسا شخص یہودی یا نصرانی بن کر مرے۔

"مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهُ إِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَـمْ يحجَّ فَلَا عَلَيْهِ أَنْ يَمُوْتَ يَهُودِيًّا، أَوْ نَصرَانِيًّا"(۱)

۲) یاد رہے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں اور موت کا کسی عمر سے رشتہ نہیں، اگر اگلے سال زندگی باقی بھی رہی تو کمزوریوں اور بیماروں سے دوچار ہوجاتا ہے جس سے اتنا لمبا سفر شوق وذوق سے خالی اور ارکان کی ادائیگی میں بہت کوتاہی ہوجاتی ہے، اس لیے فوری حج کرنا شرعی وجوب کے علاوہ ایک فطری امر بھی ہے۔

۳) اور حدیث میں یہودی یا عیسائی بن کر مرنے کی وعید اس وجہ سے ہے کہ ان دنوں مذاہب میں عبادت حج کی کوئی اہمیت نہیں ہے ان کی اپنی مرضی ہی عبادت ہے، گویا جو شخص وسعت کے باوجود حج نہ کرے اس کے نزدیک بھی ان لوگوں کی طرح عبادت کی کوئی اہمیت نہیں ہے، اور ان کی طرح سرکشی کرنے والا شمار ہوگا۔

والدین وبیوی کے علاج کے لیے تاخیر کرنا

۱) کسی شخص کے پاس موجود رقم سے یا تو حج ہوسکتا ہے یا علاج ہوسکتا ہے اور والدین کی تیمارداری کے لئے اس شخص کے علاوہ دوسرا کوئی نہیں ہے تو رقم علاج میں خرچ کردے اور اس پر کوئی گناہ بھی نہیں ہوگا، (خواہ بعد میں ایام حج آنے سے قبل خود انتقال ہوجائے، ہاں کچھ مال چھوڑ کر گیا ہو تو حج بدل تہائی مال میں سے وصیت پر کروانا واجب ہے) البتہ بعد میں استطاعت ہوجائے تو حج فرض ہے۔

---

(۱) ترمذی شریف ۱:۱۶۷، شعب الایمان: ۴۳۰/۳، حدیث نمبر: ۳۹۷۸

"ومرض الوالد والوالدة يكون عذرا إذا احتاج إليه" (۱)

۲) بیوی اگر بیمار ہو شوہر تمام اخراجات کا انتظام کرکے تیمارداری کے لیے اس کے اہل خانہ کو ذمہ داری دے کر چلے جانا واجب ہے "من عليه الحج ومرضت زوجته لا يكون عذرا في التخلف عن الحج" (۲)

اولاد کی پرورش کے لیے تاخیر کرنا

کسی عورت کے چھوٹے بچے ہوں اور کوئی دیکھ بھال کرنے والا نہ ہو تو یہ عورت استطاعت کے باوجود حج میں تاخیر کرسکتی ہے۔

"والولد المحتاج الصغير المحتاج إليه عذر فى التخلف مريضا كان أولم يكن" (۳)

مرض کی وجہ سے حج میں تاخیر کرنا

۱) اگر کسی شخص کو دائمی نزلہ، زکام، دمہ، سردی کا مریض، گرمی کا مریض، ہائی بلڈ پریشر، شوگر، بی پی، وغیرہ جیسے امراض ہوں تو یہ سفر حج میں تاخیر کا عذر نہیں بن سکتے بلکہ مناسب اسباب ودوائی کا انتظام کرکے اپنا فریضہ حج ادا کرنا فرض ہے۔

"يمشى قليلا فيضيق نفسه فيحتاج إلى الاستراحة ثم يمشى قليلا فلا يقدر إلا بعد استراحة هكذا وله زاد وراحلة لا يجوز له تأخير الحج، وكذا إذا كان يضره الهواء الباردة ويجمد بلغمه ويضيق نفسه" (۴)

۲) جو شخص ہارٹ کا مریض ہو تو سفر حج کے تمام انتظامات کے باوجود مرض اگر خطرہ کا

---

(۱) إعلاء السنن: ۱۰/۷

(۲) إعلاء السنن: ۱۰/۷

(۳) غنية الناسك: ۱۲

(۴) غنية الناسك: ۱۲

سبب بن سکتا ہو تو حج میں تاخیر کی اجازت ہے، اگر موت تک صحت نہ ملی تو وصیت کرنا لازم ہے۔ ''أما إذا كان غالب ظنه الموت إما بسبب الدم أو المرض فإنه يتضيق عليه الوجوب إجماعا''(١)

والدین کو حج کروانے میں تاخیر کرنا

اگر کوئی شخص صاحب استطاعت ہے اور وہ فرض حج کر چکا ہے تو چاہیے کہ دوبارہ نفل حج کرنے کے بجائے والدین کو حج کروائے، اس میں ایک فائدہ یہ ہوگا کہ والدین پر اگر پہلے حج فرض تھا اور وہ اولاد کی پڑھائی کی خاطر، شادی کے اخراجات کی وجہ سے، یا بے علمی کی وجہ سے حج نہ کر سکے اور اب مال ختم ہو گیا تو جو گناہ حج نہ کرنے کا ان کو ہوگا اس سے بچ جائیں گے اور اگر پہلے سے ان پر حج فرض نہیں تھا تو اخلاقا والدین کو حج کروانے میں زیادہ فائدہ ہے ان کی دعائیں ملیں گی، ان کی رضامندی حاصل ہوگی اور حج کروانے کا ثواب علیحدہ رہا، لیکن اگر استطاعت کے باوجود خود حج نہیں کیا اور اپنے مال سے پہلے والدین کو حج کروانا چاہتا ہے اس کے بعد جب مال آئے گا تو خود حج کرلے گا تو یہ صورت درست نہیں ہے، جو صاحب استطاعت ہوا ہے پہلے اسی پر حج فرض ہے۔

مکان خریدنے یا تعمیر کرنے کے لیے تاخیر کرنا

اگر کسی کے پاس اتنا پیسہ ہے کہ اس سے حج ہو سکتا ہے مگر رہائش کا مکان نہیں ہے تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر ایامِ حج آ گئے ہوں اور رقم رکھی ہوئی ہے تو حج کرنا فرض ہے اور اگر ایامِ حج آنے سے قبل اس نے مکان خرید لیا یا تعمیر کرلیا تو اس طرح کرنا بلا کراہت جائز ہے، دوبارہ استطاعت کے بعد حج ادا کرلے ''أما قبله فيشتري به ماشاء لأنه قبل الوجوب''(٢)

---

(١) غنية الناسك:١١

(٢) فتاوى شامي: ٣/٤٦١

خود کی شادی کے لیے حج میں تاخیر کرنا

۱) صاحب استطاعت جوان شخص شہوت پر کنٹرول کرسکتا ہے، حج کے ایام آنے سے قبل شادی کرلیا تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر ایام حج آچکے ہوں تو حج کرنا واجب ہے۔

"معه ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده فله التزوج ولو وقته لزمه الحج"(۱)

۲) صاحب استطاعت جوان شخص شہوت پر قابو نہیں رکھ سکتا ہو اور گناہ میں مبتلا ہو جانے کا قوی اندیشہ ہو تو موجودہ رقم سے شادی کر کے اپنے آپ کو گناہ سے بچانا بلا کراہت جائز ہے۔"لان فی ترکه امرین ترک الفرض والوقوع فی الزنا"(۲)

اولاد کی شادی کے لیے حج میں تاخیر کرنا

۱) اولاد کی شادی شرعا کوئی عذر نہیں ہے، اور بلا عذر حج میں تاخیر کرنے والے شخص کی گواہی مردود ہے اور شرعا ایسا شخص فاسق کہلاتا ہے، اور آج کی اکثر شادیاں خلاف شرع ہی ہوتی ہیں (الا ماشاءاللہ) جو شخص صاحب استطاعت ہو جانے کے بعد بچوں کی شادی، بچیوں کی شادی کے بہانے حج کے ایام آجانے کے بعد بھی تاخیر کرنا جائز نہیں ہے۔"فیفسق وترد شهادته بالتأخير عن العام الأول بلا عذر"(۳)

۲) ''لڑکی کی شادی سے پہلے حج فرض نہیں ہوتا''...''شادی کے لیے رقم الگ کرنے کے بعد بقیہ رقم سے حج فرض ہوتا ہے''..وغیرہ جملے بالکل غلط ہیں،

---

(۱) فتاوی شامی: ۳/۴٦۱

(۲) فتاوی شامی: ۳/۴٦۱

(۳) فتاوی شامی: ۳/۴۵۴

شادی کے لیے مناسب رشتہ مل گیا اور ایام حج سے پہلے اس شخص نے اولاد کی شادی کر کے رقم خرچ کر دیا تو بلا کراہت جائز ہے، لیکن مناسب رشتہ نہیں ملا، یا ملا مگر ایام حج آگئے اب شادی کی وجہ سے حج میں تاخیر درست نہیں ہے، جب اپنی شادی کی وجہ سے حج میں تاخیر درست نہیں ہے تو دوسروں کی شادی کی وجہ سے حج میں تاخیر بدرجہ اولی درست نہیں ہے۔ "ومقتضاه تقديم الحج على التزوج وإن كان واجبا عند التوقان" (۱)

بیوی کو ساتھ لیجانے کے لیے حج میں تاخیر کرنا

جو شخص صاحب استطاعت ہو جائے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے خواہ وہ شوہر ہو یا بیوی، (البتہ بیوی کے لیے محرم کا ہونا بھی شرط ہے) شوہر صاحب استطاعت ہو جانے کے بعد بیوی کی استطاعت کے انتظار میں تاخیر کرنا درست نہیں ہے، بیوی کو ساتھ لیے جانا شرعاً نہ فرض ہے اور نہ ہی واجب وسنت ہے، اور بیوی کو بھی اس مسئلہ میں اپنے شوہر کو گناہ میں مبتلا ہونے سے بچانا چاہیے بعض مرتبہ عورتیں خود کہتی ہیں ہم ساتھ چلیں گے، ہم نہیں جانتے کہ آنے والے سال تقدیر کا کس کے ساتھ کیا فیصلہ ہوگا۔

"والحج مطلقا هو الفرض فإذا أخره إلى العام الثاني بلا عذر يأثم لترك الواجب" (۲)

نابینا شخص پر حج

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نابینا شخص پر حج فرض نہیں ہے، امام صاحبین یعنی امام ابو یوسف رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کے یہاں اس پر حج بدل کرانا فرض ہے، پھر عذر زائل ہو گیا، تو دوبارہ خود حج کرے، یہ دونوں قول مصحح ہیں، اول اگرچہ اوسع ہے مگر ثانی احوط ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر مشائخ کا مختار بھی ہے، لہٰذا نابینا شخص اپنا یعنی حج بدل کرانے

---

(۱) فتاوی شامی: ۴۶۱/۳، البحر العميق: ۳۸۱/۱، فتح القدير: ۴۱۳/۲

(۲) غنية الناسك: ۱۱

کی صورت ممکن ہو، تو اس پر عمل کرنا لازم ہے، یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ مانع سے قبل حج فرض نہ ہوا ہو، اور اگر پہلے سے فرض تھا، اس کے بعد عاجز ہو گیا تو بالاتفاق حج بدل فرض ہے۔(۱)

سبسیڈی سے حج

گورنمنٹ آف انڈیا حج کمیٹی کے ذریعہ عازمین حج کو سبسیڈی دی جاتی ہے جس میں دو تہائی حصہ معاف کر کے ایک تہائی حصہ کرایہ لیتی ہے، مثلاً ۳۶/ہزار کرایہ ہے تو ۱۲/ہزار لیتی ہے، اس سبسیڈی کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ:

۱) حاجیوں کو لیجانے والی ائرلائنز گورنمنٹ کی بھی اور کرایہ وصول کرنے والے کو کرایہ دار سے کرایہ کم کرنے اور معاف کرنے کا اختیار ہے۔

۲) گورنمنٹ کی بیشتر آمدنی حلال ہے جیسے قدرتی وسائل کی فروخت، عوامی سہولتوں کے عوض ٹیکس، وغیرہ اور حلال تعاون لینے میں حرج نہیں۔

۳) عبادت میں غیر مسلم کا تعان لینا درست ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی کے غسل کے لیے غیر مسلم عورت سے پانی لیا (۲) حج کو جہاد کہا گیا ہے اور غزوہ حنین میں صفوان بن امیہ کے تیس سے چالیس زرہیں لی گئی، غزوہ خیبر میں دس یہودیوں سے مدد لی اور انہیں مال غنیمت میں حصہ دیا (۳) جب غیر مسلم کا تعاون درست ہے تو وہ حکومت جس میں مسلمان اور غیر مسلم مشترک ہیں کا تعاون بدرجہ اولی درست ہے۔

۴) غیر مسلموں کا مالِ وقف مساجد پر لگانا بالاتفاق درست ہے البتہ احناف کے نزدیک اس صورت میں درست ہے جبکہ غیر مسلم بھی اسے کارِ خیر سمجھتا ہو:

---

(۱) حوالہ سابق: ۹/ ۱۳۲

(۲) صحیح بخاری، کتاب التیمم، حدیث نمبر: ۳۴۷

(۳) موطا امام مالک، حدیث نمبر: ۱۱۷

"إن شرط وقف الذمی أن یکون قربة عندنا وعندهم کالوقف علی الفقراء او علی مسجد القدس"(۱)

۵) حکومت کا معذوروں، صحافیوں، طلبہ، سن رسیدہ لوگ، گورنمنٹ ملازمین وغیرہ سہولت حاصل کرنا جس طرح درست ہے اسی طرح عازمین حج کو سبسیڈی کی سہولت حاصل کرنا درست ہے۔

۶) سبسیڈی کے لیے جھوٹ بولنا یا جھوٹی قسم کھانا درست نہیں ہے۔(۲)

الغرض حکومت کی طرف سے حاجیوں کو سبسڈی ملتی ہے وہ ایک تعاون ہے، اس کے لینے میں کوئی قباحت اور کراہیت نہیں، بلکہ بلاشبہ جائز ہے۔(۳)

۷) اگر کوئی شخص سفر حج کا خرچ پیش کرے یا آمدرفت کا انتظام کردے تو اس سے حج فرض نہیں ہوگا، اور نہ ہی ایسی پیش کش قبول کرنا فرض ہے۔

"ولا تثبت الاستطاعة بالعارية والإباحة، فلو بذل الابن لأبيه الطاعة وأباح له الزاد والراحلة لا يجب عليه الحج، وكذالو وهب مالا ليحج به لا يجب عليه قبوله"(۴)

بینک سے لون لے کر حج کرنا

بینک سے لون لے کر خوب استغفار کریں، سود دینے کا گناہ تو ہے ہی لیکن حج کرنے سے فریضۂ حج تو ادا ہو جائے گا؛ لیکن حج مقبول کا ثواب نہیں ملے گا۔(۵)

---

(۱) ردالمحتار:۶/۴۱۰، الفقه الإسلامي وأدلته:۸/۹۸

(۲) ملخص از: کتاب الفتاوی:۸/۴۸۰

(۳) مستفاد: فتاویٰ رحمیہ:۱۰/۲۲۵، فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/۱۰۰، کتاب الفتاوی:۴/۱۱۰، کتاب النوازل:۷/۲۸۳

(۴) فتاوی شامی:۳/۴۵۸، البحر الرائق:۲/۵۴۸، غنیة الناسك:۲۱

(۵) مستفاد: فتاویٰ قاسمیہ:۱۲/۹۳

مقروض کے حج کا حکم

اگر صاحب استطاعت یا مالدار آدمی محض اپنے کاروباری لین دین کی وجہ سے مقروض ہے اور اس کے پاس اس قرض کو اتارنے کے دیگر ذرائع موجود ہیں، ورثہ ملکیت زمین یا کاروباری سامان اتنا ہے جس سے اس کا قرض اتارا جاسکتا ہے تو اس پر حج کے لیے ضروری مال مہیا ہونے کی صورت میں حج کرنا فرض ہے۔

اور اگر اس کے پاس بظاہر قرض اتارنے کا کوئی دوسرا ذریعہ موجود نہیں ہے کہ جس سے اس کا قرض ادا ہوسکے لیکن حج کی استطاعت موجود ہے تو پہلے قرض اتارے پھر دوبارہ مال جمع ہونے پر حج کرے۔ البتہ اگر کوئی دوسرا شخص اسے اپنی طرف سے حج پر بھیجنا چاہے تو اس کے لیے حج کرنا درست ہوگا۔(۱)

فکس ڈپازٹ کی رقم سے حج

اگر کوئی شخص اپنی کچھ رقم ڈاکخانہ یا بینک میں فکس ڈپازٹ کے طور پر رکھے اور چند سالوں کے بعد وہ رقم ڈبل ہوجائے، تو جتنی رقم اس نے جمع کی تھی وہ اتنی ہی رقم کا حقدار ہے اور اس کے لیے اس کا استعمال جائز ہے۔

البتہ جو رقم زائد ملے اس کا استعمال اپنے کسی مصرف میں جائز نہیں، چہ جائیکہ حج جیسے مقدس فرض کی انجام دہی میں ہو، کیونکہ یہ تو گناہ بالائے گناہ ہے۔(۲)

قانون کی خلاف ورزی کرکے حج کرنا

حج کے دنوں میں سعودی گورنمنٹ وہاں کام کرنے والوں کو حج کرنے کی اجازت اسی صورت میں دیتی ہے، جبکہ وہ کسی حج گروپ کے ساتھ تاشیرہ (Visa) بنوالے، جس کی فیس بہت بھاری ہوتی ہے، لیکن زیادہ تر لوگ ٹیکسی ڈرائیور یا دوسری پرائیویٹ کار کے ڈرائیور کے ساتھ 150 / 200، ریال میں معاملہ طے کرلیتے ہیں

---

(۱) مسنون حج وعمرہ:۳۶-۳۷

(۲) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے:۱۲۱/۲

اور یہ ٹیکسی ڈرائیور ان کو کسی ایسے راستے سے جہاں چیک پوسٹ نہ ہو، یا ہو مگر ان کے ساتھ ان کی جان پہچان ہے، یا لین دین طے کر کے ان لوگوں کو مکہ مکرمہ پہونچا دیتے ہیں، جو قانونی جرم ہے، اس طرح حج عمرہ ادا تو ہو جائے گا، مگر ملکی قانون کی خلاف ورزی کرنے کا گناہ لازم ہوگا کیوں کہ حاکم کے ایسے حکم کی اطاعت لازم ہے، جس سے حاکم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی لازم نہ آتی ہو۔

ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج پر جانا

اگر کوئی شخص اپنے صوبہ کا حج کوٹہ ختم ہو جانے کی وجہ سے دوسرے صوبہ سے اپنا نام، ولدیت اور سکونت غلط لکھوا کر حج کو جانا چاہے، تو اس کا یہ عمل جائز نہیں ہے، تاہم اگر اس طرح حج کر لیا تو حج ہو جائے گا، البتہ جھوٹ بیانی کا گناہ لازم آئے گا۔

میراث میں بہنوں کا حصہ نہ دے کر حج کرنا

میراث میں بہنوں کا حصہ روک لینا اور نہ دینا ناجائز و حرام ہے، اب ایسا شخص اگر انہیں پیسوں سے حج کرنا چاہے اور ان پیسوں کو سفر حج میں خرچ بھی کرے، تو چونکہ یہ غصب کا پیسہ ہوگا اور غصب کے پیسے سے حج کرنے سے حج مقبول نہیں ہوتا، ہاں البتہ اگر اس کے پاس اپنی ذاتی رقم بھی اتنی ہے کہ جس سے وہ حج کر سکتا ہے بہنوں کا کوئی پیسہ سفر حج میں خرچ نہیں کرتا تو اس کا حج صحیح ہو جائے گا، اور بہنوں کا حق اس پر باقی رہے گا، جس کا ادا کرنا اس کے اوپر لازم ہے۔(١)

کیا حج کے لیے رشوت دے سکتے ہیں؟

اگر کسی شخص پر حج فرض ہو چکا ہے اور اس نے اس فرض کی ادائیگی کے لیے حج کمیٹی میں درخواست بھی دے رکھی تھی، مگر جب حج کمیٹی نے قرعہ اندازی کی اور ناموں کا اعلان کیا تو اس میں اس کا نام نہیں نکلا، لیکن اگر یہ شخص دس ہزار روپیہ بطور رشوت دیدے تو اس سال کے جانے کا انتظام ہو سکتا ہے تو اس کے لیے یہ زائد رقم بطور رشوت کا یہ لین

(١) مستفاد: فتاوی قاسمیہ: ١٢/ ٦٢

دین کسی بھی قیمت پر جائز نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ جو شخص تندرست اور صاحب حیثیت ہے وہ آئندہ جاسکتے ہیں، بظاہر جلد بازی کی انہیں کوئی ضرورت نہیں۔

ہاں ایسا ضعیف آدمی جو اگلے سال تک اور کمزور ہوجائے گا، یا یہ اندیشہ ہو کہ آئندہ رقم خرچ ہوجائے گی یا کم ہوجائے کہ جانا ہی ممکن نہ رہے تو اس کے لیے رشوت دیکر اپنے نام کو داخل کرانے کی گنجائش ہوسکتی ہے مگر رشوت لینے والے کے لیے ہر حال میں رشوت لینا حرام ہے۔(۱)

اجازتِ حج کو بیچنا

جس شخص کو حج کا پرمیشن دیا گیا ہو اور وہ شخص کسی وجہ سے حج پر نہ جاسکے یا نہ جانا چاہے تو یہ شخص اپنا ویزا کسی دوسرے ایسے شخص کو جسے حکومت کی طرف سے اجازت نہ ملی ہو بیچنا جائز نہیں ہے، دھوکہ خیانت کے ساتھ ساتھ انتظامی امر کو ختم کرنا ہے اور رعایا کو حکومت کے خلافت بغاوت پر کھڑے کرنے کا ذریعہ اور سبب بنتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے حکومت اور قوم کے سربراہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیا ہے:

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوا اللهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (۲)

مکی کا حج تمتع کرنا

جو لوگ مکہ کے اصلا رہنے والے ہیں یا وہاں مقیم ہیں اصلا ان کے لیے تمتع نہیں ہے، اس لیے انہیں اشہر حج میں عمرہ نہیں کرنا ہے وہ شخص جس پر اس سال حج فرض ہے اور وہ اس سال حج کا ارادہ رکھتا ہے اسے اشہرِ حج میں میقات کے باہر جانے پر مجبور ہے تو وہ تجویز پر عمل کرتے ہوئے میقات سے اندر داخل ہوتے ہوئے احرام نہ باندھے اور عمرہ نہیں کرے (مکہ مکرمہ میں مقیم سے مراد وہ لوگ ہیں جو اشہر حج کے شروع ہونے

---

(۱) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے:۱۱۹

(۲) سورۃ النساء،۵۹، مستفاد النوازل فی الحج ۵۵-۵۴

سے قبل صحیح طریقہ سے مکہ میں آکر مقیم ہوگئے یا کم از کم ایک سال سے وہاں اقامت پذیر ہیں)۔(۱)

آفاقی متمتع کا ایک سے زائد عمرہ کرنا

تمتع کرنے والے آفاقی حجاج حج کا احرام باندھنے سے پہلے مزید عمرہ کر سکتے ہیں۔(۲)

سعودی ملازم کا بلا اجازت حج

دنیا بھر سے لاکھوں حجاج موسم حج میں مکہ پہنچتے ہیں اور مناسک حج ادا کرتے ہیں:

(الف) حج کے جملہ انتظامات کی ذمہ داری حکومت سعودیہ پر ہے، حج ایک اجتماعی عبادت ہے اس کو نظم وضبط کے ساتھ ادا کیا جانا ضروری ہے، لاکھوں انسانوں کے قیام وسفر، ان کی صحت، جان ومال کا تحفظ وضبط کے بغیر ممکن نہیں ہے، ایسے حالات میں حکومت سعودیہ بہت سی انتظامی پابندیاں عائد کرتی ہے جس سے حاجیوں کی تعداد اتنی رکھی جا سکے جس کا انتظام بہتر طور پر ہو سکے حکومت سعودیہ کے انتظامی احکامات کی پابندی تمام ہی لوگوں پر ضروری ہے، یہ امر بالمعروف ہے جس کی اطاعت لازم ہے لہذا حکومت سعودیہ کے احکام وضوابط کے مطابق سعودیہ میں مقیم مسلمانوں کو اگر ہر سال حج کرنے سے منع کیا جائے تو اس کی پابندی ضروری ہے۔

(ب) اگر کوئی شخص ان پابندیوں کی مخالفت کرتے ہوئے بھی احرام حج باندھ کر میقات سے آگے بڑھ جائے اور پھر پکڑا جائے اور اسے انتظامیہ واپس کر دے تو اسکا حکم وہی ہوگا جو شرعا محصر عن الحج کا ہے یعنی اسے حرم میں ایک دم دینا واجب ہوگا اور جس تاریخ اور جس وقت پر حرم میں اس کی طرف سے دم احصار ادا کیا جائے گا

---

(۱) حج وعمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۲) حج وعمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

اس وقت وہ احرام کی پابندیوں سے باہر آسکے گا۔(۱)

حج بدل میں حج تمتع

اگر اصطلاح شرع کے مطابق واقعی حج بدل ہو تو اس صورت میں عام اصول کے مطابق حج افراد ادا کیا جانا چاہیے لیکن حج بدل کرنے والے کو چاہیے کہ حج بدل کرانے والے کو مسئلہ سمجھا کر اس سے حج تمتع یا مطلق حج کی اجازت حاصل کر لے اگر کسی وجہ سے اس نے اس کے لیے اجازت نہیں لی تو چونکہ عام طور سے حج تمتع کیا جاتا ہے، اور خود حج کرانے والا اگر حج کرتا تو سہولت کی بنیاد پر حج تمتع کرتا، لہٰذا عرف وعادت کے پیش نظر مامور کے لیے حج تمتع کی اجازت ہوگی، اس صورت میں میقات سے عمرہ کا احرام بھی آمر کی طرف سے کرنا ہوگا اور اس صورت میں دم شکر بھی آمر کے خرچ سے ادا کیا جائے گا۔(۲)

عمرہ کا ویزا لے کر حج کرنا

بعض لوگ عمرہ ویزہ لیکر عمرہ کے لیے جاتے ہیں اور وہیں رک جاتے ہیں پھر حج کر کے واپس آتے ہیں، اس طرح کرنے سے حج تو ادا ہو جائیگا لیکن قانون کی خلاف ورزی کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔(۳)

خواجہ اجمیری کی درگاہ کا چکر لگانے سے حج ساقط ہونا

بعض لوگ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری ؒ کے مزار کی ساتھ برس تک زیارت کر لینے سے حج ساقط ہو جاتا ہے، یہ سراسر باطل اور خطرناک گمراہی ہے، کیونکہ حج پوری دنیا میں صرف ایک ہی جگہ مکہ مکرمہ سال میں ایک مقررہ وقت پر ماہ ذی الحجہ میں ادا کیا جاتا ہے، کسی دوسری جگہ اصل حج تو در کنار اس کی نقل کرنا بھی

---

(۱) حج وعمرہ موجودہ حالات کے پس منظر میں: ۳۸۰، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۲) حج وعمرہ موجودہ حالات کے پس منظر میں ۳۸۰: ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۳) حوالہ سابق: ۱۳۱

حرام ہے، حضرت خواجہ صاحب رحمہ اللہ کے مزار کی زیارت کو حج کے قائم مقام سمجھنا بالکل لادینی اور مشرکانہ ذہنیت وخیالات کی پیداوار ہے۔(۱)

سفرِ حج میں تجارت کرنا

سفرِ حج میں تجارت کی تین صورتیں ہیں:

۱) حج مقصود ہو اور تجارت ضمناً ہو تو حج کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور تجارت بھی درست ہوگی۔

۲) تجارت مقصود ہو اور حج ضمناً ہو تو حج کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔

۳) حج اور تجارت دونوں مقصود ہوں تو دونوں درست ہونگے مگر حج کا ثواب کم ملے گا۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ (۲)

حج وزکوۃ کی فرضیت میں فرق

فرضیت حج کے لیے زکوۃ کی طرح مال نامی کا مالک ہونا شرط نہیں ہے۔

ونصاب الوجوب أى مقدار مايتعلق به وجوب الحج من الغنى، وليس له حدمن نصاب شرعي على مافي الزكاة بل هو ملك مال يبلغه إلى مكة بل إلى عرفة ذاهبًا أى إليها وجائيا أى راجعا إلى وطنه (۳)

کسی شخص کے پاس نقد روپیہ نہ ہو، لیکن گزارے کی ضروت سے زیادہ زمین یا مکان ہو جسے فروخت کر کے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے۔

وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفى الزاد والراحلة ذاهباً وجائيا ونفقة عياله

---

(۱) اہم مسائل جن میں ابتلا عام ہے:۲/۱۲۸

(۲) سورۂ بقرہ:۱۹۸

(۳) ارشادالساری:۲۸

وأولاده ويبقى له من الضيعه قدرما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا (۱)

حج کی فلم کا حکم

آج کل حج کی فلم بنائی جاتی ہےاور حج سے پہلے حاجیوں کو کیمپ میں جمع کر کے انہیں یہ فلم دکھائی جاتی ہیں، تاکہ حج کا شوق پیدا ہو، حج کی ادائیگی کا طریقہ معلوم ہو اور حاجی کے لیے ادائیگی حج میں سہولت وآسانی ہو، اس طرح سے مناسب حج کو فلم بنا کر اسے بتانا اور کمائی کا ذریعہ بنانا شرعاً ناجائز ہے کیونکہ اس میں ذی روح کی تصویریں لی جاتی ہے، شرعاً ممنوع وحرام ہے حج فلم کے جوفوائد بتلائے جاتے ہیں وہ دیگر طریقوں سے بھی حاصل کیے سکتے ہیں اس لیے اس طرح کی فلمیں بنانے، دیکھنے اور دکھانے سے کلی اجتناب ضروری ہے۔(۲)

اعمال حج میں ترتیب کا حکم

۱۰/ ذی الحجہ کو چار اعمال کیے جاتے ہیں:

(۱) جمرہ عقبہ (بڑے شیطان) کی رمی۔

(۲) قربانی کرنا (حج تمتع وقران والا)۔

(۳) سر کے بال منڈوانا یا کٹوانا۔

(۴) طوافِ زیارت کرنا۔

(الف) طوافِ زیارت میں بالاتفاق ترتیب واجب نہیں ہے، البتہ بقیہ تین افعال میں فقہاء کا اختلاف ہے، امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، اور احناف میں صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک ترتیب واجب نہیں بلکہ سنت ہے، اگر کسی وجہ سے ترتیب کی رعایت نہ ہوسکے تو دم واجب نہیں ہے، البتہ سنت کا ثواب حاصل نہیں ہوگا۔ ان

---

(۱) فتاویٰ عالمگیر: ۱/ ۲۱۸

(۲) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۲/ ۱۲۲

حضرات کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں وقوف کیا لوگ آپ سے سوالات کرنے لگے، ایک آدمی نے کہا کہ: میں نے قربانی کرنے سے پہلے سر کے بال منڈوا لیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قربانی کرلو کوئی تنگی نہیں ہے، دوسرا شخص بولا: میں نے لاعلمی میں قربانی کرلی اور رمی نہیں کرسکا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا رمی کرلو کوئی تنگی نہیں، اس دن جو شخص بھی تقدیم وتاخیر کا سوال کرتا آپ یہی جواب فرماتے: "فما سئل النبي ﷺ یومئذ عن شیء قدم ولا أخر إلا قال: افعل ولا حرج" (۱) اس سے پتا چلا کہ ترتیب واجب نہیں، ہاں سنت ضرور ہے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اعمال کو ترتیب سے انجام دیا ہے۔

(ب) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک بہرصورت ان تین افعال میں ترتیب واجب ہے، اگر ان تین افعال میں ترتیب رہی خواہ ارادۃً ہو یا غیر ارادی طور پر ہو، جانتے ہوئے ہو یا جہالت کی وجہ سے بہرصورت دم واجب ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی شخص احرام باندھ کر حج کرے یا عمرے کے ارادے سے چلے مگر کوئی مجبوری ایسی آگئی کہ اس کا کعبہ مقدسہ تک پہنچنا دشوار ہوجائے تو احرام کھولنے کے لیے قربانی جانور حرم بھیجدے اور جب وہ قربان ہوجائے تو یہ شخص اپنا سر منڈا کر احرام سے نکل جائے۔ وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ (۲) اس سے معلوم ہوا کہ ترتیب واجب ہے، ورنہ اس شخص کو قربانی سے پہلے ہی حلال ہوجانے کا حکم دیا جاتا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتوی ہے کہ جو شخص اپنے مناسک حج میں تقدیم وتاخیر کردے تو اس کو قربانی کرنا چاہیے "من قدم شیئا من حجه أو اخره فلیهرق لذلك دما" (۳)

---

(۱) صحيح البخاري، باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها، حدیث نمبر: ۸۳

(۲) سورة البقرة: ۱۹۶

(۳) شرح معاني الآثار، باب من قدّم من حجه نسكًا قبل نسكٍ، حدیث نمبر: ۴۰۸۱

صاحبین رحمہما اللہ کی دلیل کا جواب امام طحاوی رحمہ اللہ نے یہ دیا ہے کہ: جن حضرات نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا تھا سب نے لاعلمی کا اقرار کیا تھا، اور وہ حج کا پہلا موقع تھا، ہر شخص کو کثرت ازدحام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کا اندازہ نہیں رہا، اب جب علم عام ہو چکا ہے تو اس کی گنجائش نہیں ہے، جب منی کا میدان بہت سا خالی رہتا تھا، ضرورت کے اشیاء، جانور، مذبح اور قربانی کی سہولت اپنے ہاتوں تھی ہر شخص مناسک حج ترتیب ہی سے کرتا تھا، لیکن جب منی کو عمارتوں نے گھیر لیا، بادشاہوں اور شہزادوں کی رہائش کا سلسلہ چل پڑا، گاڑیوں غیر معمولی تعداد، سڑکیں، دفاتر، پولس، بجلی کی عمارتوں نے منی کو گھیر لیا دوسری طرف حجاج کرام کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ، قربان گاہ منی سے ہٹا کر دور کر دی گئی، جانور کی خریداری مشکل مسئلہ ہو گیا، منی میں صرف قربانی ہی نہایت دشوار امر ہو گیا ہے اس لیے اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا اور ادارۃ المباحث الفقہیہ (جمعیۃ علماء ہند) دونوں نے بہ اتفاق رائے فیصلہ کیا ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرے فقہاء کی رائے پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے، یعنی کوشش تو کرنی چاہیے کہ تینوں افعال ترتیب سے انجام دیے جائیں، لیکن اگر کسی وجہ سے ترتیب کی رعایت نہ ہو سکے تو دم واجب نہیں ہوگا۔ (۱)

فقہ اکیڈمی فیصلہ: حنفیہ کے قول راجح کے مطابق ۱۰؍ذی الحجہ کے مناسک میں رمی، ذبح، اور حلق کو ترتیب کے ساتھ انجام دینا واجب ہے اور صاحبین اور اکثر فقہاء کے یہاں مسنون ہے، جس کی خلاف ورزی سے دم واجب نہیں، حجاج کو چاہیے کہ جہاں تک ممکن ہو ترتیب کی رعایت کو ملحوظ رکھیں تاہم ازدحام اور موسم کی شدت، اور مذبح کی دوری وغیرہ کی وجہ سے صاحبین اور دیگر ائمہ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے، لہٰذا اگر یہ مناسک ترتیب کے خلاف ہوں تو بھی دم واجب نہیں ہوگا۔ (۲)

---

(۱) ملخص: از کتاب الفتاوی: ۸؍۱۵۴، حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح: ۴۰، مولانا اعجاز صاحب اعظمی، اہم فقہی فیصلے: ۱۲۹، رفیق حج وعمرہ: ۹۳

(۲) حج وعمرہ موجودہ حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حج برائے ایصال ثواب

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے حج کرنا بڑی نیکی اور ثواب کا کام ہے یہ ایصال ثواب کا حج کہلائے گا، اس کے لیے دو طریقے اختیار کیے جاسکتے ہیں:

۱) حج کی ادائیگی سے پہلے ہی یہ نیت کرلی جائے کہ میں یہ حج نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے ادا کر رہا ہوں، اور اسی نیت سے تمام ارکان ادا کرے، تاکہ اس کا تمام تر ثواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچے۔

۲) حج کی نیت کر کے حج اپنی طرف سے ادا کرے، اور ادائیگی حج کے بعد اس کا ثواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخشش دے۔(۱)

❁ حج وعمرہ کے برابر ثواب والے اعمال

پروردگارِ عالم نے اپنے کرم سے مقام پر رہ جانے والوں کے لیے ایک تسلی کا سامان پیدا کیا، چند ایسے اعمال کو حج کے ثواب کے برابر قرار دیا کہ آدمی ان اعمال کو کر کے حج کا ثواب گھر بیٹھے حاصل کرسکتا ہے۔

چنانچہ چھ اعمال ایسے ہیں اگر ان کو انجام دیا جائے تو احادیثِ شریفہ میں صاف وضاحت ہے کہ مقبول ومکمل حج کا ثواب ملتا ہے۔

ہاں یہ بات یاد رہے کہ ان اعمال کے کرنے سے حج کا ثواب تو ضرور مل جاتا ہے لیکن اس سے نہ فرض حج ادا ہوتا ہے نہ وہ حقیقۃً حاجی کے برابر ہوتا ہے۔

وہ چھ اعمال یہ ہیں:

۱) رمضان میں عمرہ کرنا: جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے ۔عَنْ أُمِّ مَعْقِلٍ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ، قَالَ: عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً۔(۲)

---

(۱) حوالہ سابق: ۶/ ۱۳۴

(۲) سنن الترمذي، أبواب الحج، باب ما جاء في عمرة رمضان، حدیث نمبر: ۹۳۹

۲) اپنے نفقہ اور خرچ سے دوسرے کو حج کروانا: کبھی آدمی مستحق تو ہوتا ہے اور چاہتا بھی ہے لیکن علالت یا کوئی ایسا عذر اسے گھیر لیتا ہے کہ وہ چاہ کر بھی جا نہیں پاتا تو ایسے لوگوں کو اپنے خرچ اور پیسوں سے حج کرا سکتے ہیں، اس سے اس حج کرانے والے کو بھی گھر بیٹھے ثواب مکمل مل جائے گا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ گرامی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی طرف سے غلام آزاد کرائے، یا صدقہ وخیرات کرے یا اس کی طرف سے حج کرے تو وہ ثواب اس کو پہنچ جائے گا۔

إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذَلِكَ (۱)

۳) نماز اشراق پر استقامت: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو کوئی فجر کی نماز با جماعت پڑھنے کے بعد طلوع شمس تک ذکر کرتے ہوئے بیٹھ جائے پھر دو کعت نماز (اشراق) پڑھ لے تو ایک حج وعمرہ کا ثواب اسے دایا جائے گا۔

مَنْ صَلَّى الْغَدَاةَ فِي جَمَاعَةٍ ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللَّهَ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ (۲)

یہ عمل بہت آسان ہے ہر آدمی بالخصوص عورتیں بھی کام کاج کے ساتھ بآسانی یہ فضیلت حاصل کر سکتی ہیں۔

۴) مساجد میں تعلیم وتعلم کا نظام: علم دین اور حصول دین کے لیے سفر کرنا اور درس

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب الوصايا، باب ما جاء في وصية الحربي يسلم وليه أيلزمه أن ينفذها؟ حدیث نمبر: ۲۸۸۳، البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

(۲) سنن الترمذي، أبواب السفر، باب ذكر ما يستحب من الجلوس في المسجد بعد صلاة الصبح حتى تطلع الشمس، حدیث نمبر: ۵۸۶، امام ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے۔

دینے سے متعلق بے شمار احادیث موجود ہیں، یہاں بس یہ عرض کرنا ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی صبح سویرے مسجد صرف اس نیت سے جائے کہ وہ کوئی خیر کی بات سیکھے یا سکھائے تو اس کے لیے ایک مکمل حج کرنے کا ثواب حاصل ہوگا۔

مَنْ غَدَا إِلَى المسْجِدِ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يَتَعَلَّمَ خَيْرًا أَوْ يُعَلِّمَهُ، كَانَ لَهُ كَأَجْرِ حَاجٍّ تَامًّا حِجَّتُهُ (۱)

۵) فرض نمازیں مسجد میں ادا کرنا: نمازوں کو باجماعت مسجد میں پڑھنے کی بھی بہت فضیلت احادیث میں وارد ہوئی ہیں انہی میں سے ایک یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو کوئی اپنے گھر سے پاک صاف ہوکر فرض نماز کی ادائیگی کے لیے مسجد نکلے تو وہ ایسے ہیں جیسے وہ شخص حج کرنے والا ہے۔

مَنْ خَرَجَ مِنْ بَيْتِهِ مُتَطَهِّرًا إِلَى صَلَاةٍ مَكْتُوبَةٍ فَأَجْرُهُ كَأَجْرِ الحاجّ المحْرِمِ (۳)

۶) نماز کے بعد ذکر واذکار کرنا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا:

"کچھ مسکین لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور بولے کہ مال والے تو بلند مقام اور جنت لے گئے۔ وہ ہماری ہی طرح نماز پڑھتے ہیں اور روزہ رکھتے ہیں۔ اور ان کے لئے مال کی وجہ سے فضیلت ہے، مال

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، خالد بن معدان، حدیث نمبر: ۷۴۷۳، علامہ عراقینے اس روایت کی سند کو جید کہا ہے۔ (تخريج أحاديث الإحياء: ۱۱/۱۷۴۰، دار ابن حزم، بيروت)

(۳) سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب ما جاء في فضل المشي إلى الصلاة، حدیث نمبر: ۵۵۸، البانی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، علامہ نووی نے (خلاصة الحكام: ۲/۳۰۳) میں اس روایت کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ ابو داؤد نے اس روایت کو حسن یا صحیح سند سے روایت کیا ہے۔

سے حج کرتے ہیں، اور عمرہ کرتے ہیں، اور جہاد کرتے ہیں، اور صدقہ دیتے ہیں ۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایسی بات نہ بتاؤں جس کی وجہ سے تم پہلے والوں کے درجہ پاسکو اور کوئی تمہیں تمہارے بعد نہ پاسکے اور تم اپنے بیچ سب سے اچھے بن جاؤ سوائے ان کے جو ایسا عمل کرے۔ وہ یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد تم تینتیس بار (33) سبحان اللہ تینتیس بار (33) الحمد للہ اور تینتیس بار (33) اللہ اکبر کہو۔

"جاء الفقراء إلى النبي ﷺ فقالوا: ذهب أهل الدثور بالدرجات العُلى والنعيم المقيم، يصلون كما نصلي ويصومون كما نصوم، ولهم فَضْلٌ من أموال يحجون بها ويعتمرون ويجاهدون ويتصدقون، قال: ألا أحدثكم بأمر إن أخذتم به أدركتم من سبقكم ولم يدرككم أحد بعدكم، وكنتم خير من أنتم بين ظهرانيه إلا من عمل مثله: تسبحون وتحمدون وتكبرون خلف كل صلاة ثلاثاً وثلاثين"(۱)

۷) مسجد قبا میں نماز پڑھنا:

جو شخص مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کرے، اس کے لئے مسنون ہے کہ وہ مسجد قبا کی بھی زیارت کرے اور اس میں بھی دو رکعت نماز پڑھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتے قبا کی زیارت کیا کرتے اور اس میں دو رکعت نماز ادا فرمایا کرتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے گھر وضو کرے اور خوب اچھے طریقے سے وضو کرے اور پھر مسجد قبا میں آ کر نماز پڑھے تو اسے عمرہ کے برابر ثواب ملتا ہے۔

من تطَهَّرَ في بيتِهِ، ثمَّ أتى مسجدَ قباءٍ، فصلّى فيهِ صلاةً، كانَ

(۱) صحیح البخاری، حدیث نمبر: ۸۴۳

لَهُ كأجرِ عمرةٍ"(۱)

ظاہر ہے اس حدیث پر وہی عمل کر سکتے ہیں جو مدینہ طیبہ میں رہتے ہوں یا سعودی عرب یا سعودی عرب سے باہر سے آنے والے مسجد نبوی کی زیارت پہ آئے ہوں، محض مسجد قباء میں نماز پڑھنے کے لیے کوئی شخص ہندوستان سے تازہ وضو کر کے تو نہیں جا سکتا ہے۔

بعض سلفِ صالحین نے فرمایا: ایسے ایک دانق کو چھوڑنا جو اللہ کو ناپسندیدہ ہے میرے نزدیک پانچ سو حج سے بہتر ہے، اعضاء وجوارح کو گناہوں سے روکنا بہتر ہے نفل حج کرنے سے، ان اعمال کا بوجھ نفس پر زیادہ ہوتا ہے۔

فضیل بن عیاض فرماتے ہیں: زبان کو قابو میں کرنا جہاد، حج اور سرحد پر پہرہ داری سے بھی سخت عمل ہے، اگر تجھے صبح کے وقت اپنی زبان سنبھالنے کا غم تجھ پر سوار رہتا ہے تو اقعی بڑا غم ہے۔

ایک شخص نے ایک عارف سے کہا: میں مسافت طے کر کے آیا ہوں، تو انہوں نے فرمایا: اپنے نفس سے صرف ایک قدم دور ہو جا تجھے مقصد مل جائے گا، دل کا سفر اہم ہے بدن کے سفر سے، کتنے بدن بیت اللہ پہونچ گیے لیکن رب البیت تک نہیں پہنونچے، اور کتنے لوگ ایسے ہیں جو اپنے گھر میں اپنے بستروں پر پڑے ہیں لیکن ان کا دل مولی کریم کے ساتھ لگا ہوا ہے۔(۲)

پانچ سال میں ایک مرتبہ حج کرنا

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: میں نے جس بندے کو جسمانی صحت عطا فرمائی اور اس کی معیشت میں وسعت دی تو پھر بھی وہ میرے پاس نہیں آتا تو وہ محروم ہے۔

---

(۱) صحیح ابن ماجه، حدیث نمبر:۱۱۶۸

(۲) الرياض النضرة فى فضائل الحج و العمرة:۱/ ۲۹۲

”إِنَّ عَبْدًا صَحَّحْتُ لَهُ جِسْمَهُ، وَوَسَّعْتُ عَلَيْهِ فِي المعِيشَةِ
يَمْضِي عَلَيْهِ خمسَةُ أَعْوَامٍ لا يفد إلي لمحروم“ (۱)

فائدہ: جو حج کی طاقت رکھنے کے باوجود حج نہ کرے اس کے متعلق یہ روایت ہے، اور یہ حکم استحباب پر محمول ہے نہ کہ وجوب پر کیونکہ جمہور علماء کرام کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر مکلف عاقل بالغ آزاد صاحب استطاعت مسلمان پر پوری عمر میں صرف ایک بار حج فرض ہے، اور وجوب کا حکم اجماع کے خلاف ہے۔

ہر سال حج پر جانا

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہر سال حج کو جاتی تھیں، اس لیے کہ حج مقبول جہاد فی سبیل اللہ کے برابر حیثیت رکھتا ہے، اور جس کو ہر سال حج نصیب ہو جائے اس کو بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہوتی ہے، اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان پر بار بار لبیک کہا ہے:

”عن عائشة رضي الله عنها أم المومنين قالت، قلت: يارسول الله! ألا نغزو ونجاهد معكم؟ فقال: لكن أحسن الجهاد وأجمله الحج حج مبرور فقالت: عائشة رضي الله عنها: فلا أدع الحج بعد إذ سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم، الحديث“ (۲)

امام سیوطی رحمہ اللہ اس آیت (وَقَرۡنَ فِيۡ بُيُوۡتِكُنَّ) کی تفسیر کرتے ہوئے یہ حدیث لکھتے ہیں: حضرت ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے بتایا گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا گیا کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ آپ نہ حج کرتی ہیں اور نہ عمرہ کرتی ہیں جس طرح کہ دوسری ازواج مطہرات آتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں نے (فرض) حج بھی کیا ہے اور (سنّت) عمرہ بھی کیا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں

---

(۱) صحيح ابن حبان، ذكر الأخبار عن إثبات الحرمان لمن وسع الله عليه ...، حدیث نمبر: ۳۷۰۳، محقق شعیب الارنؤ ط نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۲) صحيح البخاري، باب حج النساء، حدیث نمبر: ۱۸۶۱

گھر میں ہی رہوں، اللہ کی قسم! میں لوٹ آنے تک گھر سے نہیں نکلوں گی، اللہ کی قسم! وہ اپنے کمرے کے دروازہ سے باہر نہ آئیں یہاں تک کہ وہاں سے آپ کا جنازہ نکالا گیا۔

”عن محمد بن سيرين قال: نبئت أنه قيل لسودة زوج النبي ﷺ: مالك لا تحجين ولا تعتمرين كما يفعل أخواتك؟ فقالت: قد حججت واعتمرت وأمرني الله أن أقر في بيتي فوالله لا أخرج من بيتي حتى أموت قال: فوالله ما خرجت من باب حجرتها حتى أخرجت بجنازتها“(۱)

فائدہ: دونوں حدیثوں کے خلاصہ سے صحابیت کے الگ الگ ذوق کا پتہ چلتا ہے، حسب موقع جو خاتون جس کی اتباع کرنا چاہے اس کے لیے گنجائش ہے۔

ضروری مسائل

مسئلہ: حج کے آنے سے پہلے پہلے جب روپیہ تلف ہو گیا تو شرعی طور سے اس کے اوپر حج فرض نہیں ہوا۔

مسئلہ: حاجیوں پر عید الاضحیٰ کی نماز لازم نہیں ہے، دسویں ذی الحجہ کو عید الاضحیٰ کی نماز کے بعد ان کو مزدلفہ سے چل کر منیٰ پہنچ کر جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے کا حکم ہے۔(۲)

مسئلہ: احرام باندھنے کے بعد خضاب لگانا جائز نہیں، اگر کوئی لگائے گا تو اس پر دم جنایت لازم ہو جائے گا۔(۳)

مسئلہ: جو شخص پیروں کا معذور ہے، بلا کسی سہارے کے نہیں چل سکتا ہے، تو اس پر حج فرض نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی مال دار ہو اور نہ اس پر حج بدل کرانا فرض ہے۔(۴)

---

(۱) الدر المنثور: ۵۹۹/۶، دار الفکر، بیروت

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۱۱/۱۲

(۳) فتاویٰ قاسمیہ: ۲۰۱/۱۲

(۴) کتاب النوازل: ۳۰۵/۷

مسئلہ: سلسل بول کا مریض جو پیشاب کی دائمی بیماری میں مبتلا ہے، ایسے شخص پر حج کو جانا فرض نہیں ہے اگر چہ وہ مالدار ہی ہو، اسے چاہیے کہ اپنی طرف سے حج بدل کرادے، بعد میں اگر یہ مرض ختم ہوجائے اور وہ صاحبِ استطاعت ہوتو پھر اسے خود حج کرنا ہوگا۔(۱)

مسئلہ: مسواک ہر حال میں کرنا مسنون ومستحب ہے؛ لہٰذا حالتِ احرام میں مسواک کرنے شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔(۲)

❁❁❁❁❁❁

---

(۱) کتاب النوازل: ۷/ ۳۰۲

(۲) کتاب النوازل: ۷/ ۳۵۲

احرام

فوجی اور ڈاکٹر کا احرام

سعودی فوجی اور ڈاکٹرس کو اپنی ڈیوٹی پر رہتے ہوئے حج کا احرام باندھنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ وقت ان کا امانت ہے اور مستاجر (اجرت پر لیے ہوئے) کی ملکیت ہے اس کی اجازت کے بغیر حج کا احرام نہیں باندھ سکتا، لیکن کوئی فوجی یا ڈاکٹر اپنے اجیر کی اجازت کے بغیر مُحرِم ہوجائے البتہ لباس ڈیوٹی کا پہنے یا حج کی اجازت تو مل جائے لیکن فوجی یا ڈاکٹری کی ذمہ داری لگ جائے اور ڈیوٹی والے یا احرام باندھنے کے بعد فوجی یا ڈاکٹری کی ذمہ داری لگ جائے اور ڈیوٹی والے لباس میں ہو تو ان تینوں صورتوں میں فدیہ واجب ہوگا یہ صورتیں قابل عذر قابل معافی نہ ہوگا۔(۱)

عورت کا احرام اور پردہ

یہ بات سمجھنی چاہیے کہ عورت کے لیے نامحرموں سے پردہ کرنا ایک الگ حکم ہے اور حالت احرام میں چہرہ کو کپڑا لگنے سے بچانا الگ حکم ہے، حالت احرام میں دونوں احکام پر بیک وقت عمل کرنا ضروری ہے جو کہ ممکن ہے اور صحابیات کے زمانہ سے اس پر عمل بھی ہوتا چلا آرہا ہے، احرام کی حالت میں بھی اجنبی مردوں سے پردہ نہ کرنا اسی طرح گناہ ہے جیسے عام حالات میں، نفس وشیطان جیسے یہاں ساتھ ہیں وہاں بھی ہوتے ہیں،

---

(۱) مستفاد: النوازل في الحج: ۲۲۳-۲۲۸

آخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں حجۃ الوداع میں حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کی عورت پر نگاہ پڑ سکتی ہے تو آج کے مسلمان کس شمار میں ہیں، اب اس حکم کی انجام دہی کے لیے عورت حسب سہولت کوئی بھی ایسی صورت اختیار کرلے کہ پردہ بھی ہو جائے اور احرام کی پابندی پر عمل بھی ہو جائے۔

مولانا یوسف صاحب لدھیانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''یہ صحیح ہے کہ احرام کی حالت میں چہرہ کو ڈھکنا جائز نہیں، لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ احرام کی حالت میں عورت کو پردہ کی چھوٹ ہوگئی نہیں! بلکہ جہاں تک ممکن ہو پردہ ضروری ہے یا تو سر پر کوئی چھجا سا لگا یا جائے اور اس کے اوپر سے کپڑا (نقاب) اس طرح ڈالا جائے کہ پردہ ہو جائے مگر کپڑا چہرہ کو نہ لگے یا عورت اپنے ہاتھ میں پنکھا وغیرہ رکھے (جہاں مردوں کا سامنا ہو) اُسے چہرہ کے آگے کرلیا کرے، اس میں شبہ نہیں کہ حج کے طویل اور پر ہجوم سفر میں عورت کے لیے پردہ کی پابندی بڑی مشکل ہے، لیکن جہاں تک ہو سکے پردہ کا اہتمام کرنا ضروری ہے اور جو اپنے بس سے باہر ہو تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں گے''۔(۱)

عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: حجاج کے قافلے ہمارے پاس سے گزرتے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیساتھ احرام کی حالت میں تھیں، چنانچہ جیسے ہی قافلہ ہمارے قریب ہوتا تو ہر خاتون اپنی اوڑھنی کو سر کی جانب سے چہرے کے آگے لٹکا لیتی، اور جب قافلہ گزر جاتا تو ہم چہرہ کھول لیا کرتی تھیں۔

"قالت عائشة رضي الله عنها: كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّونَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُولِ اللهِ ﷺ محرِمَاتٌ ، فَإِذَا حَاذَوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدَانَا

(۱) آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۴/ ۸۸

جِلْبَابَهَا مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا، فَإِذَا جَاوَزُونَا كَشَفْنَاهُ" (۱)

مذکورہ حدیث میں چہرے پر نقاب ڈالنے کی تشریح میں مشکوۃ کی مشہور شرح مرقاۃ کے مصنف ملا علی قاری رحمہ اللہ مرقاۃ میں لکھتے ہیں کہ چہرہ پر نقاب ڈالنا اس طرح ہوتا تھا کہ وہ چہرے کی جلد کو مس (Touch) نہیں کرتا تھا۔'' (مِنْ رَأْسِهَا عَلَى وَجْهِهَا): بِحَيْثُ لَمْ يَمَسّ الْجِلْبَابُ بِشْرَةَ الْوَجْهِ. (۲) قرآن وحدیث اور مذکورہ روایات کی روشنی میں معلوم ہوا کہ خواتین کے احرام میں دو باتیں ہیں، ایک چہرہ پر کپڑے کا نہ لگنا اور دوسرا پردے کا مستقل حکم جو احرام کی وجہ سے ختم نہیں ہوتا۔

عورت کا احرام چہرے میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "إحرام المراة في وجهها" (۲) اس لیے چہرے پر کوئی کپڑا لگانا درست نہیں اس سے احرام کی خلاف ورزی ہوگی، عام حالات میں چہرہ کھلا رکھنے میں حرج نہیں لیکن اجنبی مردوں کے سامنے چہرہ کا پردہ بھی ضروری ہے، یادرہے کہ جو عورت حج میں پردہ کا اہتمام نہیں کرتی وہ زندگی میں کبھی بھی پردہ کا اہتمام نہیں کرسکتی جس طرح جو مرد حج میں عورتوں کو تاکنے سے نہیں بچتا وہ زندگی میں کبھی بھی بدنظری سے نہیں بچ سکتا ہے، نیز علماء نے لکھا ہے کہ مسجد حرام ومسجد نبوی میں کسی نیک کام پر جیسے ثواب زیادہ ہے تو اسی طرح خلاف شریعت کام پر گناہ بھی زیادہ ہوگا، اس لیے خواتین حج کے مکمل سفر میں پردے کا خاص اہتمام فرمائیں تاکہ اس سفر کا مقصدِ اصلی یعنی اللہ تعالی کی رضاء اور حج مقبول کا ثواب حاصل ہوجائے، اور احادیث میں حج مقبول کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اس میں کسی قسم کا گناہ نہ کیا جائے۔

"مَنْ حَجَّ لِلّٰهِ فَلَمْ يَرْفُثْ وَلَمْ يَفْسُقْ رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ" (۳)

---

(۱) سنن أبي داود، كتاب المناسك، باب في المحرمة تغطي وجهها، حدیث نمبر: ۱۸۳۳، یہ حدیث سند حسن درجہ ہے۔

(۲) مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: ۵/ ۱۸۵۲

(۳) صحيح بخاري: ۲۷۴

نیز مردوں کی نظر پڑنا یا ہوا سے بار بار نقاب کا اڑنا اور چہرے پر لگنا، اس کو عذر نہیں کہا جا سکتا، جس کی وجہ سے واجب ہی ترک کر دیا جائے، نیز یہ سفر اللہ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، جس میں ہر حکم پر عمل کرنے کی تھوڑی بہت مشقت سے اللہ آزما لیتے ہیں اور اس کے بقدر اجر بھی زیادہ دیتے ہیں، اس لیے احرام کی رعایت کے ساتھ پردہ کرنے کی مشقت گوارا کی جائے، مگر واجب ترک نہ کیا جائے۔

"وأما ترك الواجبات بعذر ثم مرادهم بالعذر ما يكون من الله تعالىٰ فلو كان من العباد فليس بعذر" (۱)

اور اجنبی مرد میں صرف انجان لوگ ہی داخل نہیں ہیں بلکہ تمام غیر محرم داخل ہیں خواہ وہ چچا، خالو، پھوپا، ماموں کا لڑکا، بہنوئی، دیور وغیرہ کیوں نہ ہو۔

"قال (ولا بأس بأن تسدل الخمار على وجهها من فوق رأسها على وجه لا يصيب وجهها) وقد بينا ذلك عن عائشة رضي الله عنها لأن تغطية الوجه إنما يحصل بما يماس وجهها دون ما لا يماسه ويكره لها أن تلبس البرقع لأن ذلك يماس وجهها"۔ (۲)

یہ بات بھی واضح رہے کہ یہ حکم صرف احناف کے ہاں ہی نہیں، بلکہ چاروں ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ بداية المجتهد لابن رشد مالکی میں ہے:

"وأجمعوا على أن إحرام المراة في وجهها وإن لها أن تغطي رأسها، وتستر شعرها وأن لها أن تسدل ثوبها على وجهها من فوق رأسها سدلاً خفيفا تستتر به عن نظر الرجال إليها

(۱) غنية الناسك في بغية المناسك ص:۲۳۹، ط:ادارة القرآن

(۲) كتاب المبسوط للسرخسي: ۴/ ۱۴۱، ط:دار الكتب العلميه، فتح القدير: ۲/ ۵۱۴، الفقه الاسلامي وادلته: ۳/ ۱۳۰

كنحو ما روي عن عائشة رضی اللہ عنہا الخ"(۱)

الفقه المالكی الميسر میں ہے:

"واباح المالكية لها ستر وجهها عند الفتنة بلاغرز للساتر بابرة ونحوها وبلاربط له برأسها' بل المطلوب سدله على رأسها ووجهها أو تجعله كاللثام وتلقى طرفيه على رأسها بلاغرز ولاربط"(۲)

فقہ شافعی کی کتاب "الحاوی الكبير" میں ہے:

"إن إحرام المرأة في وجهها فلاتغطيه كما كان إحرام الرجل في رأسه فلايغطيه' لرواية موسىٰ ابن عقبة عن نافع عن ابن عمر: أن رسول الله ﷺ نهى أن تنتقب المرأة وهي محرمة وتلبس القفازين"۔(۳)

الفقه الحنبلی الميسر للزحيلی میں ہے:

"ومن المحظورات فى الاحرام: تعمد تغطية الوجه من الأنثىٰ' لكن تسدل على وجهها لحاجة لقوله: لا تنتقب المرأة المحرمة ولاتلبس القفازين قال الشرح: فيحرم تغطية لا نعلم فيه خلافا ولا يضر لمس السدل وجهها خلافاً للقاضى أبى يعلى' قال فى الاقناع: إن غطته لغير حاجة فدت وعلى هذا إحرام المرأة فى وجهها فتحرم تغطيته بنحو برقع ونقاب وتسدل لحاجة كمرور رجال بها الخ"(۴)

---

(۱) بداية المجتهد: ۳/۲۷۸، ط: دار الكتب العلمية
(۲) الفقه المالكی الميسر للزحيلی: ۱/۲۹۵، ط: دار الكلم الطيب
(۳) الحاوی الكبير للماوردی: ۴/۳، ط: دار الكتب العلمية
(۴) الفقه الحنبلی الميسر: ۲/۷۵، ط: دار القلم دمشق

اگر کپڑا ہوا کی وجہ سے بار بار چہرے پر پڑ جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی گناہ ہے اور نہ ہی کوئی دم وغیرہ لازم آئے گا، چنانچہ الفقہ الاسلامی وادلتہ میں ہے:

"وإحرام المرأة فی وجهها واجاز الشافعية والحنفية ذلك بوجود حاجز عن الوجه فقالوا: للمرأة أن تسدل على وجهها ثوبا متجافيا عنه بخشبة ونحوها، سواء فعلته لحاجة من حر أو برد أو خوف فتنة ونحوها أو لغير حاجة فان وقعت الخشبة فأصاب الثوب وجهها بغير اختيارها ورفعته فی الحال، فلا فدية" (۱)

البتہ اگر مستقل لگا رہے تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ تھوڑی دیر (ایک گھنٹہ سے کم وقت) کے لیے عورت کے چہرے کو لگا رہے، یا چہرہ کے چوتھائی حصہ سے کم کو لگا رہا تو اس صورت میں اس پر ایک مٹھی گندم صدقہ کرنا واجب ہے اور اگر ایک گھنٹہ یا اس سے زائد وقت اور ایک دن یا ایک رات (یعنی بارہ گھنٹے) سے کم کم لگا رہے تو اس صورت میں پونے دوکلو گندم یا اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے، اور اگر بارہ گھنٹہ یا اس سے زیادہ وقت پورا چہرہ یا اس کا چوتھائی حصہ کو نقاب سے لگا رہا تو اس صورت میں ایک دم واجب ہوگا۔

احرام کی حالت میں ستر کا حکم

طواف واجبات میں ستر چھپانا بھی شامل ہے، جن اعضاء کو نماز میں چھپانا واجب ہے ان کو طواف میں چھپانا بھی واجب ہے، مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور عورت کا چہرہ اور ہتھیلی اور قدمین کو چھوڑ کر باقی پورا بدن ستر میں شامل ہے، لہٰذا اگر چوتھائی عضو کھلا رہے گا، طواف اعادہ واجب ہوگا، اور اگر اعادہ نہیں کرے گا تو دم دینا لازم ہو جائے گا۔ (۲) یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ حج کا طواف مکمل یا چار شوط میں چوتھائی

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ: ۳/ ۲۳۴ط: دار الفکر

(۲) زبدۃ المناسک جدید: ۳۷۴

عضو یا اس سے زائد کھلا رہنے کی حالت میں کیا ہے تو طواف کے اعادہ یا دم میں سے کوئی ایک عمل لازم اور واجب ہے ہوجاتا ہے اور طواف عمرہ میں سے ایک شوط میں بھی دم لازم ہوجاتا ہے، اور بہت سے مردوں کو دیکھنے میں آتا ہے کہ احرام کی چادر لنگی کی جگہ پہنتے ہیں اسے ناف کے نیچے پہنتے ہیں یا اس طرح پہنتے ہیں کہ چلتے ہوئے ران تک کھل جاتی ہے اور بہت سی عورتوں کے سر کا کچھ حصہ کھل جاتا ہے یہ سب جائز نہیں ہے، اگر چوتھائی حصہ یا اس سے زائد کھل جائے گا تو طواف زیارت اور طواف وداع اور طوافِ عمرہ اور طوافِ نذر میں دم دینا لازم ہوجائے گا، یا طواف کا اعادہ لازم ہوجائے گا، اور اگر طواف قدوم یا طواف نفل اور طواف تحیۃ ہے تو ایک صدقہ دینا لازم ہوجائے گا۔(۱)

مرد کی لنگی کا ناف سے گھٹنے تک ہونا ضروری ہے، اگر لنگی ناف سے نیچے ہو اور احرام کی چادر سے وہ حصہ ڈھکا ہوا نہ ہو تو طواف صحیح نہیں ہوگا، اگر طواف صحیح نہ ہو تو حج وعمرہ بھی صحیح نہیں ہوگا۔(۲)

بچہ کا احرام

۱) نابالغ و بے شعور بچہ احکام کا مکلف نہیں ہے، اگر وہ احرام باندھے تو احکام کی خلاف ورزی پر کوئی دم یا صدقہ واجب نہیں ہوگا تاہم ممنوعات سے بچا کر رکھنا چاہئے، بچہ کے لیے وہی احرام ہوگا جو مردوں کا احرام ہے بچہ اگر احکام احرام کے مطابق حج کرلے تو وہ نفل حج ہوگا، اعمال حج کی نیت بچہ کے والد کرلے تو وہی اس کی طرف سے تمام مناسک ادا کرے، اپنے طواف میں بچہ کے طواف کی نیت بھی کرلے اور بچہ کو ساتھ اٹھا کر طواف کرلے تو دونوں کا طواف ادا ہوجائے گا، البتہ طواف کی دو رکعتیں نہیں پڑے گا کیونکہ یہ بچہ کے ذمہ سے ساقط ہیں۔

”وأما غير المميز فلا يصح أن يحرم بنفسه لأنه لا يعقل النية

---

(۱) غنیۃ جدید: ۲۷۳، انوارِ مناسک: ۳۶۶

(۲) مناسک حج شافعی: ۱۶۱ بحوالہ: مستند مسائل حج وعمرہ: ۲۱۲

ولا يقدر التلفظ بالتلبية وهما شرطان في الإحرام"(۱)

۲) اور اگر بچہ باشعور وسمجھدار ہے تو احرام معتبر ہے اور تمام ارکان خود ہی ادا کرے گا نیابت درست نہیں ہے۔

"ولما كان الصبى غير مخاطب كان إحرامه غير لازم.... فالمميز لا يصلح النيابة عنه فى الإحرام ولا في أداء الافعال إلا فى ما لم يقدر عليه فيحرم بنفسه ويقضى المناسك كلها بنفسه ويفعل كما يفعل البالغ" (۲)

۳) بچہ حج کا احرام باندھنے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے بالغ ہوگیا تو مذکورہ حج کے احرام سے فرض حج ادا نہیں ہوگا بلکہ نفل حج ہی ادا ہوگا، البتہ بالغ ہونے کے بعد وقوف عرفہ سے پہلے احرام کی تجدید کرلے فرض حج ادا ہوجائے گا، یہی حکم پاگل پن کا ہے۔

"ولو جدده بعد بلوغه ..... قبل الوقوف بعرفة ونوى الفرض أو أطلق أجزاه"(۳)

۴) بچہ میقات سے بغیر احرام کے گزرے اور حرم میں آنے کے بعد بالغ ہوجائے تو بچہ کے میقات سے بغیر احرام کے گزرنے سے اس کے ولی پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا، اسی طرح بچہ حالت احرام میں کسی ممنوع کا ارتکاب کرلے تو ولی پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا بشرطیکہ بچہ ناسمجھ ونابالغ ہو۔

"صبى أحرم عنه أبوه وجنبه مايجنب المحرم فلبس ثوبا أو أصاب طيبا أو صيدا فليس عليه شىء عندنا"(۴)

---

(۱) فتاوی شامی: ۳/ ۳۶۷، فتاوی هنديه: ۱/ ۲۳۶، البحر الرائق: ۲/ ۵۵۳

(۲) فتاوی شامی: ۳/ ۳۶۷، فتاوی ہندیہ: ۱/ ۲۳۶، البحر الرائق: ۲/ ۵۵۳

(۳) بدائع الصنائع: ۲/ ۲۹۵، فتاوی ہندیہ: ۱/ ۳۱۷

(۴) المبسوط للسرخسی: ۴/ ۱۳۰

۵) اگر نابالغ بچہ میقات سے بغیر احرام کے حرم میں داخل ہوجائے اور میقات سے گزر کر حل میں داخل ہونے کے بعد حل ہی سے عمرہ کا احرام باندھ لیا تو عمرہ ادا ہوجائے گا اور میقات سے بغیر احرام کے گزرنے پر دم بھی واجب نہ ہوگا۔

٦) نابالغ بچہ میقات سے گزرنے کے بعد حدود حرم میں بالغ ہوا اور حل سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ کرلیا تو عمرہ ادا ہوجائے گا، میقات سے بغیر احرام کے گزرنے پر بچہ پر یا اس کے ولی پر کوئی دم واجب نہیں ہوگا۔(۱)

مجنوں ودماغی معذور کا احرام

۱) پاگل شخص کا حکم ناسمجھ بچہ کی طرح ہے، اس کی طرف سے اسکا ولی احرام باندھے گا اور وہی تمام ارکان ادا کرے گا۔ "والمجنون كالصبى الغير المميز في جميع ماذكرنا" (۲)

۲) دماغی معذور (جو پوری طرح پاگل نہ ہو) کا حج بچہ کے حج کے حکم میں ہے کہ اس پر حج فرض نہیں لیکن اگر کرلے تو نفل حج ادا ہوگا۔

"انه كالصبى العاقل فى كل الأحكام تبعا لفخر الإسلام حتى لو اداه يصح منه" (۳)

گونگے شخص کا احرام

جو شخص بولنے پر قادر نہ ہو اس کے لیے صرف احرام کی نیت کرلینا کافی ہے، زبان سے تلفظ ضروری نہیں ہے، البتہ تلبیہ کے وقت زبان ہلالے تو بہتر ہے۔ "ولا يلزم العاجز عن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه" (۴)

---

(۱) عمرہ کے فضائل ومسائل: ۶۷

(۲) فتاوى شامى: ۳/۴۶۸، البحر الرائق: ۲/۵۵۴، غنية الناسك: ۸۴

(۳) فتاوى شامى: ۳/۴۵۶

(۴) فتاوى شامى: ۲/۱۸۱

بے ہوش کا احرام

اگر کوئی شخص حج یا عمرہ کی نیت کرتے وقت بے ہوش ہو جائے تو اس کے ساتھی کا اس کی طرف سے بھی احرام کی نیت کر لینا کافی ہے، خواہ بے ہوش ہونے والے نے نائب بنایا ہو یا نہ بنایا ہو، اسی طرح حالت ہوش میں احرام باندھنے کے بعد بے ہوش ہو جانے سے احرام میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

"من خرج يريد حجة الاسلام فاغمى عليه قبل الإحرام .....ولبى عنه رفيقه اوغيره....جاز عندنا"(۱)

تلبیہ زبان سے کہنا شرط ہے

تلبیہ زبان سے اس طرح پڑھنا شرط ہے کہ حروف صاف صاف ادا ہو اور کم از کم خود کو سنائی دے، اور اگر دل ہی دل میں یا بہت ہی آہستہ آواز سے پڑھا تو تلبیہ ادا نہ ہوگا، البتہ جو شخص گونگا ہے اس کے لیے زبان ہلانا ضروری نہیں بلکہ مستحب ہے۔

"وشرط التلبية أن تكون باللسان فلو ذكرها بقلبه لم يعتد بها وكذا لو صحح الحروف بلسانه ولم يسمع نفسه لم يعتد بها على الصحيح"(۲)

احرام کی حالت میں چہرے پر ماسک باندھنا

احناف اور مالکیہ کے نزدیک چہرے کو ڈھانپنا حرام ہے اور اس سے فدیہ واجب ہوتا ہے، یہی قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کا ہے اور علامہ شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔(۳)

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک چہرہ چھپانا جائز ہے اور اس سے فدیہ بھی واجب نہیں ہوتا،

---

(۱) فتاوی شامی: ۵۴۸/۳، فتاوی ہندیہ: ۲۷۷/۱

(۲) غنية الناسك: ۷۴، فتاوی شامی: ۴۹۰/۳

(۳) النوازل في الحج: ۲۳۳۔۳۴۳

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہمارے مذہب کے مطابق ’’محرم‘‘ مرد اپنا چہرہ ڈھانپ سکتا ہے اس پر فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اور جمہور علماء کا یہی قول ہے لیکن امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ فرماتے ہیں محرم کے لیے جیسے سر ڈھانپنا جائز نہیں ہے اسی طرح چہرہ ڈھانپنا بھی جائز نہیں ہے، ان کی دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ حالت احرام میں ایک آدمی اپنے اونٹ سے گر کے فوت ہوگیا تو نبی رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’اس کے سر اور چہرے کو مت چھپانا‘‘ اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے، اور ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی کہ آپ کہا کرتے تھے (ٹھوڑی کے اوپر سر کے کسی بھی حصے کو ’’محرم‘‘ نہ چھپائے) ہمارے علماء کی دلیل امام مالک اور امام بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ عبداللہ بن ابوبکر انہوں نے عبداللہ بن عامر بن ربیعہ سے روایت کیا ہے فرماتے ہیں: میں نے سیدنا عثمان کو گرمیوں کے موسم میں ’’عرج‘‘ کے مقام پر دیکھا کہ حالت احرام میں انہوں نے اپنا چہرہ سرخ لکیروں والے کپڑے سے چھپایا ہوا تھا۔ واللہ تعالی اعلم بالصواب۔ (۱)

لہٰذا شوافع اور حنابلہ کے اعتبار سے سانس کے ذریعے پھیلنے والی مختلف بیماریوں سے بچاؤ کی خاطر اگر عازمین حج کو میڈیکل ماسک کی ضرورت پڑے تو اس ضرورت کے پیش نظر ان کے لیے جواز کے قول پر عمل کرنا جائز ہوگا، اور اس کے استعمال سے فدیہ بھی واجب نہیں ہوگا۔ اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں ماسک پہننے کی گنجائش نکل سکتی ہے یہی محمد بن عثیمین رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے۔ (۲)

لیکن احناف کے نزدیک احرام میں فیس ماسک کا استعمال کہ جس سے کامل چہرہ یا چوتھائی چہرہ چھپ جائے تو مرد وعورت دونوں کے لیے اس کا استعمال ناجائز ہے، اور جزاء کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ’’ماسک‘‘ اتنا چوڑا ہے کہ اس سے چوتھائی چہرہ ڈھک جاتا ہے اور یہ ’’ماسک‘‘ ایک دن یا ایک رات کے بقدر لگا رکھا مثلاً سات گھنٹے

---

(۱) المجموع: ۷/ ۲۶۹: ط دار الفکر

(۲) نوازل: ۲۳۳۔ ۲۴۳

دن میں اور پانچ گھنٹے رات میں تو دم واجب ہے، اور اگر ''ماسک'' کی چوڑائی چوتھائی چہرے سے کم ہو یا اسے ایک دن یا ایک رات کی مقدار سے کم لگایا تو صدقۂ فطر کے برابر صدقہ دینا واجب ہوگا، اس لیے احرام کی حالت میں ''ماسک'' لگانا ممنوع ہے، اور یہ حکم مردوں اور عورتوں سب کے لیے ہے۔ اور اگر حالت احرام میں مسلسل ماسک لگا تو نہیں رکھا لیکن متفرق اوقات میں لگایا کبھی دو گھنٹے کبھی تین گھنٹے تو دیکھا جائے گا کہ اس کی مجموعہ مقدار کتنی ہوئی اگر بارہ گھنٹے ہوئے تو دم واجب ہوگا، ورنہ صدقہ واجب ہوگا۔

"ولو عصب رأسه أو وجهه يوما وليلة فعليه صدقة إلا أن يأخذ قدر الربع فدم" (۱)

فتاویٰ دارالعلوم زکریا میں ہے کہ

عورتوں کو عام حجاب استعمال کی اجازت نہیں ہے، اگر پورا ایک دن استعمال کیا تو دم واجب ہوگا، اس وجہ سے عورتوں کا احرام چہرہ میں ہے یعنی اصل یہ ہے کہ چہرہ کھلا ہونا چاہیے، کوئی کپڑا چہرے سے مس نہ ہو، اور یہ بات ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے آپ اس طرح فرمایا کرتی تھیں، اگر حرج ہے تو چند دن خوشی سے برداشت کرلیا جائے کہ سفر حج تو ہے ہی مشقتوں کا سفر اور قاعدہ ہے "الاجر بقدر التعب" مشقت کے بقدر ثواب ملتا ہے، لہٰذا اس کو مشقت اور حرج نہ سمجھیں، علاوہ ازیں اگر عورتیں عام لوگوں کے مجمع میں برقع استعمال نہیں کیا، لہٰذا دم لازم نہیں ہوگا، البتہ ایک دن سے کم چہرہ ڈھانپنا گیا اس وجہ سے صدقۂ فطر کی مقدار فدیہ واجب ہوگا۔

سنن ابی داؤد میں ہے:

حدثنا أحمد بن حنبل، .....، عن عائشة، قالت: كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول الله ﷺ محرمات، فإذا حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها

(۱) فتاوی شامی: ۴۹۸/۳، بدائع الصنائع: ۴۱۱/۲، نیز دیکھئے: الموسوعة الفقهية: ۱۵۴/۲

فإذا جاوزونا كشفناه (۱)

☆ اور مکمل یہی حدیث مسند احمد میں حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔(۲)

☆ اور مسند امام شافعی رحمہ اللہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی عبارت کے الفاظ یہ ہیں:

ولكن تسدلها على وجهها كما هو مسدوه ولا تقبله ولا تضرب ولا تعطفه۔(۳)

سنن کبریٰ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی عبارت الفاظ یہ ہیں۔ وتسدل الثوب على وجهها إن شاءت۔(۴)

مذکورہ بالا احادیث میں نیز مؤطا امام مالک (۳۳۴) اور المحلی بالاثار (۷/۹، ۷۸) میں بھی "سدل" کا لفظ مذکور ہے جس کے معنی لٹکانے کے ہیں، اور لٹکانا تب ہوگا جب چہرے کے ساتھ نہ لگے، ورنہ اس کو چہرے پر پڑنا کہتے ہیں۔

ملاحظہ ہو تاج العروس میں ہے:

سدل الشعر والثوب والستر يسدله وأسدله أي أرخاه وأرسله، وقال أبو عبيد: السدل المنهي عنه في الصلاة هو إسبال الرجل ثوبه من غير أن يضم جانبيه فإن ضمهما فليس بسدل (۵)

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب في المحرمة تغطي وجهها، احدیث نمبر: ۱۸۳۳، البانی اور محقق شعیب ارنؤوط نے ضعیف کہا۔

(۲) دیکھئے: مسند أحمد، مسند الصديقه، حدیث نمبر: ۲۴۰۲۱

(۳) مسند إمام الشافعی ومن كتاب المناسك: ۲/ ۲۱۲، حدیث نمبر: ۸۵۵

(۴) السنن الكبرى للبيهقي، باب المرأة لا تنتقب في إحرامها ولا تلبس القفازين، حدیث نمبر: ۹۰۵۰

(۵) تاج العروس: ۱۱/ ۳۴۳، وكذافی السان العرب: ۳۳۳، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: فقہ حنفی کی بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸۲، ارشاد الساری: ۳۴۳، اور فقہ مالکی میں حاشية الدسوقی: ۸۶، اور فقہ شافعی کی شرح مہذب: ۷/ ۲۵۰ اور فقہ حنبلی کی المغنی: ۳/ ۳۰۵، فتاوی دار العلوم زکریا: ۳/ ۳۸۰

حج کا برقع کیسا ہو؟

حرم میں اکثر عورتیں ایک طرح کا برقع پہنتی ہیں، کبھی اپنی مستورات کو پہچاننے میں دشواری ہوجاتی ہے، اور اپنی مستورات کی چکر میں کئی عورتوں پر نظر ڈالتے پھرتے ہیں کہ شاید یہ ہوگی ،شاید یہ ہوگی ،اس لیے سفرحج میں نیابرقع بنوالیں اور کچھ ممتاز بنائیں جس سے بسہولت پہچان ہوسکے، لیکن بھڑکیلا برقع نہ ہو کہ سب لوگ برقع ہی کی طرف دیکھنے لگیں، ممتاز کا مطلب کوئی خاص علامت ایسی ہو جس سے آپ پہچان جائیں۔

حالت احرام میں زیورات پہننا

عورت کا حالت احرام میں زیورات ،سلا ہوا کپڑا ،موزے وغیرہ پہننا جس سے بدن چھپا رہے بلاکراہت درست ہے، البتہ دستانے پہننا حنفیہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے۔ "وتلبس الحرير والذهب وتتحلى بأي حلى شاءت"(۱)

عورت کا حالت احرام میں مہندی لگانا

۱) حالت احرام میں اپنی ہتھیلی میں مہندی لگانا درست نہیں اس سے دم واجب ہوگا۔(۲)

۲) اسی طرح حالت احرام میں سر پر گاڑھی مہندی لگانا جس سے سر یا سر کا چوتھائی حصہ ڈھکا رہے تو دم واجب ہوگا۔(۳)

احرام میں عورت کا دستانے پہننا

احرام کی حالت میں عورت کو ہاتھوں میں دستانوں کا پہننا حنفیہ کے نزدیک جائز ہے، اور نہ پہننا بہتر ہے۔

---

(۱) غنیۃ الناسک:۹۴،فتاوی شامی:۵۵۱/۳،حاشیۃ الطحطاوی:۷۴۸

(۲) بدائع الصنائع:۴۱۹/۲،ملتقی الابحر:۴۳۱/۱،فتاوی ہندیہ:۲۴۱/۱

(۳) فتاوی شامی:۵۷۵/۳،غنیۃ الناسک:۲۵۰

جبکہ حنفیہ کے علاوہ دیگر اکثر فقہائے کرام کے نزدیک احرام کی حالت میں عورت کو ہاتھوں میں دستانوں کا پہننا جائز نہیں۔

لبس القفازين :يحظر على المراة المحرمةلبس القفازين عند المالكية والحنابلة وهو المعتمد عند الشافعى، وذهب الحنفية وهو رواية عندالشافعية إلى أنه يجوز لها اللبس يكفيها كالقفاز وغيره، ويقتصر إحرامها على وجهها فقط، استدل الجمهور بحديث ابن عمر بزيادة ولا تنتقب المراة المحرمة، ولا تلبس القفازين واستدل الحنفية بحديث ابن عمر قال: إحرام المراة فى جهها، وماوردت آثار عن الصحابة وكان سعد ابن وقاص يلبس القفازين وهن محرمات، ورخص فيه على وعائشة.وهو قول عطأوسفيان، يجوز للمحرمة تعظمة يدها فقط من غير ها شد، وأن تدخل يديها في إكمامها وفي قميصها (۱)

حائضہ کے احرام اور عمرہ کا حکم

اگر کوئی عورت عمرہ کا احرام شروع کرنے کے وقت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو، تو اس کو عمرہ کا احرام شروع کرنا جائز ہے، لیکن اسے حیض یا نفاس کی حالت میں عمرہ کرنا جائز نہیں، کیونکہ عمرہ میں بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور طواف کے لیے پاک ہونا ضروری ہے، نیز عورت کو حیض ونفاس کی حالت میں دوسری مساجد کی طرح مسجد حرام میں داخل ہونا بھی جائز نہیں۔

اس لیے اگر عمرہ کا احرام شروع کرتے وقت عورت کو حیض ونفاس جاری ہو، تو اسے احرام شروع کرنے کی ممانعت نہیں، اسی طرح عمرہ کا احرام شروع کرنے کے بعد

---

(۱) الموسوعة الفقهية الكويية:۱۵۷

اورعمرہ کا طواف کرنے سے پہلے اگرعورت کوحیض یا نفاس جاری ہوجائے ،تب بھی اس کے احرام میں کوئی خلل وخرابی پیدانہیں ہوتی ،لیکن ان دونوں صورتوں میں اس کوطواف کرنا جائزنہیں ہوتا ،ایسی صورت میں اس عورت کو چاہیے کہ وہ احرام کی حالت میں رہ کر حیض یانفاس سے پاک ہونے کا انتظار کرے ،اوراحرام کی پابندیوں پرعمل کرتی رہے، اورپھر پاک ہونے کے بعدغسل کر کے طواف کرے۔

البتہ عمرہ طواف کرنے کے بعدحیض یا نفاس جاری ہوا ہو۔توپھرکوئی حرج کی بات نہیں، بلکہ اسے اسی حال میں سعی کر کے اوراپنے بال ترشوا کرعمرہ مکمل کرنا اوراحرام سے نکلنا جائز ہے۔

اورحنفیہ کےنزدیک عمرہ کےطواف کے چارچکررکن ہیں،اور بقیہ تین چکرواجب ہیں ، اس لیے حنفیہ کےنزدیک اگرطواف کےکم ازکم چارچکرمکمل کرنے کے بعدکسی عورت کوحیض یانفاس جاری ہوا ہو،جس کے بعداس نےطواف کےمزیدچکرپورےنہیں کیےاوراسی حال میں اس نےسعی کرکے بال کٹوالیےاورحرام سےنکل گئی،تواس کاعمرہ مکمل ہوجائے گا۔

مگراس پردم واجب ہوگا،لیکن اگراس نے وہ تین چکر پاک کرہوکر پورے کر لیےتواس کا دم بھی ساقط ہوجائے گا،البتہ بعض حضرات کےنزدیک اس کوطواف کے چکروں کےساتھ سعی کولوٹانے کی صورت میں دم ساقط ہوگا ، جبکہ حنفیہؒ کےعلاوہ دیگر فقہائے کرام کےنزدیک طواف کےساتویں چکرمکمل کرنے اورسعی کرنے سے پہلے اس کاعمرہ مکمل نہیں ہوگا کیونکہ ان کےنزدیک طواف کےتمام چکررکن میں داخل ہیں،حنفیہؒ کی طرح چارچکررکن اور باقی واجب نہیں ہے۔

آج کل حج عمرہ پرجانے والوں کے لیےسفر کےمعاملات حکومت اورانتظامیہ کی طرف سے طےہونےتک،جن کی خلاف ورزی کرنے کی قانونی طورپراجازت نہیں ہوتی۔

اور ایسی صورت میں بعض اوقات عمرہ کرنے والے کو حرم پہنچنے کے بعد ہمیں جلد ہی مدینہ منورہ جانے کی پابندی ہوتی ہے۔

ایسی صورتِ حال میں اگر کسی عورت کو احرام شروع کرنے کے بعد، حیض یا نفاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے عمرہ کرنے سے پہلے مدینہ منورہ جانا پڑ جائے، اور اس کو پاک ہونے اور عمرہ کرنے تک حرم میں ٹھہرنے کی اجازت نہ ملے، تو اس کو مدینہ منورہ احرام کی حالت میں چلے جانا اور وہاں سے واپس حرم لوٹ کر اسی سابقہ احرام سے عمرہ کرنا جائز ہوگا اور اس صورت میں اس پر نہ تو دم ہوگا، اور نہ ہی وہ گنہگار ہوگی، البتہ اسے مدینہ منورہ رہتے ہوئے اور آمد ورفت کے وقت احرام کی پابندیاں اختیار کرنی پڑیں گی۔

اور اگر کسی عورت کو عمرہ کا احرام شروع کرتے وقت حیض یا نفاس جاری اور اسے معلوم ہو کہ حرم پہنچنے کے بعد حیض یا نفاس میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسے عمرہ کا موقع نہیں مل سکے گا، اور اسے اسی حالت میں مدینہ منورہ جانا پڑے گا، اور اس طرح اس کے احرام کا دورانیہ غیر معمول لمبا ہوجائے گا، اور اس کی پابندیوں نبھانا اس کے لیے مشکل ہوگا۔

تو اس طرح کی مجبوری میں مبتلا عورت اگر میقات سے احرام کے بغیر حرم میں داخل ہوجائے اور پھر وہاں سے عمرہ کیے بغیر اسی حالت میں مدینہ منورہ چلی جائے اور وہاں سے واپس آتے وقت ”ذوالحلیفۃ“ یا کسی اور آفاقی میقات سے احرام باندہ کر حرم میں داخل ہو کر عمرہ کرے، تو اس کا دم ساقط ہوجائے گا۔

کیونکہ میقات کے باہر سے عمرہ کی غرض سے حرم میں آنے والا فرد اگر بغیر احرام کے میقات سے گزر جائے، اور حرم میں داخل ہوجائے، تو اس پر دم لازم ہوتا ہے لیکن اگر وہ بعد میں کسی بھی میقات پر چلا جائے، اور وہاں سے باقدہ احرام باندھ کر دوبارہ حرم میں داخل ہو تو اس کا دم ساقط ہوجاتا ہے۔

بلکہ صاحبین اور شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اگر کوئی میقات سے بغیر احرام کے

تجاوز کرنے کے بعد احرام باندھے اور پھر کوئی نسک مثلاً طواف ادا کیے بغیر میقات کی طرف لوٹ کرآ جائے، اور پھر دوبارہ احرام کی تجدید کے بغیر حرم میں پہنچ کرعمرہ وغیرہ کرے،تو بھی دم ساقط ہوجاتا ہے۔

اور مذکورہ صورت میں اس عورت کا ذوالحلفیہ کی میقات کی طرف جانااور وہاں سے احرام باندھ کرآنا پایا جاتا ہے، یہ الگ بات ہے کہ بلاعذر اس کوایسا کرنا جائز نہیں ہوتا۔

اور مذکورہ صورت میں ہمارے نزدیک اس عورت کے لیے معقول عذر پایا جاتا ہے جس کی وجہ سے امید ہے کہ وہ گناہ گار نہ ہوگی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ میقات سے قصداً وعمداً بغیر احرام کے گزرنا گناہ ہے، اور میقات کی طرف عود کرنا واجب ہے، لیکن اگرکسی عذر کی وجہ سے عود ترک کیا جائے تو گناہ نہیں، لہٰذا جب عذر کی وجہ سے عود کو ترک کرنے سے گناہ نہیں ہوتا ،توامید ہے کہ ابتداءً بغیر احرام کے عذر کی وجہ سے گزرنے میں بھی گناہ نہ ہو، خاص طور پر جبکہ ہماری زیر بحث صورت میں عود کرکے اس وجوب کی خلاف ورزی کی تلافی بھی پائی جاتی ہے۔

پھر بھی اگرکوئی عورت احتیاط پرعمل کرتے ہوئے احرام کی حالت میں حرم میں داخل ہو،اوروہ عمرہ کرنے تک احرام کی پابندیوں کونبھائے ،جیسا کہ پہلے گزرا،تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

اور یہ تمام تفصیل مجبوری کی صورت میں ہے۔

اور اگرکسی عورت نے اپنے وطن سے حرم میں جاکرعمرہ کرلیا،اور پھر وہ مدینہ منورہ گئی ،اور وہاں سے واپسی پر اسے قانونی پابندی کی وجہ سے حرم شریف پہنچنا ضروری ہو، اور وہ اس وقت حیض کی حالت میں ہو، اور عمرہ بھی نہ کرنا چاہتی ہو، یاپاک ہونے سے پہلے اسے وہاں سے قانونی طور پر واپس اپنے وطن لوٹنا ضروری ہو، ،تواسے امام شافعیؒ کے نزدیک ذوالحلیفہ سے بغیر احرام کے حرم جانا جائز ہے، کیونکہ ان کے نزدیک احرام باندھنا اسی کے لیے ضروری ہے، جوعمرہ یاحج کی نیت سے حرم کی حدود میں جانا چاہتا ہو

اور جو کسی اور غرض سے جانا چاہتا ہو، اس کو احرام باندھنا ضروری نہیں۔

جبکہ حنفیہ کے نزدیک دونوں کے لیے احرام ضروری ہے۔

اور بامر مجبوری امام شافعی رحمہ اللہ کے قول پر عمل کر لینے کی گنجائش ہے۔(۱)

درد یا زخم کی وجہ سے پٹی باندھنے کا حکم

اگر کسی نے سر اور چہرہ کے علاوہ کسی اور عضو مثلاً گھٹنے، ٹخنے، یا کہنی یا گٹے یا کمر، یا گردن وغیرہ پر کسی عذر جیسے درد، زخم وغیرہ سے حفاظت کی خاطر پٹی یا بلٹ (Belt) یا فوم کالر باندھی، خواہ تھوڑے عضو پر ہو یا زیادہ عضو پر، تو یہ نہ تو مکروہ ہے، اور نہ اس پر کوئی کفارہ وغیرہ واجب ہے، بشرطیکہ وہ پٹی باندھی گئی ہو، خواہ باندہ کر گرہ لگائی گئی ہے یا پن، میخ وغیرہ لگایا گیا ہو، اور جو پٹی گول آستین نما سلی ہوئی ہوتی ہے، اس کا عضو پر چڑھانا جائز نہیں، اور ایسی پٹی کو اگر درمیان سے کاٹ کر مذکورہ طریقہ پر باندھ لیا جائے، تو بھی کچھ واجب نہیں، اور عذر کی صورت میں مکروہ بھی نہیں۔

اور اگر آستین نما پٹی کو عذر کی وجہ سے کسی عضو پر پہن لیا، اور وہ لگا تار ایک دن یا ایک رات یا اس سے زیادہ دیر تک پہنے رکھا، تو فدیہ واجب ہے، اور اس سے کم وقت کے لیے پہنا، تو صدقہ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہے۔

ولو عصب شيئا من جسده لعلة أو غير علة لا شيء عليه؛ لأنه غير ممنوع عن تغطية بدنه بغير المخيط، ويكره أن يفعل ذلك بغير عذر؛ لأن الشد عليه يشبه لبس المخيط (۲)

فلا شيء عليه لو عصب موضعا آخر من جسده، ولو كثر لكنه يكره من غير عذر كعقد الازار وتخليل الرداء (۳)

---

(۱) عمرہ فضائل واحکام: ۶۹ / ۷۵

(۲) بدائع الصنائع: ۲/ ۱۸۷، كتاب الحج

(۳) البحر الرائق: ۹ / ۳، كتاب الحج، عمرہ کے فضائل واحکام: ۹۰

حالت احرام میں نیکر پہننا

نیچے جو نیکر وغیرہ پہنا جاتا ہے وہ سلا ہوا ہوتا ہے، اس لیے حالت احرام میں نیچے نیکر وغیرہ پہننا ناجائز اور موجب دم ہوگا۔(۱)

احرام میں سردی کی ٹوپی لگانا

سردی سے بچنے کے لئے آج کل بازار میں جو پٹی دستیاب ہے باندھنا منع ہے اگر ایک دن مکمل باندھے رہا تو دم واجب ہوگا، اور اگر بارہ گھنٹے سے کم باندھے رہا تو صدقہ واجب ہے، چونکہ وہ پٹی چوتھائی سر کو ڈھانک لیتی ہے۔"وان غطى المحرم ربع راسه او وجهه يوما فعليه دم وان كان دون ذلك فعليه صدقة"(۱)

احرام میں سلی ہوئی لنگی پہننا

احرام کے کپڑے سلے ہوئے نہ ہوں، لنگی کے ایک کونے کو دوسرے کونے سے سلوالنا نہیں چاہئے اگر سلوالیا تو جائز ہے اور کوئی جزا لازم نہیں آئیگی۔

"والأفضل أن لا يكون فيه خياطة وإن زرر أحدهما أو خلله بخلال أو ميل أو عقده بأن ربط طرفه بطرفه الآخر أو شده على نفسه بحبل ونحوه اساء ولا شيء عليه"(۳)

احرام کے کپڑے کو پن لگانا

احرام کے کپڑے کو پن نہیں لگانا چاہئے، چونکہ اس میں سلائی کے کپڑے سے مشابہت ہے، لیکن پن لگالینے پر دم یا صدقہ واجب نہیں ہوگا "ومع هذا لو فعل لا شيء عليه"(۴)

---

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۱۲/ ۱۹۷

(۲) المبسوط: ۴/ ۱۲۸

(۳) غنيه الناسك: ۱۷، فتاوى شامی: ۳/ ۴۹۹

(۴) البحر الرائق: ۳/ ۷

حالت احرام میں بالوں کا ٹوٹ جانا

حالت احرام میں وضو یا غسل کرتے وقت خود بخود بال ٹوٹ جائیں تو ہر بال کے بدلے ایک کھجور یا ہر تین بال کے بدلے ایک مٹھی غلہ صدقہ دینا واجب ہے۔

"فلو سقط من رأسه أو لحيته ثلاث شعرات عند الوضوء أو غيره فعليه كف من طعام....أو تمرة لكل شعرة"(۱)

احرم اور خوشبو کا حکم

محرم کا حالت احرام میں [۱] خوشبو لگانا [۲] یا خوشبو لگے ہوئے کپڑے پہننا [۳] یا خوشبودار چادر اوڑھنا [۴] یا کپڑے میں خوشبو باندھنا جبکہ اس پر خوشبو طول وعرض میں ایک بالشت سے زیادہ لگی ہوئی ہو تو ایک دن یا ایک رات استعمال کرنے سے دم واجب ہوگا، اور اگر ایک دن سے کم پہنا جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

"ظاہرہ ان مازاد على الشبر كثير لكن لا لاعتبار الكثرة من الثوب بل لكثرة الطيب حينئذ عرفا فان مكث يوما فعليه دم او اقل منه فهو صدقة وحينئذ اذا كان الطيب فى نفسه كثيرا لزم الدم وان اصاب من الثوب اقل من شبر... ولو ربط مسكا او كافورا او عنبرا كثيرا من طرف ازاره اورداءه ودام عليه يوما لزمه دم"(۲)

احرام کے کپڑے پر ایسی خوشبو لگانا جس کا اثر بعد میں باقی رہے جائز نہیں، بہتر ہے کسی طرح کی خوشبو کپڑوں کو نہ لگائے۔

"أما الثوب فلا يجوز أن يطيب بما تبقى عينه بعد الإحرام الخ والأولى أن لا يطيب ثوبه"(۳)

---

(۱) غنية الناسك: ۲۵۷، فتح القدير: ۳/۳۲

(۲) غنية الناسك: ۲۴۵، فتاوى شامى: ۳/۵۷۵

(۳) فتاوى شامى: ۳/۴۸۸، البحر الرائق: ۲/۵۶۲

احرام کی حالت میں خوش بودار مرہم لگانا

بغیر خوشبو کا مرہم نہ ملنے کی صورت میں خوشبودار مرہم لگانا درست ہے، مرہم لگانے میں علاج اصل ہوتا ہے خوشبو تابع ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ صحت مند آدمی بغرض خوشبو خوشبودار مرہم لگانا پسند نہیں کرتا

"وإذا دهن شقاق رجله بزيت اوشحم اوسمن لم يكن عليه شيء، لأن قصده التداوی والتداوی غير ممنوع فی حال الإحرام"(۱)

حالت احرام میں بدن پر خوشبو لگانا

حالت احرام میں بدن پر لگائی جانے والی خوشبو تین طرح کی ہے [۱] وہ اشیاء جو خالص خوشبو ہیں [۲] وہ اشیاء نہ خالص خوشبو ہیں اور نہ ان سے خوشبو بنائی جاتی ہے [۳] وہ اشیا جو خالص خوشبو تو نہیں ہیں لیکن ان سے خوشبو بنائی جاتی ہے۔

پہلی قسم:

جو اشیاء خالص خوشبو ہیں جیسے مشک، عنبر، زعفران، عطر وغیرہ کے استعمال سے بہر صورت دم واجب ہوگا خواہ بطور دوا استعمال کئے جائیں، اور لگا کر فوراً نکال دی جائیں۔

"أن الأشياء التي تستعمل في البدن على ثلاثة أنواع: نوع هو طيب محض معد للطيب به كالمسك والكافور والعنبر وغير ذلك وتجب به الكفارة على أي وجه استعمل حتى قالوا لو داوی عينه بطيب تجب عليه الكفارة"(۲)

(الف) پس اگر حالت احرام میں کامل بڑے عضو کو خوشبو لگا لیا جائے مثلاً: سر، چہرہ، داڑھی، پنڈلی، ران، بازو، پیٹ، پیٹھ، وغیرہ تو ایک دم واجب ہوگا، البتہ اگر

(۱) المبسوط: ۴/ ۱۲۳

(۲) بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۷، فتاوی ہندیہ: ۱/ ۲۴۰

ایک ہی مجلس میں کئی اعضاء پرخوشبولگائی تو ایک ہی دم واجب ہوگا، اور اگر الگ الگ مجلسوں میں الگ اعضاء پر یا الگ الگ مجلسوں میں ایک ہی عضو پر خوشبو لگائی تو ہر مرتبہ و ہر مجلس پر الگ الگ دم واجب ہوگا۔

"فإن طيب عضوا كبيرا كاملا من أعضائه فما زاد كالرأس والوجه و اللحية والفم والساق الخ فعليه دم ....ولو طيب جميع اعضائه فى مجلس واحد كفاه دم ....وفى مجالس لكل طيب كفارة"(۱)

ب) اور کسی چھوٹے عضو پر خوشبولگائی مثلا: ناک، کان، آنکھ، انگلی، مونچھ وغیرہ تو صدقہ واجب ہوگا، اور اگر بدن مختلف حصوں پر اتنی خوشبولگائی کہ سب کو فرضا جمع کرنے سے ایک کامل عضو کے بقدر ہوجاتی ہے تو ایک دم واجب ہوگا، یا ایک ہی چھوٹے عضو پر اتنی خوشبولگائی کہ کامل عضو پر لگائی جاسکتی ہے تو بھی دم واجب ہوگا۔

"ولو طيب مواضع متفرقة يجمع ذلك فلو بلغ عضوا كاملا فعليه دم والا فصدقة"(۲)

فائدہ: احرام سے پہلے کسی عضو پر لگائی گئی خوشبو احرام کے بعد دوسرے عضو پر لگ گئی تو کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

"لو طيب عضوا ثم احرام فانتقل منه الى مكان اخر من بدنه فلا شئى عليه اتفاقا"(۳)

دوسری قسم:

(۱) غنية الناسك: ۲۴۴، بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۶، البحر الرائق: ۳/ ۴

(۲) البحر الرائق: ۳/ ۴، بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۵، غنية الناسك: ۲۴۴

(۳) غنية الناسك: ۲۴۵، البحر الرائق: ۳/ ۳، فتح القدير: ۳/ ۲۴

دوسری قسم کی اشیاء جیسے چربی، چکنائی، وغیرہ کے استعمال سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی۔

"ونوع ليس بطيب بنفسه ولا فيه معنى الطيب ولا يصير طيبا بوجه كالشحم لا تجب الكفارة"(۱)

تیسری قسم:

تیسری قسم کے اشیاء استعمال کرنے سے جیسے زیتون کا تیل، تل کا تیل وغیرہ بنیت خوشبو استعمال کرنے سے جزا لازم ہوگی اور بنیت غذا استعمال کرنے سے کوئی جزا لازم نہیں ہوگی۔

"وَنَوْعٌ ليس بِطِيبٍ بِنَفْسِهِ لَكِنَّهُ أَصْلُ الطِّيبِ يُسْتَعْمَلُ على وَجْهِ الطِّيبِ وَيُسْتَعْمَلُ على وَجْهِ الإدام كَالزَّيْتِ وَالشَّيْرَج فَيُعْتَبَرُ فيه الِاسْتِعْمَالُ فَإِنْ اُسْتُعْمِلَ اسْتِعْمَالَ الْأَدْهَانِ في الْبَدَنِ يعطي له حُكْمُ الطِّيبِ وَإِنْ اُسْتُعْمِلَ في مَأْكُولٍ أو شُقَاقِ رِجْلٍ لَا يعطي له حُكْمُ الطِّيبِ كَالشَّحْمِ"(۲)

حالت احرام میں تیل کا استعمال

۱۔ حالت احرام میں خوشبودار تیل استعمال اگر کامل بڑے عضو پر کیا جائے تو دم واجب ہوگا، اور اگر پورے عضو پر نہ کیا جائے تو صدقہ واجب ہوگا۔

"ولو ادهن بزيت بحت أو خل بحت غير مطبوخ كل منهما وأكثر فعليه دم عند أبي حنيفة ﷺ صدقة عندهما"(۱)

۲۔ تیل خوشبودار نہیں ہے مثلاً زیتون کا تیل وغیرہ تو جزاء لازم نہیں ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۷، فتاوی ہندیه: ۱/ ۲۴۰

(۲) بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۷، فتاوی ہندیه: ۱/ ۲۴۰

(۳) غنية الناسك: ۲۴۸

حالت احرام میں سرمہ کا استعمال

۱۔ سرمہ اگر خوشبودار ہے تو ایک بار کے استعمال سے صدقہ واجب ہوگا اور بار بار کے استعمال سے دم واجب ہوگا۔

۲۔ سرمہ اگر خوشبودار نہیں ہے تو اس کے استعمال سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

"إذا اكتحل بالكحل المطيب فعليه صدقة فإن فعل ذلك مرار كثيرة فعليه دم، ولو اكتحل بكحل ليس فيه الطيب فلا بأس به" (۱)

خوشبودار غذا کھانے کا استعمال

۱) حالت احرام میں ثابت زعفران، الائچی، وغیرہ خوشبودار چیزیں جو کسی کھانے میں ملائی گئی نہ ہو اور اتنی مقدار میں کھالی کہ منہ کے اکثر حصہ میں لگ گئی تو دم واجب ہوگا، اور اگر کم مقدار میں لگی تو صدقہ واجب ہوگا۔

"فلو أكل طيبا كثيرا وهو أن يلتصق بأكثر فمه يجب الدم وإن كان قليلا بأن لم يلتصق بأكثر فمه فعليه الصدقة" (۲)

۲) کھانے میں ملا کر پکائی گئی خوشبو کھانے سے کوئی جزاء واجب نہیں ہوگی، پکنے کے بعد خواہ اس سے خوشبو آتی ہو، جیسے بریانی میں زعفران، الائچی وغیرہ ملا کر پکا دی گئی۔

"فلو جعله فی الطعام وطبخه فلا باس باكله لانه خرج من حكم الطيب وصار طعاما" (۳)

۳) کھانا پکا دینے کے بعد اوپر سے خوشبو چھڑکی گئی تو اس خوشبودار چیز کا کھانا مکروہ

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۸، البحر الرائق: ۳/ ۴، غنية الناسك: ۲۴۴

(۲) غنية الناسك: ۲۴۶، فتاوى هنديه: ۱/ ۲۴، بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۷

(۳) غنية الناسك: ۲۴۶، فتاوى هنديه: ۱/ ۲۴، بدائع الصنائع: ۲/ ۴۱۷

جبکہ کم مقدار میں کھایا اور اگر زیادہ مقدار میں کھالیا تو جزاء واجب ہوگی۔

"وان لم يطبخ بل خلطه بما يؤكل بلا طبخ كالملح وغيره فان كانت رائحته موجودة ولا شئی عليه اذا كان مغلوبا فانه كالمستهلك إما إذا كان غالبا فهو كالزعفران الخالص فيجب الجزاء"(۱)

خوشبودار مشروب کا استعمال

۱) حالت احرام میں خوشبو ملا ہوا مشروب زیادہ مقدار میں پینے سے جزاء لازم ہوگی جبکہ خوشبو غالب ہو، اور اگر خوشبو مغلوب ہو اور کم مقدار میں پیا جائے تو صدقہ واجب ہوگا، اور اگر کم مقدار کئی مجلسوں میں پی گئی تو جزاء واجب ہوگی۔

۲) کولڈ رنک (سیوان اپ، اسپرائٹ وغیرہ) پینے سے دم واجب نہیں ہوگا، البتہ ان مشروبات کا پینا کراہت سے ونقصان سے خالی نہیں ہے۔

۳) شربت روح افزاء پینا جبکہ وہ پانی میں زیادہ مقدار میں ملایا گیا ہو موجب دم ہے۔

۴) چائے میں لونگ، الائچی ڈال کر پینا جس سے خوشبو مہک رہی ہو موجب دم ہے۔

"وإن خلطه بمشروب كالهيل والقرنفل بالقهوة فالحكم للطيب مائعا كان أو جامدا فإن كان الطيب غالبا تجب دم إن شرب كثيرا وإلا فصدقة وإن كان مغلوبا فصدقة إلا أن يشربه مرارا فدم إن اتحد المجلس والا فلكل مرة صدقة"(۲)

خوشبودار دوائی کا استعمال

۱) حالت احرام میں خوشبودار واسلین استعمال کرنے سے جزاء لازم ہوگی جبکہ

---

(۱) غنية الناسك:۲۴۶، فتاوى هنديه:۱/۲۴۱، بدائع الصنائع:۲/۴۱۷

(۲) غنية الناسك:۲۴۷

بے خوشبودار واسلین (vaciline) کے استعمال سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

۲) دیسی دواء پانی میں ابال کر پیا جس میں خوشبو غالب تھی تو محرم کو اختیار ہے خواہ دم دے یا چھ مسکینوں کو صدقہ دے (کھانا کھلائے) یا تین روزے رکھے۔"فان کان للتداوی خیر"(۱)

۳) خوشبودار دوائی کامل عضو یا عضو کے کسی حصہ پر بار بار لگانے سے دم واجب ہوگا ورنہ صدقہ واجب ہوگا۔

"ولو تداوى بالطيب اوبدواء فيه طيب غالب ولم يكن مطبوخا فالزقه بجراحته يلزه صدقة إذا كان موضع الجراحة لم يستوعب عضوا أو أكثر إلا أن يفعل ذلك مرارا فيلزمه دم"(۲)

صابن وشیمپو کا استعمال

۱۔ خوشبودار صابن ایک دوبار استعمال کرنے سے صدقہ واجب ہوگا اور بار بار استعمال کرنے سے دم واجب ہوگا، جبکہ بغیر خوشبو کا صابن استعمال کرنے سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوگی۔

"غسل رأسه بالحرض والصابون السدر ونحوه إلى مما لا رائحة فيه لا شيء عليه أي بالإجماع"(۳)

۲۔ شیمپو عموماً خوشبودار ہوتا ہے اس لیے حالت احرام میں اس کے استعمال سے دم واجب ہوگا۔

"وأما المطيب منهما وهو ما ألقى في الأنوار كدهن البنفسج والياسمين والورد والبان والخيرى وما أشبه ذلك فإذا

(۱) البحر الرائق: ۳/ ۵، غنية الناسك: ۲۴۵

(۲) غنية الناسك: ۲۴۷

(۳) مناسك ملا علي قاري: ۳۲۳

ادهن به عضوا كبيرا كاملا فعليه دم بالإجماع"(۱)

بال نکالتے وقت صابن وشیمپو کا استعمال

بال نکالنے کے لیے نائی وغیرہ اگر بالوں پر خوشبودار صابن یا شیمپو استعمال کرے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بقول دم واجب ہوگا، جبکہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک صرف صدقہ واجب ہوگا، حلق کے وقت اکثر لوگ اس بات کا بہت کم دھیان رکھتے ہیں، جبکہ اس عمل سے احتراز واجب ہے۔"ولو غسل رأسه بالخطمى فعليه دم عند أبي حنيفة وقالا صدقة"(۲)

❁❁❁❁❁

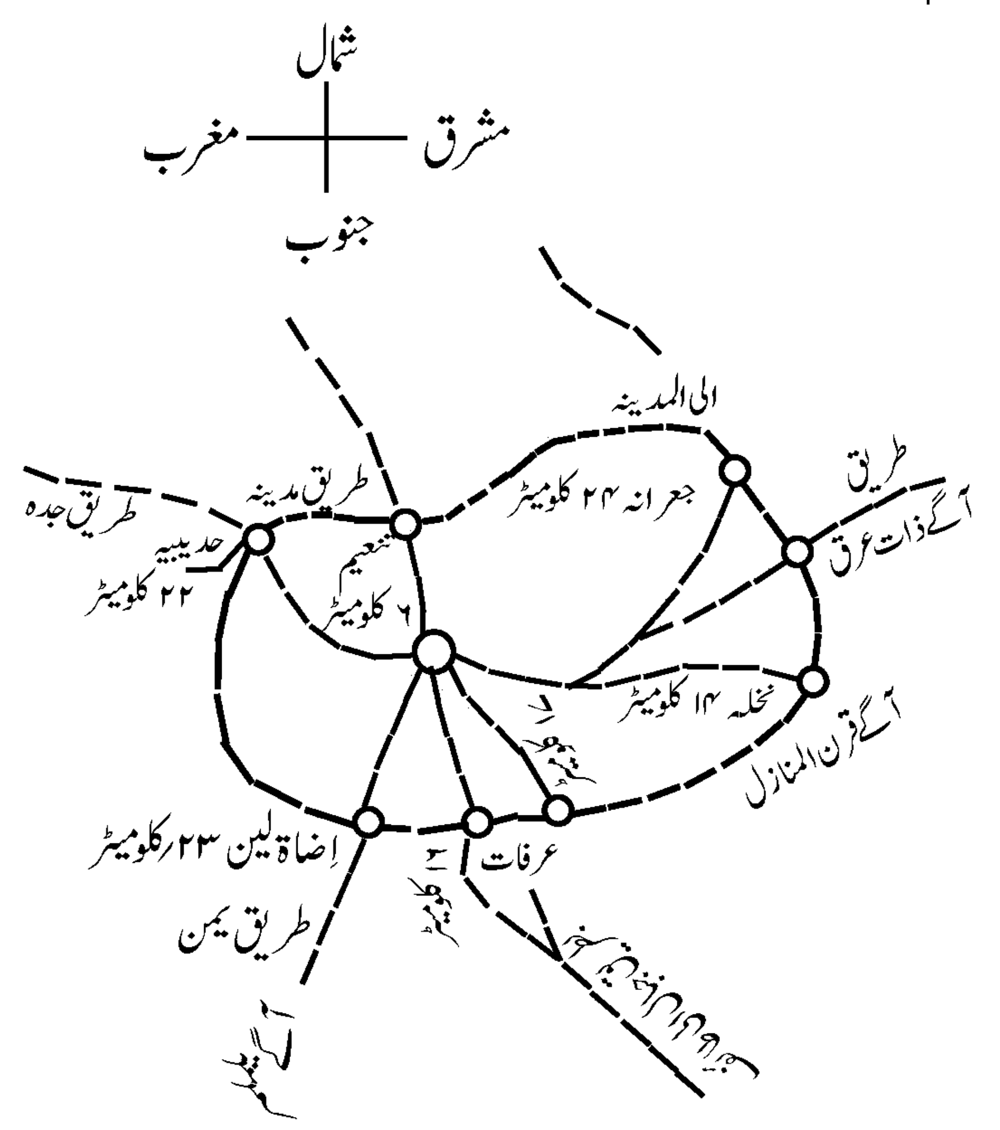
(۱) غنیۃ الناسك:۲۴۸، بدائع الصنائع:۲/۴۱۶

(۲) غنیۃ الناسك:۲۴۹، بدائع الصنائع:۲/۴۱۹، فتح القدیر:۳/۲۸

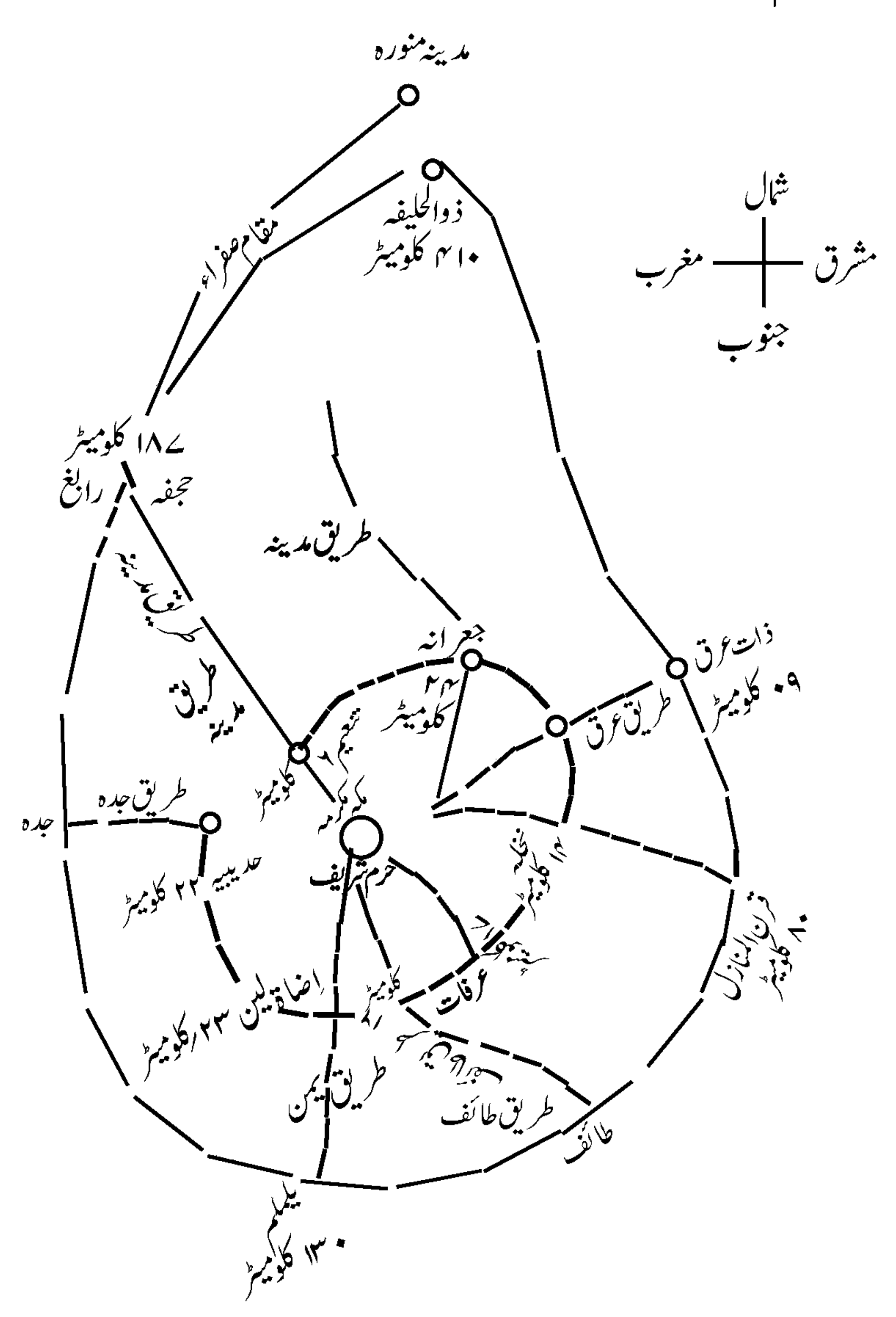
حدود حرم کی پیمائش

تنعیم مسجد عائشہ ۶؍کلومیٹر	نخلہ ۱۴؍کلومیٹر	اِضاۃ لبن ۲۳؍کلو میٹر	جعرانہ ۲۴؍کلو میٹر	حُدیبیہ ۲۲؍کلو میٹر	عرفات سے قبل ۱۷؍کلومیٹر	بطریق جبال الی طائف ۱۶؍کلومیٹر

حدود حرم کا جغرافیائی نقشہ



حدود حرم اور حدود میقات کا جغرافیائی نقشہ



میقات

میقات سے متعلق کچھ اہم مسائل کو مستحضر کر لینا چاہیے، پھر اس کی روشنی میں جدّہ کی میقاتی حیثیت پر گفتگو کی جائے گی۔

جو شخص دو میقات سے گزرے

۱) اکثر فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہیکہ میقات چھوڑ کر غیر میقات سے احرام باندھنا ومعذور پر دم واجب کرتا ہے اور غیر معذور گنہگار ہوگا۔

۲) فقہاء کرام کا اس بات پر تو اتفاق ہے کہ جو افاقی دو میقات سے گزرتا ہے اُسے پہلی میقات سے ہی احرام باندھنا چاہیے۔

۳) اس میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے جب افاقی دو میقاتوں سے گزرتا ہو اور پہلے سے گزر کر دوسری میقات سے احرام باندھتا ہو چاہیے دوسری میقات اس کے ملک کی طے ہو یا نہ، اس بارے میں پانچ اقوال میں حنفیہ کی ایک روایت شوافع، حنابلہ، ظاہریہ اور بن باز وابن باز وابن عثمین وغیرہ کی یہ رائے ہے کہ پہلی میقات چھوڑ کر دوسری میقات کسی حال میں جانا جائز نہیں ہے ان کی دلیل وہی روایت ہے جس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف علاقوں کے لیے چار میقات طے فرمائے، یہ میقات کا احترام ہونا چاہیے پہلی میقات بھی دیگر میقاتوں کی طرح ہے۔

جب دیگر مواقیت پر سے احرام کے بغیر نہیں گزرتا تو پہلی میقات سے کیوں

گزر رہا ہے، روایت کے الفاظ ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُما، قَالَ: »وَقَّتَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلىَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَهْلِ المدِينَةِ ذَا الحلَيْفَةِ، وَلِأَهْلِ الشَّأْمِ الجحُفَةَ، وَلِأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنَ المنَازِلِ، وَلِأَهْلِ اليَمَنِ يَلَمْلَمَ، فَهُنَّ لهنَّ، وَلمنْ أَتَى عَلَيْهِنَّ مِنْ غَيْرِ أَهْلِهِنَّ لمنْ كَانَ يُرِيدُ الحجَّ وَالعُمْرَةَ، فَمَنْ كَانَ دُونَهُنَّ، فَمُهَلُّهُ مِنْ أَهْلِهِ، وَكَذَاكَ حَتَّى أَهْلُ مَكَّةَ يُهِلُّونَ مِنْهَا (۱)

دوسرا قابل ذکر قول حنفیہ رحمہ اللہ، امام اوزاعی رحمہ اللہ، ابن منذر رحمہ اللہ شافعی کا ہے کہ پہلی میقات چھوڑ کر دوسری میقات سے احرام باندھا جا سکتا ہے۔(۲)

گرچہ پہلے میقات سے احرام باندھنا افضل ہے دلیل یہ ہے کہ جب وہ دوسری میقات پہونچا تو وہاں کا بن چکا ہے اوپر کی ذکر کردہ حدیث میں چار میقات اُس شخص کے لیے بھی ہیں جو دوسری میقات سے گزر کر آ رہا ہے۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا عمل منقول ہے کہ انہوں نے ایک سال دو مرتبہ عمرہ کیا ہے ایک مرتبہ ذوالحلیفہ سے ایک مرتبہ جحفہ سے: ''مرة من ذي الحليفة ومرة من الجحفة''(۳) اگر پہلی میقات سے ہی احرام باندھنا ضروری ہوتا تو وہ دوسرے عمرہ میں ذوالحلیفہ چھوڑ کر جحفہ سے احرام کیوں باندھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر نے بھی ''فُرْع'' نامی جگہ سے احرام باندھا۔(۴)

ربذہ کے نواحی میں مکہ کے راستہ پر یہ گاؤں واقع ہے، جس میقات سے بھی احرام

---

(۱) صحیح البخاري، کتاب الحج، باب مهل أهل الشام، حدیث نمبر: ۱۵۲۶

(۲) إعلاء السنن

(۳) مسند الشافعي، باب ميقات العمرة المكاني والزماني، حدیث نمبر: ۷۷۵، اس کے رجال ثقہ ہیں۔

(۴) مؤطأ إمام مالك: ۱/۳۳۱، الأم: ۶/۳۶/۴، البيهقي: ۵/۲۳

باندھا جائے حرم کی تعظیم ہو جائے گی، چاہے قریبی میقات ہو یا دوروالی میقات ہو۔

میقات سے گزر کر پھر واپس آجائے

اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص میقات سے گزرے اور احرام نہ باندھے پھر واپس کہ وہاں سے یا کسی بھی میقات سے احرام باندھ لے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کوئی دم نہیں۔

اختلاف اس مسئلہ میں جب اس نے میقات سے گذر کر احرام باندھ لیا پھر احرام باندھا پھر واپس میقات آیا مالکیہ حنابلہ کے نزدیک دم ساقط نہیں ہوتا حنفیہ شافعیہ کے نزدیک دم ساقط ہو جاتا ہے۔

مالکیہ حنابلہ کا خیال یہ ہے کہ جب میقات کا حق ادا نہیں کیا گیا تو یہ نقص واپس آنے سے ختم نہیں ہوسکتا دم دینا ہی پڑے گا میقات کے احترام کی پامالی کرے کے نتیجہ میں، دوسری دلیل میں من نسي من نسكه شيئا أو تركه فليهرق دمًا(۱)

میقات کے بعد احرام باندھنے والا نسک کا چھوڑنے والا ہے اس لیے دیگر واجبات کی طرح دم واجب ہوتا، سلا ہو کپڑا پہننے ہے، خوشبو کے استعمال سے جو دم واجب ہوتا ہے وہ کپڑا اُتانے یا خوشبو دھونے سے معاف نہیں ہوتا اسی طرح یہ دم بھی مقیات واپس آنے سے معاف نہیں ہوتا۔

احناف وشوافع کی دلیل یہ ہے کہ میقات حالت احرام میں گذرنا مقصود دے، جیسے کوئی میقات سے احرام باندھ لے میقات حالت احرام میں گذر جائے تو کافی ہے اسی طرح واپس آ کر حالت احرام میں گذر جائے تو کافی ہے۔

اگر بغیر احرام باندھے داخل میقات سے واپس آ کر احرام باندھتا تو دم نہیں ہے۔

اگر وہ داخل میقات سے احرام باندھ کر آرہاں ہے تو دم بدرجہ اولی واجب نہیں ہونا چاہیے، عرفہ سے نکل کر واپس آجانے سے دم معاف ہے اسی طرح میقات واپس

(۱) الذخيرة: ۳/ ۲۰۸، الحامی: ۴/ ۱۳، المغنی: ٥/ ٦٦

آنے پر دم معاف ہونا چاہیے۔

جدہ کی میقاتی حیثیت

اس سلسلہ میں علماء کرام کے پانچ قول ہیں:

۱) علماء عرب، رابطہ عالم اسلامی کے تحت کام کرنے والی فقہ اکیڈمی سعودیہ افتاء کمیٹی وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ جدہ میقاتِ مکانی نہیں ہے، وہاں سے احرام باندھنا افاقی کے لیے درست نہیں اور وہاں کا باشندہ یا جس نے وہاں آکر عمرہ حج کی نیت کی ہے صرف انہیں کے لیے وہاں سے احرام باندھنا درست ہے۔

بخاری شریف، حدیث نمبر: ۱۴۵۴ **کتاب الحج بان مهل الشام** میں ذکر کردہ روایت ہیں، اس کے راوی ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں، چار میقاتوں کا ذکر ہے۔

جب میقات طے ہیں متعین، موقت اور مفروض ہیں کسی اور جگہ سے کیسے احرام باندھا جاسکتا ہے، سارے میقاتوں اور مکہ میں جتنا فاصلہ ہے جدہ اور مکہ میں اتنا فاصلہ نہیں ہے محاذی میقات بھی جب کہا جائے گا جب کہ افاقی کی اپنی میقات اور مکہ میں جتنا فاصلہ ہے اتنا فاصلہ اُس محاذی میقات اور مکہ میں ہونا چاہیے۔

علامہ ابن حجر مکی، علامہ ابن زیاد یمنی، اکابر علماء دیوبند وغیرہ کی رائے یہ ہیکہ محاذات میقات بھی میقات کے حکم میں ہے، اس بارے میں وہ خاص طور پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ سے استدلال کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوفہ، بصرہ عراق، شام تو عراق والوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف کل چار میقات متعین فرمائے میں ہم عراق سے آنے والے ایک دائیں طرف میقات پڑتا ہے ذوالحلیفہ اور ایک طرف میقات پڑتا ہے قرن المنازل ان دونوں میقاتوں میں جا کر احرام باندھنا ہمارے لیے دشوار گزار رہا ہے، کہ ہم دائیں طرف کی میقات ذوالحلیفہ پہنچ کر احرام باندھیں پھر مدینہ والوں کی طرح وہاں سے مکہ روانہ ہوں یا بائیں طرف والی میقات قرن المنازل پہنچ کر احرام باندھیں پھر وہاں سے مکہ کے سے چلیں، یہ دونوں ہی

ہمارے لیے مشکل ہے، ہمارے سفر کی مسافت بڑھ جاتی ہے تو حضرت عمر ﷜ نے فرمایا: **فانظروا حذوها في طريقكم فحد لهم ذات عرق (۱)**

تم اپنے راستہ کے سامنے یہ دو راستہ کے سامنے یہ دو میقات کے درمیان کے محاذ کو دیکھو جو جگہ دو میقاتوں کے درمیان کے محاذات میں پڑے گی وہی تمہارے لیے شرعی میقات بنے گا، چنانچہ ذات عرق میقات بن گیا، اس بنیاد پر جدہ بھی رابغ اور یلملم کے درمیان کے محاذی بھی میقات ہوں گے۔

لہٰذا ساحلی علاقے سے بحری جہاز کے ذریعہ پہونچے والے مغربی ممالک سے بذریعہ ہوئی جہاز سے آنے والے عازمین مذکورہ علماء کرام کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔(۲)

ابن باز ابن عثیمین اور بعض حنابلہ وبعض شوافع کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جو شخص سمندری یا خشکی کے راستہ سے جدہ آ رہا ہے اور وہ اُس سے پہلے کسی میقات یا محاذی میقات سے نہ گزرتا ہو تو اُسے جدہ سے احرام باندھا جائز ہے جیسے سوڈان کے ساحلی شہر "سواکن" سے آنے والے۔(۳)

احناف کے مطابق جدّہ سے گزرنے والے آفاقی حجاج کرام کے لیے اس طرح تفصیل ہوگی:

> "جو شخص آفاق سے ایسے راستہ سے جدہ پہنچے کہ اس کا گزر کسی عین میقات سے نہ ہو مثلاً مصر اور سوڈان سے بحری راستہ سے آنے والے لوگ، یا افریقہ اور مغرب وغیرہ سے ہوائی راستہ سے آنے والے حجاج تو ان کے لیے جدہ اکثر علماء کے نزدیک میقات کے حکم میں ہے، لہٰذا وہ

---

(۱) صحيح البخاري، باب ذات عرق لأهل العراق، حدیث نمبر: ۱۵۳۱

(۲) انوار مناسک: ۲۴۶

(۳) النوازل في الحج: ۱۳۵

جدہ آ کر احرام باندھ سکتے ہیں، پہلے سے احرام باندھنا ان پر لازم نہیں ہے، لیکن جو حضرات مذکورہ پانچ متعینہ مواقیت میں کسی عین میقات سے گذر کر آئیں مثلاً مدینہ منورہ سے طریق الہجرہ سے مکہ معظّمہ جانے والا شخص یقیناً "ذو الحلیفہ" سے گزرے گا جو متعین میقات ہے اب اگر وہ ذوالحلیفہ سے احرام نہ باندھے بلکہ جدہ آ کر احرام باندھے تو اس کے لیے جدہ میقات نہیں ہے، کیونکہ فقہاء کا اصول ہے کہ "عین میقات سے گذرنے والے کے لیے بعد میں محاذات سے گزرنے کا کوئی اعتبار نہیں" اور جدہ عین میقات نہیں بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے میقات کے حکم میں ہے، اس لیے مدینہ سے خشکی کے راستہ سے آنے والے شخص کے لیے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا، لہٰذا اگر وہ جدہ سے احرام باندھے گا تو مذکورہ اصل کے مطابق اس پر دمِ جنایات واجب ہونا چاہیے، البتہ مدینہ منورہ بذریعہ ہوائی جہاز جدہ آنے والے شخص کا گزر عین میقات "ذوالحلیفہ" سے نہیں ہوتا بلکہ وہ "ذوالحلیفہ" کی محاذات سے گزر کر جدہ پہنچتا ہے، لہٰذا ایسی صورت میں اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ پہلی محاذات سے قبل احرام باندھ لیا جائے لیکن دوسری محاذات تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے، لہٰذا مدینہ منورہ سے ہوائی سفر کر کے جدہ آ کر احرام باندھنے کی گنجائش ہوگی، ہند و پاک اور دیگر مشرقی علاقوں سے جو ہوائی جہاز جدہ جاتے ہیں ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ "قرن المنازل" کی عین میقات سے گزرتے ہیں لہٰذا مذکورہ اصول کے تحت ہوائی سفر کرنے والے حجاج کے لیے "قرن المنازل" کی میقات سے قبل احرام باندھنا لازم ہے، اور جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے، البتہ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ

جہاز کا گزر عین ''قرن المنازل'' سے نہیں ہوا بلکہ اس کی محاذات سے ہوا ہے تو ایسے لوگوں کے لیے جدہ جا کر بھی احرام باندھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جدہ کلی طور پر میقات نہیں ہے بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے ہی میقات کے حکم میں رکھا گیا ہے''۔(۱)

جدہ حل میں ہے یا آفاق میں؟

۱) فقہاء نے جدہ کو ''حل'' کے اندر شمار فرمایا ہے اور آج تک لوگوں کا عمل بھی اسی پر ہے کہ جدہ کو حل میں داخل سمجھتے ہیں اور جدہ کے لوگ بے تکلف احرام کے بغیر مکہ معظّمہ آتے جاتے ہیں اس لیے جدہ کو اقرب المواقیت یعنی ''قرن المنازل'' کے بقدر مسافت (۸۰ رکلومیٹر) پر واقع ہونے کے اعتبار سے حل میں داخل ماننا چاہیے جو آفاق والوں کے لیے بحکم میقات ہے۔(۲)

۲) جدہ چونکہ حل میں ہے اور حل میں رہنے والے کا میقات خود حل ہے لہذا جدہ میں رہنے والا شخص مکہ معظّمہ یا حدود حرم میں آکر احرام نہ باندھے اور اگر حدود حرم میں آکر احرام باندھے گا تو دم واجب ہوگا لیکن عرفات جاتے ہوئے حل سے گذرتا ہے اس لیے حل سے تلبیہ پڑھتے ہوئے گزرنے کی وجہ سے دم ساقط ہوجائے گا:

''فعلى من كان حنفيا منهم أن يحرم بالحج قبل أن يدخل الحرم وإلا فعليه دم لمجاوزة الميقات بغير إحرام'' (۳) لكن بعد توجههم إلى عرفات بنبغى سقوطه عنهم بوصولهم إلى أوّل الحمل ملبين'' (۴)

---

(۱) کتاب المسائل: ۳/ ۱۰۳، رفیق حج وعمرہ: ۲۹

(۲) بحوالہ: کتاب المسائل: ۳/ ۱۰۴

(۳) حاشیہ مناسک ملا علی قاری: ۸۳

(۴) غنية الناسك: ۵۷

جدہ جانے کے لیے احرام باندھنا

۱) گرکوئی آفاقی کسی کام سے جدہ جانا چاہتا ہے تو احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہے:

"أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجده حل له مجاوزته بلا إحرام" (۱)

۲) اور اگر اپنے کسی کام سے جدہ جا کر وہاں سے عمرہ کا ارادہ ہو تو بھی اپنے مقام سے احرام باندھ کر جانا واجب نہیں ہے، البتہ اگر اپنے مقام سے ہی عمرہ کا ارادہ ہو تو احرام باندھ کر جانا واجب ہے:

"ومن جاوز وقته يقصد مكانا في الحل ثم بدا له أن يدخل مكة فله أن يدخلها بلا إحرام" (۲)

۳) بعض حجاج کرام موسم حج میں مکہ مکرمہ سے اپنے بعض کاموں کے لیے جدہ آتے ہیں، پھر وہیں سے مکہ مکرمہ واپس جاتے ہیں، تو ان پر احرام لازم نہیں ہوگا، اس لیے کہ جدہ میقات ہے اور محض میقات میں داخل ہونے سے دوبارہ احرام لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ میقات سے تجاوز نہیں پایا گیا، ہاں! جب جدہ سے دوسری طرف نکل جائے تو میقات سے تجاوز ہونے کی بناء پر دوبارہ احرام لازم ہوگا۔ (۳)

کاروباری حضرات کا بغیر احرام کے میقات سے گزرنا

کاروباری لوگ جنہیں بار بار مکہ مکرمہ میں تجارت کی غرض سے جاتے رہنا پڑتا ہے، اسی طرح ٹیکسی ڈریوروں کو بار بار آنا پڑتا ہے، یا کسی کمپنی کا ملازم کمپنی کے کام سے آتے رہتا ہے انہیں ہر بار احرام باندھنا سخت دشوار ہوتا ہے ایسے لوگوں کے لیے گنجائش

---

(۱) فتاوی شامی: ۳/ ۴۸۲، عنایہ مع الفتح: ۲/ ۴۴۶

(۲) البحر الرائق: ۳/ ۴۹، فتاوی تاتارخانیہ: ۳/ ۵۵۳، غنية الناسك: ۵۷

(۳) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۳/ ۱۸۰

ہے کہ امام شافعیؒ کے مذہب پر عمل کریں اور جب حج یا عمرہ کا ارادہ ہو تبھی احرام باندھ کر آئیں:

"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: لا يدخل مكة أحد بغير إحرام إلا الحطابين والعمالين وأصحاب منافعهما" (۱)

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

۱۔ حدود میقات سے باہر رہنے والے ہوں یا مکہ اور حل میں رہنے والے اگر حدودِ میقات کے باہر سے مکہ کی نیت کرکے میقات سے آگے بڑھیں تو ان پر لازم ہے کہ وہ احرام باندھ کر ہی میقات سے آگے بڑھیں خواہ وہ حج اور عمرہ کی نیت سے جائیں یا کسی اور مقصد سے، موجودہ حالات میں جبکہ تجار، دفاتر میں کام کرنے والے ٹیکسی چلانے والے اور دیگر پیشہ وارانہ کام کرنے والے کبھی ہر روز کبھی ہر دوسرے، تیسرے دن اور بعض لوگوں کو تو ایک دن میں ایک سے زائد دفعہ حرم میں داخل ہونا پڑتا ہے ایسی حالت میں اس طرح کے لوگوں کو ہر بار احرام اور اداء عمرہ کی پابندی بے حد مشقت طلب اور دشوار ہے اس لیے ان حضرات کے لیے بغیر احرام باندھے حدود حرم میں داخلہ کی گنجائش ہوگی۔ (۲)

❀❀❀❀❀

---

(۱) مصنف ابن أبی شیبة، من کره أن یدخل مكة بغير إحرام، حدیث نمبر: ۱۳۵۱۷

(۲) حج وعمرہ موجود حالات کے پس منظر میں ۳۰۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

عمرہ

عمرہ کی فضیلت

حدیث شریف میں ہے کہ تین آدمی اللہ تعالی کے مہمان ہیں ،ایک غازی دوسرا حاجی تیسرا عمرہ کرنے والا" وَفْدُ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ثَلَاثَةٌ الْغَازِي وَالحاجّ وَالمعْتَمِرُ "(۱) ایک اور حدیث میں ہے کہ حاجی اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالی کے مہمان ہیں جب وہ اللہ سے مانگتے ہیں تو اللہ ان کی دعاء قبول کرتا ہے اور اگر گناہوں سے معافی چاہتے ہیں تو انہیں معاف کردیتا ہے۔"الحاجّ وَالْعُمارُ وَفْدُ اللّٰهِ إِنْ دَعَوْهُ أَجَابَهُمْ وَإِنِ اسْتَغْفَرُوهُ غَفَرَ لهمْ "(۲) ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص کعبہ مقدس حاضر ہو اور کوئی بے حیائی کی بات اور گناہ کا کام نہ کرے تو وہ اسطرح واپس ہوگا جیسے اس کی ماں نے اسے جنا ہو یعنی اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا" من أتى هذا البيت فلم يرفث ولم يفسق رفع كما ولدته أمه "(۳) اور رمضان کے عمرہ کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے چنانچہ منقول ہے کہ رمضان میں ایک عمرہ ایک حج کے برابر ہے" عُمْرَةٌ فِي رَمَضَانَ تَعْدِلُ حَجَّةً "(۴)

---

(۱) سنن النسائي، باب الغزاة وفد الله تعالى ،حدیث نمبر:۳۱۲۱۱،حاکم نے اس حدیث کو مستدرک میں اس روایت کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) سنن نسائی ،حدیث نمبر:۲۶۲۵،سنن ابن ماجه ،حدیث نمبر:۲۸۹۲۔

(۳) صحيح مسلم، باب في فضل الحج والعمرة ،حدیث نمبر:۱۳۵۰

(۴) سنن ترمذی، باب ما جاء في عمرة رمضان ،حدیث نمبر:۹۳۹،امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی سند حسن اور غریب ہے۔

مذکورہ احادیث سے اس کی فضیلت بخوبی واضح ہے اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ جس قدر ہو سکے عمرہ کرنے کی کوشش کرے اور یہ اس کا فضل ہے جس کو وہ چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

عمرہ واجب ہے یا سنت؟

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ،حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ ،حضرت حسن بصری ،حضرت عطاء ،امام سفیان ثوری ،اسحاق ابن راہویہ ،امام نخعی ،امام ابوثور ،علامہ کاسانی ،صاحب الجوہرۃ النیرہ ،امام شافعی ،وغیرہ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ عمرہ واجب ہے اور وجوب کے سلسلہ میں حج کے جو شرائط ہیں وہی شرائط عمرہ کے ہیں ،اس لیے زندگی میں کم از کم ایک بار ضرور عمرہ کرلینا چاہیے ،احناف کے نزدیک عمرہ کرنا سنتِ مؤکدہ ہے جو واجب کے حکم میں ہوتا ہے ،واجب ہو یا سنت عمرہ زندگی میں ایک ہی بار سنت ہے ،بقیہ زندگی کے تمام عمرے نفل شمار ہوں گے ،اور جب حج فرض حرج کی وجہ سے مکرر فرض نہیں ہے تو عمرہ کا تکرار بھی حرج کی وجہ سے مکرر مسنون نہیں ہے ،البتہ عمرہ مستقل عبادت ہے تو بار بار نفل عمرے کرنا مستحسن ہے۔ ”والعمرۃ فی العمر مرۃ سنۃ مؤکدۃ علی المذھب“(۱)

رمضان المبارک میں عمرہ کی فضیلت

عمرہ پورے سال میں کبھی بھی کرسکتے ہیں ،البتہ رمضان المبارک میں اعمال کا ثواب ستر گنا زائد ہوجاتا ہے ،اس لیے رمضان میں عمرہ کا ثواب بھی بڑھا دیا جاتا ہے ،حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئیں اور کہنے لگی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ! میرے شوہر ابوسلیم اور ان کے بیٹے مجھے چھوڑ کر حج پر چلے گئے ،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم ! رمضان میں عمرہ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے: "یا أم سلیم! عمرۃ في رمضان تعدل حجۃ"۔(۲)

---

(۱) المناسك لابن أبی عروبہ:۹۰،المجموع للنووی:۷/۷،بدائع الصنائع :۳/۲۲۷، ردالمحتار:۳/۴۷۲

(۲) صحیح ابن حبان، ذکر البیان بأن العمرۃ في رمضان تقدم مقام حجۃ،حدیث نمبر:۳۶۹۹،محقق شعیب ارنؤوط نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے **"عمرة في رمضان كحجة معي"**۔(۱)

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک انصاری عورت سے پوچھا: تمہارے لیے ہمارے ساتھ حج کرنے پر کیا رکاوٹ ہے؟ اس نے جواب دیا: ہمارے پاس صرف دو اونٹ ہیں ایک پر میرا بیٹا اور اس کا والد حج کرنے چلے گئے اور دوسرا ہمارے لیے چھوڑ دیا تا کہ ہم اس سے کھیتی کو سیراب کرنے کا کام لیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جب ماہ رمضان آئے تو اس میں عمرہ کر لینا، کیونکہ رمضان میں عمرہ کرنا حج کے برابر ہے۔(۲)

اور مسلم کی روایت میں ہے کہ: میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔(۳)

مذکورہ فضیلت کس کے لیے ہے؟ اس میں اہل علم کے تین اقوال ہیں:

اول: یہ حدیث اسی عورت کے ساتھ خاص ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب تھے، یہ موقف سعید بن جبیر رحمہ اللہ تابعی کا ہے۔(۴) اس موقف کے لیے ام معقل رضی اللہ عنہا کی حدیث سے بھی دلیل لی جا سکتی ہے وہ کہتی ہیں: حج حج ہے اور عمرہ عمرہ ہے، یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے ارشاد فرمائی تھی، اب مجھے معلوم نہیں یہ میرے لیے خاص تھا یا کہ تمام لوگوں کے لیے عام ہے۔

یہ حدیث ابوداود نے روایت کی ہے، لیکن یہ اضافی الفاظ ضعیف ہیں۔(۵)

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني، ومما أسند أنس بن مالك، حدیث نمبر ۷۲۲، علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں: اس کو طبرانی نے کبیر میں روایت کیا ہے، اسمیں ہلال بن موسی ضعیف ہیں۔

(۲) بخاری شریف: باب عمرة فی رمضان: ۶۳۱/۲ حدیث نمبر ۱۶۹۰

(۳) مسلم شریف، حدیث نمبر: ۱۲۵۶

(۴) فتح الباری: ۶۰۵/۳

(۵) ابوداؤد، حدیث نمبر: ۱۹۸۹

دوم: یہ فضیلت اسے حاصل ہوگی جس نے حج کی نیت کی لیکن حج ادا کرنے سے عاجز ہوگیا، پھر اس کے عوض رمضان میں عمرہ کیا، چنانچہ حج کی نیت اور عمرے کی ادائیگی دونوں کاموں کے ملنے سے اسے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج تام کرنے کا اجر حاصل ہوگیا۔

ابن رجب ''لطائف المعارف'' میں کہتے ہیں:

''واضح رہے کہ جو شخص نیکی کا کام نہ کرسکے، اس پر اسے حسرت بھی ہو اور اسے کرنے کی تمنا بھی کرے تو وہ نیکی کا کام کرنے والے کے ساتھ اجر میں شریک ہوگا... پھر انہوں نے اس کی بہت سی مثالیں ذکر کیں ان میں ایک یہ ہے کہ: ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حج نہ کرسکی، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس آئے تو اس عورت نے آپ سے سوال کیا کہ کون سا عمل اس حج کا متبادل بن سکتا ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: رمضان میں عمرہ کرلو کیونکہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے، دوسری روایت میں ہے ''میرے ساتھ حج کے برابر ہے'': ''**تعدل ثلث القرآن**''(۱)

یہی بات ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں کہی ہے۔(۲)

اس قول کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ''مجموع الفتاوی ۲۶:/ ۲۹۳'' میں ایک احتمال کے طور پر ذکر کیا ہے۔

سوم: یہ قول مذاہب اربعہ کے بعض علماء اور دیگر اہل علم کا ہے کہ اس حدیث میں مذکور فضیلت عام ہے اور ہر اس شخص کو یہ حاصل ہوسکتی ہے جو رمضان کے مہینے میں عمرہ کرے، چنانچہ رمضان میں عمرہ تمام لوگوں کے لیے حج کے برابر ہے، چند

---

(۱) لطائف المعارف:۲۴۹

(۲) تفسیر ابن کثیر:۱/ ۵۳۱

اشخاص یا مخصوص احوال کے ساتھ خاص نہیں ہے۔(۱)

ان اقوال میں سے آخری قول راجح ہے کہ یہ فضیلت ہر اس شخص کے لیے ہے جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے؛ کیونکہ:

(الف) یہ حدیث بہت سے صحابہ سے مروی ہے، چنانچہ امام ترمذی کہتے ہیں:

''یہ حدیث ابن عباس، جابر، ابو ہریرہ، انس اور وہب بن خنبش رضی اللہ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے، اوران میں سے اکثر روایات میں سوال کرنے والی عورت کا قصہ موجود نہیں ہے''

اور ہر زمانے میں صحابہ، تابعین، علما اور صالحین کا اس پر عمل رہا ہے چنانچہ وہ اس اجر کو حاصل کرنے کے لیے رمضان میں عمرہ کرنے کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔

(ب) اور یہ کہنا کہ یہ فضیلت اس شخص کے ساتھ خاص ہے جو کسی رکاوٹ کی وجہ سے حج کرنے سے عاجز آجائے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس کی نیت سچی ہو اور وہ کام کرنے کے لیے پرعزم ہو اور اس نے اسباب بھی اختیار کر رکھے ہوں پھر بھی وہ کسی سبب کے آڑے آنے سے عمل نہ کر سکے تو اللہ تعالی اس کی نیت کی وجہ سے ہی اسے اجر سے نواز دیتے ہیں، آپ اجر کے حصول کے لیے اس فضیلت کو کسی زائد عمل یعنی رمضان میں عمرہ کی ادائیگی کے ساتھ کیسے منسلک کر سکتے ہیں جبکہ اجر کے حصول کے لیے سچی نیت ہی کافی تھی!

(ج) جہاں تک رمضان میں عمرے کا حج کے برابر ہونے کا سوال ہے؟ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

اس بات میں تو کوئی شک نہیں کہ رمضان میں عمرہ کرنا، فریضۂ حج کا متبادل نہیں بن سکتا، یعنی جو رمضان میں عمرہ کر لیتا ہے اس سے فرض حج ساقط نہیں ہوگا جو کہ اللہ تعالی

---

(۱) دیکھیں: ردالمحتار: ۲/ ۴۷۳، مواهب الجليل: ۲۹، المجموع: ۷/ ۱۳۸، المغنی: ۹۱، الموسوعة الفقهيه: ۲/ ۱۴۴

کا حق ہے، اور حدیث میں رمضان کے اندر کیے گئے عمرے کو حج کے ساتھ اجر وثواب میں مشابہت دی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ فرض کا متبادل ہے، بلکہ رمضان میں عمرہ اور حج کے ثواب میں برابری اور مساوات کا مطلب اجر کی مقدار ہے نہ کہ اجر کی جنس اور قسم، اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حج جنس عمل کے اعتبار سے عمرہ سے افضل ہے، لہٰذا جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے اسے حج کے اجر کی مقدار کے برابر اجر تو حاصل ہو جائے گا لیکن عمل حج کی کچھ ایسی خوبیاں، فضائل اور امتیازی چیزیں ہیں جو عمرہ میں نہیں ہیں، جیسا کہ حج میں عرفہ کی دعا، جمرات کو کنکریاں مارنا، اور جانور قربان کرنا وغیرہ اعمال ہیں، پس حج اور رمضان میں ادا کیا ہوا عمرہ دونوں ثواب کی مقدار میں تو برابر ہیں لیکن نوع اور کیفیت میں برابر نہیں ہیں۔

یہی توجیہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس حدیث کی بیان کی ہے جس میں ہے کہ ایک مرتبہ سورہ اخلاص کی تلاوت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔

اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں: یہ حدیث رمضان میں عمرہ کے حج کے برابر والی حدیث ایسے ہی ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے **"قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ"** پڑھا تو اس نے ایک تہائی قرآن پڑھ لیا۔(۱)

"مسائل الامام أحمد بن حنبل رواية أبي يعقوب الكوسج" میں ہے کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا: جو کہتا ہے کہ رمضان میں عمرہ حج کے برابر ہے، کیا یہ ثابت ہے؟ انہوں نے کہا: کیوں نہیں! بالکل ثابت ہے۔(۲)

اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ بالکل ثابت ہے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا اور اس کا مطلب یہ کہ اس کے لیے حج کا اجر لکھا جاتا ہے لیکن وہ حاجی کے مقام و مرتبہ کو کبھی نہیں پہنچ سکتا۔

---

(۱) سنن الترمذي، باب ما جاء في سورة الإخلاص، حدیث نمبر: ۲۸۹۹

(۲) مسائل الإمام أحمد بن حنبل رواية أبي يعقوب الكوسج: ۱/ ۵۵۳

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: یہ تو معلوم ہے کہ آپ کے اس فرمان کا مطلب کہ تیرا رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے مساوی ہے اس وجہ سے ہے کہ وہ آپ کے ساتھ حج کا ارادہ کر چکی تھیں لیکن حج کی ادائیگی میں رکاوٹ پیدا ہوگئی تو آپ نے صحابیہ کو اس چیز کی خبر دی جو حج کے قائم مقام ہو اسی طرح صحابہ میں سے جس کی یہ حالت تھی وہ بھی اس میں شامل ہوگا کوئی بھی عقل مند ایسا نہیں کہتا جیسا کہ بعض جاہلوں کا گمان ہے کہ میقات یا مکہ سے ہم میں سے کسی کا عمرہ کر لینا حج کے برابر ہے کیونکہ یہ بات تو لازما معلوم ہے کہ حجِ تام رمضان میں عمرہ سے افضل ہے اور ہم میں سے اگر کوئی فرض حج کرے تو وہ آپ کے ساتھ حج کے برابر نہیں ہوسکتا تو عمرہ اس کے برابر کیسے ہوسکتا ہے!! حدیث سے زیادہ سے زیادہ یہ معلوم ہو رہا ہے کہ ہم میں سے کسی کا رمضان میں میقات سے کیا ہوا عمرہ حج کے برابر ہے۔(۱)

عمرہ حج کا بدل ہرگز نہیں ہے

اس میں شک نہیں کہ عمرہ کی اپنی جگہ بہت فضیلت ہے لیکن سنت کبھی فرض کا متبادل نہیں ہوسکتا، فجر کی سنت پڑھ لینے سے فجر کی فرض نماز ساقط نہیں ہوجاتی، تین قل پڑھ لینے سے ایک قرآن کا ثواب مل جاتا ہے، لیکن پورا قرآن پڑھنے والا شمار نہیں ہوتا، ظاہر ہے کہ تین قل پڑھنے والا ۱۴ رسجدے نہیں کرتا ہے جبکہ پورا قرآن پڑھنے والا ۱۴ رسجدے کرتا ہے،، اور حدیث میں رمضان کے اندر کیے گئے عمرے کو حج کے ساتھ اجر وثواب میں مشابہت دی گئی ہے، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ رمضان میں عمرہ فرض کا متبادل ہے، بلکہ رمضان میں عمرہ اور حج کے ثواب میں برابری اور مساوات کا مطلب اجر کی مقدار ہے نہ کہ اجر کی جنس اور قسم، اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ حج جنس عمل کے اعتبار سے عمرہ سے افضل ہے، لہٰذا جو رمضان میں عمرہ کرتا ہے اسے حج کے اجر کی مقدار کے برابر اجر تو حاصل ہوجائے گا لیکن عمل حج کی کچھ ایسی

(۱) مجمع الفتاوی:۲۶/ ۲۹۴

خوبیاں، فضائل اور امتیازی چیزیں ہیں جو عمرہ میں نہیں ہیں، جیسا کہ حج میں عرفہ کی دعا، جمرات کو کنکریاں مارنا، اور جانور قربان کرنا وغیرہ اعمال ہیں، پس حج اور رمضان میں ادا کیا ہوا عمرہ دونوں ثواب کی مقدار میں تو برابر ہیں لیکن نوع اور کیفیت میں برابر نہیں ہیں ۔ پس عمرہ کر لینے کے بعد حج سے غفلت برتنا اور عمرہ پر مطمئن ہو جانا نہایت اہم فریضہ سے محرومی ہے، عمرہ خواہ عام دنوں میں کیا گیا یا ماہِ رمضان میں وہ حج کا متبادل کسی صورت میں نہیں ہے، خلاصہ یہ کہ نفل عمل فرض عمل کے قائم مقام نہیں ہے۔

کثرت عمرہ کا حکم

زندگی میں اگر موقع ملے تو بار بار عمرہ کا سفر کرنا بلا کراہت درست ہے، عمرہ کرنا ایک ایسی عبادت ہے جس کی شریعت میں کوئی تحدید نہیں کی گئی ہے، انسان پورے سال میں چند ایام کو چھوڑ کر جتنے چاہے عمرے کر سکتا ہے اور ایسی عبادتیں جن کی شریعت میں تحدید نہیں کی گئی ہے، ان میں کثرت مطلوب ہے، اس لیے ایک سے زائد عمرے کرنا ایک ہی سفر میں جائز ہے، اس کو بدعت کہنا صحیح نہیں ہے، قرآن وحدیث سے اس کے بدعت ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے، جو چیز فی نفسہ جائز ہو اس کو بلا دلیل بدعت یا ناجائز قرار دینا درست نہیں ہے۔

"لأن الأصل في الأشياء الإباحة، ويُستَحَبُ الإكثار من العمرة- ولا بأس بأن يعتمر في السنة مرارًا (۱)

ایک احرام سے دو عمرے کرنے کا حکم

۱) دو عمروں کے دو احرام (نیت وتلبیہ) ایک ساتھ باندھ لینا یا پہلے عمرہ کا طواف مکمل ہونے سے پہلے دوسرے عمرہ کی نیت کر لینا، اس سے دوسرا عمرہ خود بخود چھوٹ جائیگا، بلا نیتِ ترک یہ شخص دوسرے عمرہ کا تارک شمار ہوگا، جس سے اس

(۱) البحر العمیق: ۲۰۶۰/۴، انوار مناسک: ۳۱۸

پر ایک دم اور ایک عمرہ کی قضا لازم ہوگی۔

۲) پہلے عمرہ کے طواف کے بعد سعی سے پہلے دوسرے عمرہ کی نیت کر لینے سے بھی یہی حکم ہے کہ ایک دم اور ایک عمرہ کی قضا لازم آئیگی۔

۳) سعی کے بعد حلق سے پہلے دوسرے عمرہ کی نیت کرلیا تو دوسرے عمرہ کا ترک جائز نہیں ہے بلکہ پہلے عمرے کے حلق سے پہلے دوسرے عمرہ کے ارکان (طواف، سعی) سے فارغ ہوکر دونوں عمروں کا حلق ایک ساتھ کرنا لازم ہے، اور جمع بین العمرتین کی وجہ سے ایک دم لازم ہوگا، اور اگر دوسرے وعمرے کے ارکان ادا کرنے سے پہلے، پہلے عمرہ کا حلق کرلیا تو بھی دوسرے عمرے کے ارکان ادا کرنا واجب ہےاور دوسرے عمرہ کے احرام میں پہلے عمرہ کا حلق کرنے کی وجہ سے ایک دم اور جمع بین العمرتین کی وجہ سے دوسرا دم دینا واجب ہے۔

عمرہ کا وقتِ مباح اور وقتِ مکروہ

۱) عمرہ کا کوئی وقت متعین نہیں ہے زندگی کے جس مرحلہ میں توفیق مل جائے عمرہ کرنا درست ہے، البتہ ایام حج (پانچ دن) ۹/ذی الحجہ تا ۱۳/ذی الحجہ میں عمرہ کا احرام باندھنا مکروہ تحریمی ہے، چونکہ ان ایام میں حج میں مشغول رہنا ضروری ہے، البتہ مالکیہ، شافعیہ، اور حنابلہ کے نزدیک ان تین دنوں میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے۔

"إن وقت العمرة يتسع في جميع السنة...لكن يكره أداؤها في خمسة أيام الخ"(۱)

۲) ایام حج میں عمرہ کا احرام باندھنا اہل مکہ واہل جدہ جن کو حج نہیں کرنا ہے اور حاجی کا اعمال حج سے فارغ ہوکر ۱۰/۱۱/۱۲/ذی الحجہ کو منی میں قیام کرنے کے

(۱) البحر العمیق: ۲۰۲۵/۴

بجائے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ سے فارغ ہوکر منیٰ جانا، سو دونوں کے لیے ان ایام میں عمرہ منع ہے، جنہیں حج نہیں کرنا ہے ان کے لیے سارا سال عمرہ کے لیے پڑا ہے اس لیے ان ایام میں اعمال حج کرنے والوں کی عظمت میں عمرہ نہ کرنا واجب ہے، حاجی کو اعمال حج میں مشغول ہوئے بغیر اعمال عمرہ میں لگنا مکروہ تحریمی ہے "فشملت الکراھة للحاج وغیرہ تعظیما لامر الحج" (۱)

۳) ایام مکروہہ (ایام حج) میں عمرہ کا احرام باندھ لے تو احرام کھول دینا لازم ہے اور احرام کھولنے کی وجہ سے ایک اور بعد میں قضا لازم ہے۔ "فإذا رفضها یلزمه دم للرفض وعمرة مکانها لصحة الشروع" (۲)

۴) اگر ایام مکروہہ میں ہی عمرہ کر لے تو کراہت کے ساتھ عمرہ درست ہو جائیگا البتہ گناہ گار ہونے کے ساتھ ساتھ دم دینا واجب ہوگا۔ "وعلیه دم لارتکاب النهي" (۳)

۵) اگر ایام مکروہہ گذرنے تک احرام کی حالت میں رکا رہا اور بعد میں عمرہ کر لیا تو عمرہ درست ہے اور کوئی دم واجب نہیں ہے۔ "وإن لم یرفض ولم یطف حتی مضی أیام التشریق ثم طاف لها أجزاہ ولا دم علیه" (۴)

۶) ایام مکروہہ سے پہلے باندھے گئے عمرہ کے حرام سے ایام مکروہہ میں عمرہ کرنا مکروہ نہیں ہے، مثلاً قارن یا متمتع کا حج فوت ہونے پر ایام مکروہہ میں عمرہ کر کے احرام سے نکلنا درست ہے۔

"أما إذا أداها بإحرام سابق کما إذا کان قارنا ففاته الحج

---

(۱) غنیة الناسك: ۱۹۷

(۲) البحر العمیق: ۲۰۲۸/۴

(۳) غنیة الناسك: ۱۸۷

(۴) البحر العمیق: ۲۰۲۸/۴

والادی العمرۃ فی ھذہ الأیام لا یکرہ"(۱)

عمرہ کی میقات

عمرہ کی میقات حل ہے لہٰذا مکی وآفاقی کا حل سے احرام باندھنا درست ہے، لیکن اگر کوئی حدودِ حرم سے حل میں آجائے تو حدودِ حرم میں داخل ہونے کے لیے دوبارہ احرام باندھنا ضروری نہیں ہے۔

دوسرے کے لیے عمرہ کرنا

جس طرح عمرہ خود اپنے لیے کرنا عبادت اور ثواب کا کام ہے، اسی طرح دوسرے کو ثواب پہنچانے کے لیے بھی عمرہ کرنا جائز ہے۔

اور اگر کوئی شخص عمرہ پر قادر تھا، مگر اس نے عمرہ کرنے میں کوتاہی کی اور وہ عمرہ ادا نہیں کر سکا، یہاں تک کہ وہ عمرہ ادا کرنے سے قاصر وعاجز ہو گیا، اور آئندہ کے لیے اسے عمرہ کرنے کی قدرت نہ رہی، تو اسے حج بدل کی طرح دوسرے سے اپنا عمرہ کرانا یا عمرہ کی وصیت کرنا بھی جائز ہے، اور اس کے اخراجات بھی حج بدل کی طرح اس کے ذمہ ہیں اور اگر اس نے وصیت نہ کی ہو، تب بھی اس کو ثواب پہنچانے کے لیے اپنے مال سے اس کے لیے عمرہ کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: اگر عمرہ پر جانے والے نے دوسرے کی طرف سے عمرہ کرنے کا وعدہ کر لیا، تو اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس وعدہ کو پورا کرنا چاہیے۔ اور دوسرے کو ثواب پہنچانے کے لیے عمرہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عمرہ کر کے اس کو ثواب پہنچنے کی اللہ سے دعا کرے، یا احرام باندھتے وقت ہی دوسرے کی طرف سے عمرہ کی نیت کر لے۔(۲)

کیا ایک سفر میں زیادہ عمرہ کر سکتے ہیں؟

حجاج کرام حج سے بہت پہلے حرم کی عبادت کا ثواب حاصل کرنے کے لیے

---

(۱) البحر العمیق: ۲۰۲۶/۴

(۲) عمرہ کے فضائل واحکام: ۴۱

آجاتے ہیں اور بعض حج کے بعد بھی قیام کرتے ہیں اس مدتِ قیام جہاں دوسری عبادتیں درست ہیں وہیں متعدد عمرے کرنا بھی درست ہے، ایک عمرہ سے دوسرے عمرہ تک وقفہ کی تحدید کتاب وسنت میں مذکور نہیں ہے۔عمرہ کرنے والا جتنا وقفہ مناسب سمجھے اتنا وقفہ کرلے،لیکن بعض ظاہر پرست اپنی جہالت پر علم کا لبادہ چڑھا کر عام مجامع اور تقریروں میں کثرت عمرہ سے منع کرتے رہتے ہیں اس سلسلے میں احایث ملاحظہ فرمالیں:

۱) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمرہ ان تمام گناہوں کا کفارہ ہے جو موجودہ اور گذشتہ عمرہ کے درمیان سرزد ہوئے ہوں اور حج مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے:

"عَن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: العمرة إلى العمرة كفّارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة"(۱)

یہ حدیث عام ہے مکہ مکرمہ میں مقیم اور مسافر دونوں کو شامل ہے اس حدیث کو دوسفروں میں دوعمروں کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہ قرآنِ مجید میں ہے اور نہ ہی حدیث میں۔

امام شوکانی کی تشریح:

امام شوکانی حدیث:"العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما" کی تشریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حدیث میں وضاحت ہے کہ کثرت عمرہ مستحب ہے برخلاف ان حضرات کے جو ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کو مکروہ قرار دیتے ہیں، اور ان حضرات کے جو ایک مہینہ میں ایک سے زائد عمرہ کو مکروہ کہتے ہیں، مالکیہ کا استدلال یہ ہے کہ: آپ ﷺ نے کبھی ایک سفر میں ایک سے زائد عمرہ نہیں کیا اور آپ کا عمل یا تو واجب ہوگا یا سنت (اور جو اس

---

(۱) صحيح البخاري، باب وجوب العمرة وفضلها، حدیث نمبر:۱۷۷۳

کے خلاف ہے ظاہر ہے وہ عمل سنت کے خلاف ہے) لیکن مالکیہ کی یہ دلیل غیر معتبر ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت سی مرتبہ مستحب عمل صرف امت پر مشقت کے خوف سے ترک فرما دیتے تھے:

"وفی الحدیث دلالة علی استحباب الاستکثار من الاعتمار خلافا لقول من قال: یکره أن یعتمر في السنة أکثر من مرة کالمالکیة ولمن قال: یکره أکثر من مرة فی الشهر من غیرهم واستدل المالکیة بأن النبي ﷺ لم یفعلها إلا من سنة إلی سنة، وأفعاله علی الوجوب، أو الندب، وتعقب بأن المندوب لا ینحصر في أفعاله ﷺ، فقد کان یترك الشيء، وهو یستحب فعله لدفع المشقة عن أمته، وقد ندب إلی العمرة بلفظه، فثبت استحباب من غیر تقیید"(۱)

۲) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: پے در پے حج اور عمرہ کرو۔ بے شک یہ دونوں فقر اور گناہوں کو اس طرح دور کرتے ہیں، جس طرح (آگ کی) بھٹی لوہے اور سونے اور چاندی کی میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔ حج مقبول کا ثواب صرف جنت ہے۔

"وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: تَابِعُوْا بَیْنَ الحجّ وَالْعُمْرَةِ فإنهما یَنْفِیَانِ الْفَقْرَ وَالذُّنُوْبَ کَمَا یَنْفِی الکِیرُ خَبَثَ الحدِیْدِ، وَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ وَلَیْسَ لِلْحَجَّةِ المبرورَةِ ثَوَابٌ دُوْنَ الجنَّةِ"(۲)

(۱) نیل الأوطار: ۴/ ۲۸۳-۲۸۴

(۲) مسند أحمد، مسند عبد الله بن مسعود رضي الله عنه، حدیث نمبر: ۳۶۶۹، محقق شعیب ارنؤط نے اس روایت کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔

یہ حدیث بھی اپنی عمومیت کی وجہ سے ایک سفر میں متعدد عمروں کو شامل ہے۔

۳) عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا: ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! کیا عورتوں پر جہاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں! ان پر وہ جہاد ہے جس میں لڑائی نہیں: حج اور عمرہ۔

"وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْتُ: يَا رَسُوْلَ الله! هل على النِّسَاء جِهَادٌ؟ قَالَ: نَعَمْ عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ لَا قِتَالَ فِيْهِ اَلحجُّ وَالْعُمْرَةُ" (۱)

اس میں عمرہ کو جہاد کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور معلوم ہے کہ ایک سفر میں متعدد غزوات درست ہیں، جیسے ایک سفر میں متعدد غزوات درست ہیں وقفہ خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ۔

۴) حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لگاتار حج اور یکے بعد دیگرے عمرے بری موت اور فقر کی تنگدستی کو دور کرتے ہیں: "حجج تترى وعمر نسقا تقى ميتة السوء وعلية الفقر" (۲) حافظ ابن حجر اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ: باب کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ بکثرت عمرے کرنا مستحب ہے۔ "وفي حديث الباب دلالة استحباب الاستكثار من الاعتمار" (۳)

۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: ہر ماہ دو مرتبہ عمرہ کرو، حضرت انس رضی اللہ عنہ عمرہ کرنے کے بعد اتنا وقفہ کرتے تھے کہ سر کے بال ظاہر ہونے لگیں، جب بال نکل آتے تو عمرہ کے لیے آجاتے۔ (۴)

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب الحج جهاد النساء، مسند أحمد، حدیث نمبر: ۲۹۰۱، مسند الصديقة بنت الصديق، حدیث نمبر: ۲۵۳۲۲، علامہ بوصیری نے البدر المنير: ۶/۹ ۳ میں کہا ہے کہ اس روایت کو ابن ماجہ اور بیہقی نے روایت کیا ہے، اس کی سند صحیح ہے، امام نووی نے شرح المهذب میں اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔

(۲) مصنف عبدالرزاق، باب فضل الحج، حدیث نمبر: ۸۸۱۵

(۳) فتح الباري لابن حجر، باب غسل المذي والوضوء عنه: ۱/۷۹ ۳، دار المعرفة بيروت

(۴) مسند الشافعي، باب ميقات العمرة المكانيو الزماني، حدیث نمبر: ۷۷۸

امام نووی کا فتوی : مذہب شافعی کے ترجمان مشہور محدث حضرت امام نووی فرماتے ہیں: حاجی کے لیے مناسب ہے کہ ارکان حج کے ادا کرنے کے بعد جتنے دن مکہ میں قیام کا موقع ملے اسے غنیمت سمجھے اور کثرت سے عمرہ اور طواف کرتا رہے:

"فينبغي للحاج أن يغتنم بعد قضاء مناسكه مدة مقامه بمكة ويستكثر من الاعتمار ومن الطواف في المسجد الحرام"(۱)

یہی فتوی حضرات صحابہ میں حضرت علی ،عبد اللہ بن عمر،عبداللہ بن عباس ،انس بن مالک،عائشہ رضی اللہ عنہم ،طاؤس،عکرمہ رحمہما اللہ کا ہے۔(۲)

امام مالک کا مسلک : البتہ حضرت حسن بصری ،ابن سیرین ،اورامام مالک رحمہ اللہ نے سال میں دو مرتبہ عمرہ کرنے کو مکروہ کہا ہے:"لا أرى لأحد أن يعتمر في السنة مرارا"(۳) جبکہ جمہور علماء نے اور مالکی علماء میں سے بہت سے علماء نے بلا کراہت تکرار عمرہ کو جائز قرار دیا ہے؛ کیونکہ حدیث ہے کہ ''ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک درمیان کے گناہوں کے لیے کفارہ ہے'' علامہ ابن عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے تو یہاں تک فرمایا ہے کہ جس نے اس تکرار عمرہ کو مکروہ قرار دیا ہے مجھے نہیں معلوم کہ اس کے پاس کتاب وسنت کی کوئی دلیل ہے جو واجب التسلیم ہو:

"وأجاز الجمهور وكثير من المالكية التكرار بلا كراهة للحديث السابق العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما حتى بالغ ابن عبد البر فقال: لا أعلم أحدا لمن كره ذلك حجة من كتاب ولا سنة يجب التسليم"(۴)

---

(۱) الایضاح فی مناسک الحج والعمرة
(۲) حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح:۶۲
(۳) موطامالك، كتاب الحج:۷/۲۵
(۴) اوجز المسالك:۷/۲۵

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چار عمرہ کرنا تحدیدِ شرعی نہیں ہے

۱) یہ بات کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک سفر میں ایک عمرہ کرنا دلیل ہے کہ ایک سے زیادہ درست نہیں ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل ''ایک سفر میں ایک عمرہ کرنا'' اس لیے نہیں تھا کہ ایک سے زیادہ عمرہ درست نہیں ہے ورنہ لازم آئے گا، عمر بھر میں چار عمروں سے زیادہ عمرے کرنا درست نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے بعد چار ہی عمرے کیے ہیں اگر چار سے زائد درست ہوتے تو ضرور مزید عمرے کرتے۔

۲) یہ بھی لازم آئے گا کہ حج کے سفر میں طواف وداع کے علاوہ چھ طواف سے زیادہ اور عمرے کے سفر میں ایک طواف سے زیادہ طواف کرنا درست نہ ہو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج اور عمرہ کے سفروں میں اتنے ہی طواف کیے ہیں اور معلوم ہے کہ دونوں باتیں صحیح نہیں۔ لہٰذا ایک سفر میں متعدد عمرے درست نہ ہونے کا قول بھی صحیح نہیں ہے، پس زندگی میں چار عمروں سے زیادہ عمرے کرنا درست ہے اور ایک سفر میں ایک سے زیادہ عمرے کرنا بھی درست ہے۔

۳) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''استحباب کا ہونا آپ کے کرنے پر منحصر نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو بعض اوقات کسی عمل کو اس لیے چھوڑ دیتے تھے کہ امت مشقت میں نہ پڑ جائے، عمرہ کی تکرار آپ کے ارشادات کے بغیر کسی قید سے ثابت ہے، اسی لیے اس پر سب کا اتفاق ہے کہ تمام ایام میں عمرہ جائز ہے بشرطیکہ وہ حج کے مناسک میں مشغول نہ ہو، البتہ حنفیہ کے نزدیک یوم عرفہ، یوم نحر اور ایام تشریق میں عمرہ مکروہ ہے'' (۱)

الحاصل اس مقدس سرزمین پر اس قسم کے مسائل میں الجھنا یا الجھانا دین کی

---

(۱) فتح الباری: ۳/۷۷۹، حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اور اس کی اصلاح: ۶۸

خدمت نہیں بلکہ دین سے بیزارگی اور باہمی کشیدگی پیدا کرنا ہے جس سے اجتناب کلی ضروری ہے۔

نفل حج وعمرہ افضل ہے یا صدقہ؟

اگرایک شخص فرض حج ادا کر چکا ہو تو اب اس کے حق میں نفل حج یا عمرہ کرنا بہتر ہے یا کسی ضرورت مند پراس رقم کا صدقہ کر دینا، یا کسی اور ایسے شخص کو اپنی طرف سے حج یا عمرہ پر بھیجنا جس نے ابھی تک حج نہیں کیا ہے؟

اس سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی شخص کی بار بار حج وعمرہ کی استطاعت نہیں ہے اور اتفاق سے اس کی سہولت میسر آگئی ہے تو حج یا عمرہ کر لینا بہتر ہے، بشرطیکہ شریعت نے جو حقوق اس سے متعلق کیے ہیں وہ متاثر نہ ہوں، اگر اس کے اندر بار بار حج وعمرہ کی استطاعت ہو اور کسی ضرورت مند کی ضرورت سامنے ہو تو صدقہ کے ذریعہ اس ضرورت کو پورا کرنے میں زیادہ اجر وثواب ہے، چنانچہ علامہ برہان الدین بخاری حنفی لکھتے ہیں:

> ''اگر کوئی شخص ایک بار حج کر چکا ہو پھر دوبارہ حج کرنا چاہے تو اس کے لیے دوبارہ حج کرنا افضل ہے یا صدقہ کرنا؟ تو راجح یہ ہے کہ صدقہ کرنا افضل ہے، اس لیے کہ صدقہ کا نفع دوسروں کو پہنچتا ہے جبکہ حج کا نفع اس کی ذات تک محدود رہتا ہے''۔(۱)

فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمہ اللہ نے بھی اس پر فتوی دیا ہے(۲) نیز سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: میں مدینہ کے کسی گھر والوں کو ایک ماہ تک روزانہ ایک یا دو صاع کھانے کی چیز فراہم کروں یہ بات مجھے ایک حج کے بعد دوسرا حج کرنے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔(۳) ایسی صورت میں اس کو صدقہ کا بھی اجر حاصل ہوگا اور چوں کہ

(۱) المحیط البرہانی: ۴۹۹/۳

(۲) فتاوی تاتارخانیہ: ۶۸۶/۹

(۳) مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الحج، باب فی الصدقة والعتق، حدیث نمبر: ۱۳۳۵۱

اصل ارادہ اس کا حج یا عمرہ کا تھا اس لیے ان شاء اللہ نیت کی وجہ سے اس کو حج یا عمرہ کا اجر بھی حاصل ہوگا۔

امام مالک سے پوچھا گیا کہ حج کرنا افضل ہے؟ یا صدقہ کرنا تو امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا کہ حج کرنا افضل ہے (جبکہ حج فرض ہو) لیکن اگر حج فرض نہ ہو بلکہ نفل ہو تب تو نفل حج کرنے سے صدقہ کرنا افضل ہوگا۔

"فقی مواهب الجليل: سئل مالك عن الحج والصدقة أيهما أحب إليك فقال: الحج إلا أن تكون سنة مجاعة"۔

اگر کوئی ایسا ضرورت مند شخص سامنے نہ ہو لیکن ایک شخص جس نے حج یا عمرہ نہ کیا ہے اور زیارت حرمین شریفین کا آرزومند ہو تو خود نفل حج کرنے کے بجائے اس کو اپنا نائب بنا کر بھیج دینے میں زیادہ ثواب ہے، اس میں اس کو حج کا ثواب بھی حاصل ہوگا اور ایک مسلمان کی آرزو پوری کرنے اور اس کی دلداری کرنے کا اجر بھی۔(۱)

علامہ حطابی رحمہ اللہ کی عبارتوں کا خلاصہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو نفل حج کرنا ہی افضل ہے لیکن اگر خود اپنے ذمہ میں مالی حقوق ہوں (جیسے قرض، بہنوں کی میراث، پارٹنرس کا مال، سالہا سال کی زکوۃ) یا رشتہ داروں میں سخت حاجت مند لوگ موجود ہوں یا علاقے میں قحط سالی بھوک مری ہو تو افضل یہ ہی ہے کہ صدقہ کیا جائے اس میں بھی شاید اگر اہل علم کا استثناء ہوسکتا ہے، کیونکہ ان کا فضل حج کے لیے بھی جانا عوام الناس کے حج کی درستگی کا ذریعہ ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی کہتے ہیں:

"شرعی طریقہ پر حج کرنا اس صدقہ سے افضل ہے جو واجب نہیں، لیکن اگر اس کے اقرباء ورشتہ دار محتاج ہوں تو ان پر صدقہ کرنا افضل ہوگا، اور اسی طرح اگر کوئی قوم اس کے نفقہ کے محتاج ہوں، لیکن اگر دونوں

(۱) رفیق حج وعمرہ: ۱۹-۲۱

ہی نفلی ہوں تو اس حالت میں نفلی حج افضل ہوگا کیونکہ یہ بدنی اور مالی عبادت ہے''۔(۱)

قال شیخ الإسلام ابن تیمیه رحمه الله: والحج علی الوجه المشروع أفضل من الصدقة التی لیست واجبة۔ وأما إن کان له أقارب محاویج فالصدقة علیهم أفضل، وکذلك إن کان هناك قوم مضطرون إلی نفقته، فأما إذا کان کلاهما تطوعاً فالحج أفضل لأنه عبادة بدنیة مالیة"

شیخ ابن باز رحمہ اللہ سے مندرجہ ذیل سوال پوچھا گیا:

کیا مسجد بنانے کے لیے چندہ دینا افضل ہے یا اپنے والدین کی جانب سے حج کی ادائیگی کرنا؟ شیخ رحمہ اللہ تعالی کا جواب تھا:

جب مسجد کی تعمیر انتہائی ضروری ہو تو نفلی حج کے اخراجات اس مسجد کی تعمیر پر خرچ کرنا افضل اور بہتر ہیں کیونکہ اس کا فائدہ زیادہ اور ہمیشگی والا ہے اور اس میں نماز کی ادائیگی میں مسلمانوں کا تعاون بھی ہے، لیکن اگر مسجد کی تعمیر میں وہ خرچہ یعنی نفلی حج کے اخراجات صرف کرنا انتہائی ضروری نہ ہوں وہ اس طرح کہ حج والے کے علاوہ کوئی اور بھی اس تعمیر کے اخراجات برداشت کرنے والا ہو اور وہ خود یا کوئی ثقہ آدمی اس کے والدین کی جانب سے حج بھی نفلی کرنا چاہتا ہو تو ان شاء اللہ افضل اور بہتر یہی ہے کہ حج کرے۔(۲)

علامہ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نفل حج کرنے سے بہتر ہے کہ کسی کو اپنا فرض حج ادا کرنے کا موقعہ دیا جائے اس طرح بھی اس کو حج کرنے کا ثواب مل جائے گا۔

---

(۱) الاختیارات:۲۰۶

(۲) مجموع فتاوی الشیخ ابن باز رحمه الله:۱۶۔۳۶۸

وقد أفتى العلامة العثيمين أن تمكين الغير من حج الفريضة أولى من أن يحج الإنسان حجة التطوع.

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا واقعہ

عبداللہ ابن مبارک رحمہ اللہ ایک دفعہ حج کے لیے نکلے تو راستہ میں ایک پرندہ مرگیا، آپ نے اسے کوڑے دان میں ڈال دینے کا حکم دیا، اس کے بعد ساتھی آگے نکلے، ابن مبارک وہیں ٹھہرے ہوئے رہے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ کوڑے دان پر ایک لڑکی آئی، اوراس مردہ پرندہ کو اٹھا کر اپنے گھر لے گئی، عبداللہ بن مبارک اس کے پیچھے گئے، اس کے احوال دریافت کیے، تولڑکی نے اپنی بدحالی کا تذکرہ کیا اور کہا کہ چند دنوں سے تو ایسی حالت ہوگئی کہ ہمارے لیے مردار حلال بھی ہوگیا ہے، ہمارے والد کے پاس جو کچھ مال تھا، لوگوں نے ظلم کرکے ان سے مال چھین لیا، اورانھیں قتل بھی کردیا، ان حالات کے سننے کے بعد ابن مبارک نے خازن کو بلوایا اوراس سے پوچھا کہ نفقہ وخرچ کتنا ہے؟ خازن نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار، ابن مبارک نے فرمایا: ہمارے مرو تک پہونچنے کے لیے بیس (۲۰) دینار کافی ہیں، یہ رکھ لو، اور بقیہ رقم اس عورت کو دے دو، خازن نے اسی طرح کیا، اس کے بعد ابن مبارک نے فرمایا: اس سال ہمارے لیے حج کرنے سے زیادہ افضل یہ تعاون کرنا ہے۔(۱)

غور کیجیے! ابن مبارک اپنے وقت کے محدث وفقیہ نے حج جیسی عظیم عبادت کے بجائے غریب کی امداد کواہمیت دی، اورمحتاج ومضطر کا تعاون فرمادیا، اورحج کا ارادہ ملتوی فرمادیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ ایسے موقع پر جب کہ ہمارے اردگرد ہمارے پڑوس میں محتاجوں کے گروہ رہتے ہوں، توہمیں نفلی حج کے لیے کوشش کرنے کے بجائے ان محتاجوں کی امداد پرتوجہ دینا، ان فقراء کی خبرگیری کرنا، ان کی ضروریات پورا کرنا زیادہ افضل ہے، اس واقعہ میں ان مالداروں کے لیے انتہائی عبرت ہے کہ جو لاکھوں روپے

---

(۱) البدایہ والنہایہ: ۱۰/ ۱۹۱

نفلی حج وعمروں میں لگانے میں مصروف ہیں، اور اپنے محتاج پڑوسیوں کی خبر گیری نہیں کرتے، اپنے غریب رشتہ داروں پر کچھ خرچ نہیں کرتے، پڑوس میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو سودی قرضوں میں مبتلا ہیں، کتنے ہی رشتہ دار اور محتاج ایسے ہیں جو ہسپتالوں کے چکر کاٹ رہے ہیں، کئی مریض تو ایسے ہیں جنہیں دوائی کے لیے رقم دستیاب نہیں ہے، کئی بے بس مریض تو اس حال تک پہنچ گئے ہیں کہ غربت کی وجہ سے امراض کا علاج کرانے سے عاجز ہیں اور موت ہی کے انتظار میں بسرِ مرگ پر پڑے ہوئے ہیں، ویسے میں زائد نفلی حج وعمرہ میں ایک کثیر تعداد میں مال صرف کرنا مزاج شریعت کے خلاف اور خواہش نفس کی تکمیل ہے، اس صورت میں عبداللہ بن مبارک کا طرزِ عمل قابل اتباع ہے۔

حضرت ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی حج کے لیے جا رہے تھے۔ جب ہم کوفہ پہنچے میں ضرورت کا کچھ سامان لینے کے لیے بازار گیا بازار سے تھوڑا آگے ایک ویران سی جگہ پر میں نے ایک خچر مرا ہوا پڑا دیکھا اور ایک عورت اس کے پاس بیٹھی ہے اور وہ عورت چاقو سے اس خچر کا گوشت کاٹ کاٹ کر اپنی زنبیل میں ڈال رہی تھی، میں نے جب یہ سب دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا اور میں نے سوچا اس عورت کو دیکھنا ہوگا کہیں یہ عورت یہ گوشت لوگوں کو پکا کر کھلاتی نہ ہو۔ اصل بات جاننے کے لیے وہ اس عورت کے پیچھے خاموشی سے چلنے لگے آخر وہ چلتے چلتے ایک مکان کے پاس رکی اور اس نے دروازے پر دستک دی دروازہ ایک خستہ حال لڑکی نے کھولا عورت نے زنبیل اس کو دے کر کہا اس کو پکا لو اور خدا کا شکر ادا کرو۔ انہوں نے دروازے کی درز سے جھانکا تو معلوم ہوا کہ وہاں رہنے والے ایک خستہ حال اور غریب لوگ ہیں۔ لڑکی نے وہ گوشت لیا اور اسے کاٹ کر آگ پر بھوننے لگی یہ دیکھ کر حضرت ربیع کو بہت تکلیف ہوئی، انہوں نے باہر سے آواز لگائی، اے اللہ کی بندی! اللہ کے واسطے اس کو نہ کھانا۔ اس نے پوچھا تو کون

ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں ایک پردیسی ہوں۔ اس نے پوچھا تو ہم سے کیا چاہتے ہو؟ سال سے ہمارا کوئی مددگار نہ کوئی والی ہے تو کیا چاہتا ہے؟

آپ نے کہا، مجوسیوں کے ایک فرقے کے سوا مردار کا کھانا کسی مذہب میں جائز نہیں ہے، وہ کہنے لگی، ہم خاندان نبوت کے شریف (سید) ہیں، میری چار بیٹیاں ہیں ان کے باپ کی خواہش تھی کہ وہ ان کا نکاح اپنے جیسے ہی لوگوں میں کردے گا مگر اس کا انتقال ہوگیا۔ ہم جانتے ہیں کہ مردار کھانا جائز نہیں ہے لیکن اضطرار میں جائز ہوتا ہے۔ ہم چار دن کے فاقہ سے ہیں۔ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ یہ سن کر بہت بے چین ہوگئے وہ واپس گئے اور انہوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں نے اپنے حج کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے اور تمام سامان حج کا چادریں اور احرام وغیرہ وہ سب لیا اور نقد چھ سو درم تھے وہ لیے اور ان میں سے سو درم کا آٹا خریدا اور باقی درم آٹے میں چھپا کر اس عورت کے گھر پہنچے اور یہ سب سامان اور آٹا وغیرہ اس کو دے دیا، اس عورت نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا اے ابن سلیمان! اللہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کرے اور تجھے حج کا ثواب عطا کرے اور تجھے جنت میں جگہ عطا کرے۔ اور ایسا بدلہ دے کہ تمہیں بھی ظاہر ہو جائے۔ حضرت ابن ربیع رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حج کا قافلہ روانہ ہوگیا میں ان سے دعا کرانے وہیں رکا رہا حج پر نہ جانے کے دکھ اور صدمہ سے میری آنکھوں میں سے آنسو نکل آئے۔ جب میں قافلہ سے ملا تو میں نے انہیں دعا دی کہ اللہ تمہارا حج قبول کرے اور تمہارے اخراجات کا بدلہ عطا فرمائے، وہ سب یہ سن کر بہت حیران ہوں۔

حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ نے کہا یہ اس آدمی کی دعا ہے جو حاضری کے لیے دروازے سے واپس آ گیا، وہ کہنے لگے کہ کیا تم انکار کرتے ہو کہ تم عرفات کے میدان میں ہمارے ساتھ نہیں تھے۔ تم نے ہمارے ساتھ طواف نہیں کیا؟ حضرت ربیع رحمۃ اللہ علیہ یہ سب سن کر بہت حیران ہوئے کہ میں تو حج کے لیے گیا ہی نہیں مگر ان سب کے کہنے کے مطابق میں وہیں تھا کہ اتنے میں ان کے قافلہ کا ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے

لگا جب ہم باب جبریل سے باہر آرہے تھے لوگوں کی بکثرت موجودگی کی وجہ سے آپ نے یہ تھیلی میرے پاس امانت رکھوائی تھی، جس کی مہر پر لکھا ہوا ہے، جو ہم سے معاملہ کرتا ہے نفع کما تا ہے، یہ کہہ کر اس نے وہ تھیلی ان کو دے دی، آپ نے وہ تھیلی اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی اس کے بعد آپ گھر آئے اور عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد اپنی تسبیحات مکمل کیں اور اسی سوچ بچار میں لیٹ گئے کہ ماجرہ کیا ہے کہ آپ کی آنکھ لگ گئی اور آپ کو خواب میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہوئی آپ نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ، اے ربیع !، آخر ہم کتنے گواہ اس پر قائم کریں کہ تو نے حج کیا ہے؟ تو مانتا ہی نہیں، بات یہ ہے کہ، جب تو نے اس عورت پر، جو میری اولاد تھی، خرچ کیا اور اپنا حج کا ارادہ ملتوی کیا، تو اللہ نے اس کا نعم البدل تجھے عطا فرمایا، اللہ نے ایک فرشتہ تیری صورت بنا کر، اس کو حکم دیا کہ وہ قیامت تک ہر سال تیری طرف سے حج کیا کرے اور دنیا میں تجھے یہ عوض دیا گیا کہ چھ سو درم کے بدلے چھ سو دینار اشرفیاں عطا کیں، ربیع کہتے ہیں کہ جب میں سو کر اٹھا تو میں نے اس تھیلی کو کھول کر دیکھا تو اس میں چھ سو اشرفیاں تھیں۔(۱)

کثرت عمرہ افضل ہے یا کثرت طواف؟

مکہ مکرمہ کے قیام کے زمانہ میں کثرت عمرہ کے مقابلہ میں کثرت طواف بالاتفاق افضل ہے بشرطیکہ طواف میں عمرہ جتنا وقت صرف کرے چونکہ

[۱] طواف مستقل بالذات عبادت ہے کہ اس کے لیے نہ احرام شرط ہے، نہ سعی اور نہ ہی حلق جبکہ عمرہ میں یہ تمام اعمال ضروری ہیں۔

"اکثار الطواف أفضل من اکثار الاعتمار لکونه مقصودا بالذات"(۲)"والطواف افضل من العمرة اذا شغل به مقدار

---

(۱) فضائل حج، مولانا زکریا علیہ الرحمہ

(۲) غنية الناسك:۲۰۰

زمن العمرة وتمامه فی المنحة وردالمختار وقدقيل سبع أسابيع من الاطوفة كعمرة"(۱)

[۲] طواف ہر سال، ہر مہینہ، ہر وقت جائز ہے جبکہ عمرہ ایام حج میں منع ہے۔
"ولمشروعيته فی جميع الحالات"(۲)

[۳] بعض علماء نے ایک سال میں ایک سے زائد عمرہ کو مکروہ قرار دیا ہے اگر چہ یہ قول مرجوح ہے مگر اختلافِ فقہاء موجود ہے۔"ولكراهة بعض العلماء اكثارها في سنة"(۳)

[۴] کثرت عمرہ بالذات مقصود نہیں ہے، اگر کثرت عمرہ بالذات مقصود ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی نہ کبھی اپنے سفر میں دو، تین عمرہ کر لیتے ،لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سفر میں ایک عمرہ فرمایا ہے۔

اشہر حج میں کثرت عمرہ

۱) مکی وغیر مکی ،حاجی وغیر حاجی کا اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت درست ہے، ممانعت صرف ایام حج میں عمرہ کرنے کی ہے۔
"لان العمرة جائزة فی جميع السنة بلا كراهة الافی خمسة ايام لا فرق فی ذلک بين المكی والافاقی"(۴)

۲) حج تمتع کرنے والے کا اشہر حج میں بار بار عمرہ کرنا بلا کراہت درست ہے، بار بار کے عمرہ سے تمتع باطل نہیں ہوگا بلکہ آخری عمرہ کے ذریعہ حج تمتع درست ہو جائے گا۔
"ويعتمر قبل الحج ماشاء"(۵)

---

(۱) غنية الناسك:۷۴
(۲) غنية الناسك:۲۰۰
(۳) غنية الناسك:۲۰۰
(۴) غنية الناسك:۱۱۵
(۵) غنية الناسك:۲۱۵

اشہر حج میں عمرہ کرنے سے حج کی فرضیت؟

اشہر حج یعنی حج والے مہینے جن میں حجاج کرام سفر حج کے لیے روانہ ہوتے ہیں اور حج کی تیاری میں لگے رہتے ہیں اور شریعت نے شوال ذیقعدہ ذی الحج کو اشہر حج قرار دیا ہے۔

ان مہینوں اور ایام میں اگر کوئی شخص عمرہ کر لیتا ہے (پہلے سے وہاں مقیم رہنے کے باعث یا انہی دنوں میں عمرہ میسر ہونے کے باعث جیسے بھی ہو) تو ان اشہر حرم میں عمرہ کر لینے سے حج فرض نہیں ہوتا۔

اس میں کسی عالم کا اختلاف بھی نہیں ہے، چاہے اسی سال اس کی حج کی نیت بھی ہو یا نہ ہو۔

تجوز العمرة في أشهر الحج من غير خلاف بين العلماء، لا فرق في ذلك بين أن ينوى الحج فى عامة أو لا ينوى ذلك.

خود اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ چار عمرہ ادا کیے چاروں کے چاروں اشہر حج میں ادا کیے۔ تین ذیقعدہ میں اور ایک حج کے ساتھ ذی الحج کے مہینہ میں (لیکن جس کا احرام بھی وہ ذیقعدہ میں شروع ہو چکا تھا)۔

عن أنس رضي الله عنه ان رسول صلى الله عليه وسلم اعتمر اربع عمر كلهن فى ذى القعدة الا التى مع حجته۔۔الخ (۱)

اگر شہر حج میں عمرہ کرنا فرضیت حج کا سبب ہوتا تو حضور اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد ضرور حج بھی ادا کرتے۔

شارح مسلم علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء اس حوالہ سے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذیقعدہ میں عمرہ کرنا، اس مہینہ کی فضیلت کی وجہ سے تھا، نیز زمانہ جاہلیت کی اس رسم کی مخالفت میں تھا جس کو کفار ومشرکین ذیقعدہ میں عمرہ کرنے کو بہت بڑا گناہ سمجھتے تھے،

(۱) صحيح البخاري، باب كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم، حدیث نمبر: ۱۲۲۹

تو اس رسم کی مخالفت وابطال کے لیے حضور نے ذیقعدہ میں عمرہ ادا کیا ہے۔

قال العلماء وإنما اعتمر النبی ﷺ هذه العمره في ذي القعده الفضيلة هذا الشهر ولمخالفة الجاهلية في ذلك فإنهم كانوا يرونه من أفجر الفجور ... ففعله ﷺ مرات في هذه الأشهر ليكون أبلغ في بيان جوازه فيها وأبلغ في إبطال ما كانت الجاهلية عليه۔ (۱)

جدید فقہی مسائل میں ہے:

''بعض اوقات لوگ شوال، ذوالقعدہ میں مکہ مکرمہ آجاتے ہیں ان پر فرض ہوتا ہے، لیکن ان کا ویزا زمانہ حج کا نہیں ہوتا ہے اور قانونی اعتبار سے وہ حج تک نہیں رک سکتے، ایسی صورت میں اگر ان پر حج فرض باقی ہو تو تب تو آپ کو پوری پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کس طرح وہ حج کرلی، لیکن اگر قانونی مجبوری کے تحت حج تک اس کا قیام ممکن نہ ہو تو پھر حج اس پر فرض نہیں ہوگا، اس لیے کہ استطاعتِ سبیل جس کو قرآن نے حج فرض ہونے کے لیے شرط قرار دیا ہے، اس کے حق میں مفقود ہے، نیز بعض حضرات کی غلط فہمی کے پیش نظر عرض ہے کہ سمجھ لینا چاہیے کہ جو لوگ حج ادا کر چکے ہیں ان پر حج کے زمانہ میں عمرہ کرنے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں ہوجاتا ہے''۔ (۲)

احسن الفتاویٰ میں ہے:

''اگر شوال وہیں شروع ہوگیا اور اس کے پاس حج کے مصارف بھی ہوں تو حج فرض ہوجائے گا، اگر حکومت کی طرف سے حج تک ٹھہرنے کی

---

(۱) النووی فی شرح

(۲) جدید فقہی مسائل: ۱/ ۲۵۲، نعیمیہ

اجازت نہ ہوتو فرضیت حج میں اختلاف ہے، راجح یہ ہے کہ اس پر حج بدل کرانا فرض ہے مکہ مکرمہ ہی سے حج کرادئے ، بعد میں خود حج کی استطاعت ہوگئی تو دوبارہ کرے''۔(۱)

زبدۃ المناسك میں ہے:

''جب مکہ مکرمہ میں آکر داخل ہوااور کعبۃ اللہ شریف میں آ پہنچا تو اب اس پر فرضیت حج متعین ہوجائے گی بالاتفاق ۔۔۔۔لیکن اس فقیر پر یہ فرضیت حج بالاتفاق تب ہوگی جب اشہر حج میں آکر کعبۃ اللہ شریف میں پہنچا ہواور ایام حج کا خرچہ کھانے کا بھی رکھتا ہواور عرفات پر پیادہ جانے کی قدرت بھی رکھتا ہوالخ''(۲)

الغرض اشہر حج مثلاً: شوال میں عمرہ کرنے کے بعد ایام حج تک رکنے کے مصارف واسباب مہیا ہوجائیں تو حج فرض ہے ورنہ حج فرض نہیں ہے، البتہ اسباب تو مہیا ہیں لیکن حکومت کی طرف سے اجازت نہیں مثلاً ویزا ختم ہوگیا ہے تو بعض فقہاء نے اس صورت میں فرضیتِ حج کا فتوی دیا ہے جبکہ بعض فقہاء نے اس کے خلاف فتوی دیا ہے۔(۳)

حج سے پہلے عمرہ کی ممانعت کی حیثیت

ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج سے پہلے عمرہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔مگر اولاً تو اس حدیث کی سند ضعیف ہے اور دوسرے صحیح احادیث میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حج سے پہلے عمرہ کرنا ثابت ہے اس لیے یہ حدیث صحیح احادیث کے بھی خلاف ہوئی۔

البتہ اگر اس حدیث کا یہ مطلب مراد لیا جائے کہ جس پر حج فرض ہواور اس کو حج کرنے سے کوئی عذر بھی نہ ہو، تو اسے حج کا فرض ترک کرکے عمرہ کرتے رہنا منع ہے، تو

---

(۱) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۱۹،فتاوی دارالعلوم زکریا: ۳/ ۳۶۸

(۲) زبدۃ المناسك: ۲۱،فتاوی عثمانی: ۲/ ۲۰۲،حاشیہ

(۳) ملخص از: کتاب المسائل: ۹/ ۸۴، نیز دیکھیے: عمرہ کے فضائل احکام: ۳۰

اس حد تک اس حدیث کا مفہوم درست ہوسکتا ہے۔(۱)

عمرہ کے سفر سے واپسی پر طوافِ وداع کا حکم

طوافِ وداع یعنی رخصت ہوتے وقت طواف وداع کرنے کا اصل حکم تو حج کرنے والے کے لیے ہے۔ جہاں تک عمرہ کرنے والے کے لیے واپسی کے وقت طواف وداع کا تعلق ہے،تو حنفیہ کے نزدیک عمرہ کرنے والے کو واپسی کے وقت طواف وداع واجب یا سنت نہیں، البتہ بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے۔ اور حنفیہ کے علاوہ بعض دیگر فقہائے کرام کے نزدیک عمرہ سے فارغ ہوکر واپس جانے والے کو طواف وداع واجب یا سنت ہے۔ بہر حال اختلاف سے بچنے کے لیے عمرہ کرنے والے کو واپسی کے وقت ایک طواف کر لینا بہتر ہے،ضروری نہیں۔

تنعیم سے عمرہ کی شرعی حیثیت

آج کل زائرین حرم اور حجاج کرام کے درمیان بعض حضرات یہ غلط فہمی پھیلاتے رہتے ہیں کہ تنعیم سے عمرہ درست نہیں، بدعت ہے، حالانکہ جمہورِ امت کے نزدیک تنعیم (مسجد عائشہ) سے عمرے کرنا جائز ہے، افضلیت میں اختلاف ہے، کہ مکہ کا رہنے والا (چاہے باہر سے وہاں آیا ہو یا مستقل مقیم ہو) عمرہ کا احرام حل میں سے کہاں سے باندھے؟ صرف علامہ ابن قیم جوزی رحمہ اللہ اور امام طاؤس رحمہ اللہ کی رائے تھوپنا وحدتِ امت کو بکھیرنے کی مذموم کوشش ہے،ذیل میں اس موضوع کو ہر طرح مدلل کیا گیا ہے۔ **واللہ ھو الھادی إلی سواء السبیل۔**

ائمہ اربعہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جو شخص مکۃ المکرمہ میں ہو خواہ وہ مکہ سے باہر کا رہنے والا ہو یا خود مکہ کا رہنے والا ہو، اگر عمرہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو حل (حدود حرم اور میقات عمرہ کے درمیانی جگہ) سے احرام باندھنا لازم ہوگا (۲) البتہ مقام جعرانہ سے

---

(۱) عمرہ فضائل واحکام: ۲۸-۲۹

(۲) الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/ ۶۱۸

عمرہ کا احرام باندھنا شوافع اور مالکیہ کے نزدیک افضل ہے اور فقہاء احناف وحنابلہ کے نزدیک تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے(۱) اور مطلقا جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے؛ چنانچہ صحابہ میں حضرت عائشہ، حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت انس بن مالک، ام الدرداء، جابر بن عبد اللہ، ابن عمر، عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اور عکرمہ وغیرہم کا، اور تابعین میں حضرت قاسم بن محمد، سعید بن جبیر، مجاہد، عطاء، طاوٴس وغیرہم رحمہم اللہ کا، اور چاروں اماموں کا بھی یہی مسلک ہے، چنانچہ:

مذاہبِ فقہاء

مسلک حنفی: مکی اورآفاقی کے لیے عمرہ کا میقات حل ہے البتہ تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے:

"میقات العمرة لمن کان بمکة الحل وأفضله التنعیم لوروده" (۲)

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ فقہاء کی ایک جماعت کا تو مسلک یہ ہے کہ مکی کا میقات عمرہ کے لیے صرف تنعیم ہے:

"ذهب قوم إلى أنه لا میقات للعمرة لمن کان بمکة إلا التنعیم" (۳)

مسلک مالکی: فقہ مالکی کی مشہور کتاب المدونۃ الکبری میں ہے کہ مکہ کا میقات عمرہ کے لیے جعرانہ یا تنعیم ہے "میقات العمرة لمن کان بمکة الجعرانة أو التنعیم" (۴) حافظ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ تمام فقہاء کے نزدیک عمرہ کا احرام حل کے علاوہ (حرم) سے باندھنا درست نہیں ہے، مکی اور غیر مکی اس حکم میں برابر ہے البتہ حل میں دور یعنی

---

(۱) الفقہ علی المذاہب الاربعہ: ۱/ ۶۱۸، بحوالہ فتاوی قاسمیہ: ۱۴/ ۲۲۶

(۲) المبسوط: ۴/ ۱۷، الهدایه: ۱/ ۱۲۶، بدائع الصنائع: ۲/ ۱۶۶، البحر الرائق: ۳/ ۴۳

(۳) فتح الباری لابن حجر: ۳/ ۶۰۶، نیل الاوطار للشوکانی: ۵/ ۲۶

(۴) المدونۃ الکبری: ۲/ ۵۰۰

میقات سے احرام باندھنا افضل ہے اور حل میں قریب سے احرام باندھنا جائز ہے، اوراس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے: "وهذا مما لا خلاف فيه" (۱)

مسلک شافعی: مکی کا میقات عمرہ کے لیے حل ہے، اور جعرانہ یا تنعیم سے احرام باندھنا افضل ہے:

"ميقات العمرة لمن كان بمكة الحل، والأفضل أن يحرم من الجعرانة أو التنعيم" (۲)

مسلک حنبلی: حسن بن محمد کہتے ہیں کہ عمرہ کہاں سے کرنا چاہیے؟ تو آپ نے فرمایا: "میقات سے احرام باندھنا افضل ہے جس طرح حضرت ابن عمر، ابن زبیر، عائشہ رضی اللہ عنہم نے کیا اور اگر تنعیم سے احرام باندھے تو یہ افضل عمرہ ہے":

"فإن أحرم من التنعيم فهو عمرة وذاك أفضل" (۳)

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ مکی عمرہ حل سے اور حج مکہ سے کریگا اور اس مسئلہ میں کسی کا اختلاف نہیں ہے: "وإن أراد العمرة فمن الحل لا نعلم في هذا خلافا" (۴) علامہ شنقیطی فرماتے ہیں کہ "مکی کے عمرہ احرام حل سے باندھنے کے جواز پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے اور اس پر کئی لوگوں نے اجماع نقل کیا ہے: "وحكي عليه غير واحد الإجماع" (۵) شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ مکی وغیر مکی عمرہ کا احرام حل سے باندھے اور حل میں قریب تر جگہ تنعیم ہے:

---

(۱) الاستذکار: ۲۵۶/۱۱

(۲) كتاب الأم: ۲/ ۱۳۳، المهذب: ۱/ ۲۰۳، المجموع: ۷/ ۱۷۹-۱۸۰، اعانة الطالبين: ۳۰۳/۲

(۳) شرح العمدة: ۲/ ۳۳۰، المبدع: ۱۰۹/۳، الانصاف للمرداوی: ۵۵/۴، کشف القناع: ۴۰۱/۲

(۴) المغنی: ۱۱۱/۳

(۵) أضواء البيان: ۳۲۸/۵

"وإذا أراد المكي وغيره العمرة أهل من الحل، وأدناه من التنعيم"(۱)

دیگر علماء کی آراء

ابن باز رحمہ اللہ کا فتوی: جب تم مکہ میں ہو تو عمرہ کا احرام باندھنے کے لیے حل میں کسی بھی جگہ مثلاً تنعیم جعرانہ وغیرہ سے باندھنا کافی ہے میقات جانا ضروری نہیں ہے:

"وإذا كنت في مكة كفى الإحرام بالعمرة من الحل كالتنعيم والجعرانة، ولا حاجة إلى الذهاب للميقات، لأن النبي ﷺ أمر عائشة رضي الله عنها أن تحرم بالعمرة من التنعيم، وهو أقرب من الحل إلى مكة"(۲)

حدیث عائشہ سے تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھنے کا استحباب ثابت ہوتا ہے، لیکن اس شخص کے لیے جس کے لیے تنعیم قریب ہو:

"وكونها إحرام من التنعيم لا يوجب ذالك أن يكون هو الميقات الشرعي ويدل على الاستحباب كما قاله بعض أهل العلم، لأن في بعض الروايات من حديثها، أن النبي ﷺ أمر عبد الرحمن يعمرها من التنعيم وذلك -والله أعلم- لكونه أقرب الحل إلى مكة جمعا بين الروايات"(۳)

شیخ عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی: مکی کو احرام کہاں سے باندھنا چاہئے اپنے گھر سے یا تنعیم سے؟ مکی کو حج کا احرام مکہ سے باندھنا ہے اور عمرہ کا احرام حل سے، حل میں خواہ تنعیم سے ہو یا کسی اور جگہ سے:

(۱) شرح العمدة لابن تيميه: ۲/ ۳۲۷

(۲) مجموع فتاوى بن باز: باب اسئلة وأجوبة عن بر الوالدين: ۸/ ۳۳۸

(۳) مجموع فتاوى ابن باز: ۱۷/ ۲۷

"لا يجوز لأحد أن يحرم من مكة لا لأهل مكة ولا غيرهم إلا في الحج فقط، وأما العمرة فلابد أن يخرجوا إلى التنعيم أو إلى غيره من الحل إلى قوله لأن المقصود أن يحرم من الحل سواء من التنعيم أو من غيره" (۱)

نواب صدیق حسن صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''عمرہ کا میقات حل ہے، یعنی حرم سے باہر نکل کر احرام باندھ کر پھر مکہ میں آئے، یہ تین جگہیں ہیں، جعرانہ، تنعیم، حدیبیہ، افضلیت کی بھی یہی ترتیب ہے، مگر فتاوی عالمگیری میں تنعیم کو افضل لکھا ہے (اس کے بعد علامہ ابن تیمیہ وعلامہ ابن القیم کے اقوال نقل کرنے بعد لکھتے ہیں) میرے نزدیک بھی یہ بات ہے کہ جو امر معتمر پر آسان ہو وہ کرے، اس تانتے میں کہیں یہ نہ ہو کہ بالکل عمرہ بجالانے سے محروم رہ جائے، بشرط امنِ راہ وحصول رفقہ تنعیم تک جاوے، کیا ڈر ہے، ورنہ مکہ ہی سے احرام باندھ کر معتمر ہو جائے'' (۲)

نواب صاحب کے کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ ابن القیم وغیرہ کا منشا یہ نہیں کہ مقیم مکہ بانتظار حج بالکل عمرہ ہی نہ کرے، بلکہ ان کا صرف یہ منشا ہے کہ تنعیم کے بجائے مکہ ہی سے احرام باندھ کر عمرہ کرے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا کہ تنعیم سے احرام باندھنے میں کسی امام کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ سب کا جواز پر اجماع ہے، اور ائمہ اربعہ کا کسی امر پر اتفاق کر لینا اس بات کی علامت ہے کہ یہ بات درست اور قرآن وحدیث کی روح سے قریب تر ہے، دلائل ملاحظہ فرمالیں:

---

(۱) مجموع فتاوی ورسائل العثیمن: ۲۱/۳۷۵

(۲) ایضاح الحجۃ: ۴۴

۱) حضرت عائشہ ﷞ فرماتی ہیں کہ ''ہم لوگ حجۃ الوداع میں حضور ﷺ کے ساتھ عمرہ کا احرام باندھ کر چلے، آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس کے ساتھ ہدی کا جانور ہے وہ حج اور عمرہ کی نیت کرلے، اور دونوں عبادتوں سے فراغت کے بعد احرام سے نکلے'' پس جن کے ساتھ ہدی کا جانور نہیں تھا وہ عمرہ کی نیت سے چلے عمرہ کے اعمال سے فارغ ہوکر حلال ہوگئے، اور ایام حج میں حج کا احرام باندھکر مناسک حج اور طواف زیارت سے فارغ ہوگئے، اور ہدی ساتھ لانے والے حج قران کرلیے، میں جب مکہ مکرمہ پہنچی تو حائضہ ہوچکی تھی تو عمرہ کا طواف اور صفامروہ کی سعی نہ کرسکی، میں نے آنحضرت ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: کنگی وغیرہ کرکے احرام سے نکل جاؤ، اور حج کا احرام باندھ لو اور عمرہ ترک کردو، میں تعمیل حکم میں ارکان حج سے فارغ ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے (میرے بھائی) عبدالرحمن بن ابوبکر کے ساتھ تنعیم سے عمرہ کرنے کے لیے بھیجا اور فرمایا: ''یہ جگہ تمہارے عمرہ کی ہے'':

"فلما قضينا الحج أرسلني رسول الله مع عبد الرحمن بن أبي بكر إلى التنعيم فاعتمرت فقال: هذه مكان عمرتك"(۱)

اگر یہ کہا جاوے کہ حضرت عائشہ ﷞ نے تنعیم سے عمرہ عذر کی وجہ سے کیا تھا تو یہ بات صحیح ہے لیکن آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد بھی جب حج کے لیے مکہ آتی تھیں اور حج کے بعد مکہ سے باہر جا کر احرام باندھ کر آتی تھیں چنانچہ حضرت عائشہ ﷞ کی باندی مرجانہ روایت کرتی ہیں کہ حضرت عائشہ ﷞ حج کے بعد ذی الحجہ کے مہینہ میں مکہ مکرمہ سے عمرہ کرتی تھیں؛ لیکن بعد میں ذی الحجہ کے مہینہ میں عمرہ کرنا ترک کردیا (چونکہ امیر المومنین کا حکم تھا کہ حج اور عمرہ کے درمیان فصل رکھو اور فصل اس طرح کہ حج

(۱) صحیح بخاری، کتاب الحیض ـ باب امتشاط المراة عند غسلها من الحيض، حدیث نمبر:۱۵۵۶

کے مہینہ میں عمرہ کا احرام نہ باندھے)اس لیے محرم کا چاند دیکھنے سے پہلے مکہ مکرمہ سے نکلتیں اور جحفہ تشریف لاتیں اور محرم کا چاند طلوع ہونے کے بعد عمرے کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ تشریف لاتیں اور عمرہ مکمل کرتیں، اگر نبی کے عہد مبارک میں عذر تھا تو بعد میں مکہ سے نکل کر عمرہ کرنا توکسی عذر سے تونہیں تھا، پس تنعیم سے عمرے کے جواز کی دلیل خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا عمل ہے :"وكفى بها قدوة" اور اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بعد میں بھی تنعیم سے اس لیے عمرہ کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں کر چکی تھیں اور صحابہ وصحابیات کی عادت تھیں کہ نبی کے عہد مبارک میں جو کیا کرتے تھے اس پر بعد میں بھی پابندی کرتے تھے نبی نے انہیں جس حال میں چھوڑا تھا وہ اسی حال پر باقی رہتے تھے، یہ بات صحیح ہے لیکن سائل کے بزعم تنعیم سے عمرہ تو بلاعذر بدعت ہے اگر تنعیم سے عمرہ بدعت ہے توکیا صحابیات بدعت پر بھی دوام کرتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تنعیم سے عمرہ بدعت ہونے کے باوجود بھی کرتی تھیں؟ ہم سمجھتے ہیں کہ آپ کا تنعیم سے عمرہ کرنا مطلق جواز کی دلیل ہے نہ عذر کی وجہ سے اور نہ یہ بدعت ہے چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تنعیم سے عمرہ کرنا دلیل مشروعیت ہے کہ تنعیم سے عمرہ جائز ہے:"**وبعد أن فعلته عائشة بأمره دل على مشروعيته**" (۱)

۲) حضرت عمر بن عوس فرماتے ہیں کہ مجھے عبدالرحمن بن ابی بکر نے خبر دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں حکم فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرالاؤں "**أن النبي أمره أن يردف عائشة ويعمرها من التنعيم**" (۲)

۳) حضرت ہشام بن عروہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت

---

(۱) فتح الباری: ۶۰۶/۴ ،دار المعرفة، بیروت، ملخص از: نوادر الفقه:۹۵

(۲) صحیح بخاری کتاب الحج باب عمرة التنعیم ،حدیث نمبر: ۱۷۸۳، صحیح مسلم کتاب الحج باب بیان وجوب الاحرام: ۸۸۰/۲، حدیث نمبر: ۱۲۱۲

عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو تنعیم سے عمرہ کا احرام باندھتے اور بیت اللہ کا طواف کرتے دیکھا:

"عن هشام بن عروة عن أبيه أنه رأي عبد الله بن الزبير أحرم بعمرته من التنعيم، قال ثم رأيت يسعى حول البيت الأشواط الثلاثة" (۱)

۴) حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکی کے لیے تنعیم کو میقات قرار دیا ہے:

"بلغنا أن رسول الله وقّت لأهل مكة التنعيم" (۲)

۵) حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکی اور غیر مکی عمرہ کا احرام تنعیم یا جعرانہ سے باندھے البتہ حج کے میقات سے باندھنا افضل ہے:

"من أراد العمرة ممن هو من أهل مكة أو غيرها فليخرج إلى التنعيم أو إلى الجعرانة فليحرم منها، وأفضل ذلك أن يأتي وقتا، أي ميقاتا من مواقيت الحج" (۳)

۶) امام فاکہی رحمہ اللہ حضرت عمرو بن دینار کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت عطاء تنعیم سے عمرہ کرتے تھے، پھر جب وہ بوڑھے وکمزور ہو گئے تو اسے ترک کر دیا۔ (۴)

۷) حضرت سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن (حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پوتے امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کے متعلق "الحجة، الفقيه قاضي المدينة،

---

(۱) موطا مالك، باب الرمل في الطواف، حدیث نمبر: ۱۱۰

(۲) فتح الباری: ۶۰۶/۳

(۳) فتح الباری: ۶۰۶/۳

(۴) اخبار مكة للفاكهي: ۶۰/۵

كان من كبار العلماء" لکھا ہے) کے حوالے سے امام فاکہی نقل فرماتے ہیں آپ نے فرمایا: جولوگ تنعیم سے عمرہ کرنے کو منع کرتے ہیں، واللہ اگر میرا ان پر بس چلتا تو میں انہیں جیل کی سلاخوں کے پیچھے کر کے قید و بند کی سزا دیتا۔(۱)

۸) علی بن عبداللہ البارقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص اپنی بیوی کو لایا اور مسئلہ معلوم کرنے لگا کہ ہم حج کے تمام اعمال کر چکے لیکن طواف زیارت سے قبل ہمبستری ہوگئی، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا آئندہ سال حج کی قضا کرنا ضروری ہے، اس شخص نے کہا ہم عمان کے باشندے ہیں (آئندہ سال آنا دشوار ہے) ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو بھی قضا لازم ہے، وہ شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم فرمایا: "**فأمرهما:أن يأتيا التنعيم فيهلا منه بعمرة**"(۲)

ان تمام دلائل سے معلوم ہوا کہ مکی وآفاقی کے لیے حل عمرہ کا میقات ہے، اور حل میں تنعیم (سے احرام باندھنا) افضل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تنعیم سے عمرہ کرنے کا حکم فرمایا، یہ تمام دلائل اگر طلب حق کی نیت سے پڑھیں جائیں تو اپنے نظریہ پر نظر ثانی کرنے کے لیے کافی وشافی ہیں یا کم از کم کسی پر نکیر نہ کرنے کے لیے کافی ہیں، صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اجازت دینا ہی کسی پر نکیر نہ کرنے اور خاموش رہنے کے لیے کافی ہیں۔

نوٹ: پورے ذخیرہ احادیث میں کوئی ایک حدیث ایسی نہیں ملی جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے حرم مکہ ہی سے عمرہ کا احرام باندھا ہو۔(۳)

---

(۱) اخبار مکۃ للفاکہی: ۵/۵۹

(۲) شرح العمدة لابن تیمیه: ۳/۲۳۸

(۳) فتاوی قاسمیہ: ۱۴/۲۲۷

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے:

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوری زندگی میں ایک مرتبہ بھی مکہ سے باہر جا کر عمرہ کرنا ثابت نہیں ہے، اور نہ ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کسی صحابی سے ثابت ہے، اس لیے مکی کا حرم کے باہر (تنعیم یا جعرانہ) جا کر عمرہ کا احرام باندھنا مشروع نہیں ہے(۱) شیخ عثیمین نے رحمہ اللہ بھی اپنے ایک فتوی میں یہی کہا ہے۔

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی رائے:

آپ نے فرمایا: مجھے نہیں معلوم کہ جو لوگ تنعیم سے عمرہ کرتے ہیں انہیں ثواب ملے گا کہ عذاب ملے گا، لوگوں نے پوچھا کہ عذاب کیوں ہوگا؟ فرمایا کہ بیت اللہ جیسی عظمت والی جگہ اور اسکا طواف چھوڑ کر چار میل آنے اور چار میل جانے میں جس قدر وقت لگتا ہے اس وقت میں دوسو طواف کر سکتے ہیں:

"قال طاؤوس: الذين يعتمرون من التنعيم ما أدري يوجرون عليها أو يعذبون، قيل له: فلم يعذبون؟ قال: لأنه يدع الطواف بالبيت ويخرج إلى أربعة أميال ويجيئ وإلي أن يجيء من أربعة أميال قد طاف مائتي طواف"(۲)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ کی رائے کی حقیقت:

(الف) جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حرم مکہ کے باہر سے عمرہ اگرچہ عملاً ثابت نہیں ہے لیکن قولاً ثابت ہے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمانا کہ پاک ہونے تک انتظار کرنا اور پاک ہونے کے بعد تنعیم جا کر احرام باندھکر عمرہ کر کے فلاں مقام پر ہم سے مل جانا: "انتظری فإذا طهرت فأخرجي

---

(۱) زاد المعاد اردو: ۱/ ۳۹۲

(۲) المغنی: ۳/ ۹۱، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ: ۲۶/ ۲۶۵، سبل السلام للصنعانی: ۲/ ۱۸۷

إلى التنعيم فأهلي ثم ائتينا بمكان كذا"(۱) اور کسی عمل کے مشروع ہونے کے لیے آپ سے قولاً ثابت ہونا کافی ہے۔

(ب) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نفل حج کرنا بھی عملاً ثابت نہیں ہے اور اس سے نفل حج کی مشروعیت ختم نہیں ہوتی یہی حکم تنعیم سے عمرہ کا ہے۔

(ج) تنعیم سے عمرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضرت علی، ابن عباس، جابر، عبداللہ ابن زبیر، انس بن مالک، عکرمہ اور حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہما کے ایام خلافت میں کئی صحابہ سے ثابت ہے جیسا کہ ابن کثیر نے نقل کیا ہے۔(۲)

(د) بالفرض صحابہ سے عملاً ثابت نہ ہونا بھی حدیث قولی کے معارض نہیں ہوگا، حدیث سے ثابت شدہ حلت اپنی جگہ باقی رہے گی۔

(ھ) جب حل میں کسی بھی جگہ سے عمرہ کا احرام باندھنا بالاجماع درست ہے اور تنعیم حل میں سے ہے تو پھر تنعیم سے عمرہ کیوں مشروع نہیں ہے؟

علامہ طاؤس رحمہ اللہ کی رائے کی حقیقت:

عمرہ پر طواف کی افضلیت منصوص امر نہیں ہے اور افضلیت اجتہاد ورای سے ثابت نہیں کی جائیگی:

۱) بلکہ مسلمان کا احرام کی حالت میں آتے جاتے کئی اعمال خیر میں شریک ہونا بہتر ہے ایک عمل میں لگے رہنے سے۔

۲) نفس طواف کو عمرہ پر فضیلت حاصل نہیں ہے بلکہ کثرت طواف کو عمرہ پر فضیلت حاصل ہے کیونکہ نفس طواف تو عمرہ میں بھی ہے جیسے نماز روزے سے بہتر ہے یعنی کثرت نماز روزے سے بہتر ہے ورنہ دو رکعت نماز دن بھر کی عبادت

---

(۱) صحيح بخاري: كتاب العمرة باب اجر العمرة على قدر النصب، حدیث نمبر: ۱۷۸۷، صحيح مسلم: كتاب الحج باب بيان وجوه الإحرام، حدیث نمبر: ۱۲۱۱

(۲) نضرة النعيم في حكم العمرة من التنعيم

روزے سے کیونکر افضل ہوجائیگی اور کثرت طواف جس طرح اسلاف سے ثابت ہے اسی طرح کثرت عمرہ بھی ثابت ہے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے ہی پوچھا گیا کہ ایام تشریق کے بعد عمرہ کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا اگلے سال تک جب چاہے عمرہ کر سکتے ہو:

"عن ليث عن طاؤوس أنه سئل عن العمرة فقال: إذا مضت أيام التشريق فاعتمر متى شئت إلى قابل"(۱)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روزانہ ایک عمرہ کرتے تھے آپ نے اپنی حیات میں ہزار عمرے کئے:

"عن ابن عمر أنه كان يعتمر كل يوم من أيام ابن الزبير وروى عنه أنه اعتمر ألف عمرة"(۲)

۳) جگہ کا تقدس بالذات نہیں ہے مکان سے مکین مقدس نہیں ہوتا ہے بلکہ مکین کو اس کا عمل مقدس بناتا ہے خواہ وہ کسی بھی مکان میں رہے، جیسا کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو لکھا:

"أن الأرض لا تقدس أحدا ولا تطهره من ذنوبه ولا ترفعه إلى أعلى الدرجات ،وإنما يقدس الإنسان عمله الصالح في أى مكان"(۳)

حضرت طاؤس رحمہ اللہ کی دلیل میں غور کریں تو واضح ہوجائے گا کہ آپ کے قول کا منشاء کیا ہے، آپ کا مقصد تنعیم سے عمرہ کے بدعت یا گناہ ہونے کو بتانا نہیں ہے بلکہ

---

(۱) مصنف ابن أبی شیبة، في العمرة من قال: في كل شهر، حدیث نمبر: ۱۲۷۲۴

(۲) مواهب الجليل: ۲/۴۶۷

(۳) صفوة الصفوة لابن جوزی: ۱/۵۴۸، شرح الزرقانی: ۴/۹۳، مجموع فتاوى ابن تیمیة: ۲۷/۴۵، مغنی المحتاج للشربینی: ۴/۳۷۲

طواف چھوڑ کر عمرہ کرنے پر تنبیہ کرنا مقصود ہے جس پر آپ کی بات واضح ہو جائے پھر بھی حجت بازی کرے تو کم علمی یا کم فہمی کی بات ہوگی، چنانچہ آپ کی مکمل عبارت ملاحظہ فرمالیں:

قال شيخ الإسلام ابن تيمية – رحمه الله -: قال أبو طالب: قلت لأحمد قال طاوس: "الذين يعتمرون من التنعيم لا أدري يؤجرون أو يعذبون"، قيل له: لم يعذبون؟ قال: لأنه ترك الطواف بالبيت، ويخرج إلى أربعة أميال، ويخرج، إلى أن يجيء من أربعة أميال قد طاف مائتي طواف، وكلما طاف بالبيت كان أفضل من أن يمشي في غير شيء". فقد أقرَّ أحمد قول طاوس هذا الذي استشهد به أبو طالب لقوله، رواه أبو بكر في الشافي."(۱)

کیا تنعیم سے عمرہ کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے؟

بعض حضرات کا یہ کہنا کہ "تنعیم سے عمرہ کرنا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص ہے دوسروں کے لیے یہ مشروع نہیں ہے" بے اصل ہے، کیونکہ تخصیص احتمال اور اجتہاد سے نہیں بلکہ نص سے ثابت ہوتی ہے اور یہاں تخصیص کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ عدم تخصیص کی دلیل ہے، جس طرح آپ کا ہار گم ہو جانے پر اللہ تعالی نے تیمم کا حکم ونعمت عطا فرما دیا اسی طرح اس سفر میں آپ کو عارضہ امر نسوانی پیش آجانا تنعیم سے عمرہ کی نعمت کا سبب بن گیا، اور نعمت تیمم جس طرح بوقت ضرورت عام ہے اسی طرح یہ نعمت بھی عام ہے، جیسا کہ تیمم کے موقع پر حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"جزاك الله خيرا، فوالله ما نزل بك أمر تكرهينه إلا جعل الله ذلك لك وللمسلمين فيه خيرا"(۲)

---

(۱) مجموع الفتاوی: ۲۶/ ۲۶۵

(۲) صحیح بخاری: كتاب التيمم: ۱/ ۱۲۵، حدیث نمبر: ۳۳۴، صحیح مسلم: كتاب الحيض باب التيمم: ۱/ ۲۷۹، حدیث نمبر: ۳۶۷

سوال: اِس عمرے کے لیے سیدہ عائشہ کو آپ سے کیوں اجازت لینی پڑی ہے، یہ اگر دین میں کوئی پسندیدہ اور مشروع عمل ہوتا تو آپ کو اجازت حاصل کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہ پڑتی۔

جواب: اگر یہ عمل مشروع نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیوں اجازت دیتے، بالفرض تنعیم سے عمرہ اگر پہلے مشروع نہ تھا لیکن آپ کی اجازت کے بعد اب یہ عمل مشروع ہوگیا ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا غیر مشروع عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں آپ کی موجودگی میں کرنا لازم آئے گا جس کا کوئی قائل نہیں۔'' حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مختصر جواب منکرین کے لیے بہت معقول جواب ہے آپ لکھتے ہیں: جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے اس کو کیا ہے تو یہ اس کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

"وبعد إن فعلت عائشة بأمر دل على مشروعيته"(۱)

سوال: سیدہ کی طلبِ اجازت اور اُن کے اصرار کی وجہ اصلاً وہ عمرہ تھا جس کا احرام باندھ کر وہ مدینہ سے روانہ ہوئی تھیں؛ لیکن اپنی نسوانی معذوری کی بنا پر اُسے ادا نہ کرسکی تھیں۔ اُن کے ساتھ یہ معاملہ اگر نہ ہوا ہوتا تو اِس عمرے پر اصرار اور اِس کا قصد وہ قطعاً نہ کرتیں۔ جیسا کہ معلوم ہے کہ حجۃ الوداع کے اُس موقع پر بشمول نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی بھی شخص نے مزید عمرہ کرنے کی کوئی خواہش تک ظاہر نہیں کی۔

جواب: ''سیدہ کا اصرار تھا'' یہ کس حدیث میں لکھا ہوا ہے؟ بالفرض اصرار کے بعد کیا غیر مشروع عمل مشروع ہوجائیگا؟ دیگر صحابہ کے عمرہ کی خواہش ظاہر نہ کرنے سے عمرہ کا غیر مشروع ہونا ثابت ہوتا ہے؟

سوال: واقعہ یہ ہے کہ اُس موقع پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ، جن کے ساتھ وہ تنعیم تک گئی ہیں؛ اور جن کے لیے موقع تھا کہ صورتِ حال سے فائدہ

---

(۱) فتح الباری: ۳/ ۳۹۲

اُٹھاتے ہوئے وہ بھی مزید ایک عمرہ کر لیتے؛ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُنہیں اِس عمرے کی کوئی ترغیب دی، نہ اپنی دینی بصیرت کی بنا پر خود اُنہوں نے اِسے کوئی عملِ مشروع سمجھا۔ چنانچہ سیدہ کی رفاقت کے باوجود اُنہوں نے کوئی عمرہ ادا نہیں کیا۔

جواب: کیا حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ عمرہ کا احرام نہ باندھنے کی کوئی دلیل موجود ہے؟

سوال: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اِس واقعہ سے زیادہ سے زیادہ یہ بات اخذ کی جاسکتی ہے کہ حج کے کسی سفر میں اگر کسی خاتون کو وہی صورتِ حال پیش آجائے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیش آئی تھی تو اُس کے لیے اِس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ حج کے بعد، قصد کیا ہوا اپنا عمرہ ادا کر لے۔

جواب: پھر تو یہ اجازت صرف اس عورت کے لیے ہوگی جو مدینہ سے احرام باندھ کر نکلے چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مدینہ سے احرام باندھ کر نکلی تھیں اور عمرہ کے لیے اس عورت کو تنعیم لے جانے کا حق صرف اس کے بھائی ہی ہوگا چونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ کے بھائی عبدالرحمن رضی اللہ عنہ لے کر گئے تھے۔

دورانِ عمرہ حیض آجائے تو تکمیل عمرہ کی شکل

۱) عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد طواف عمرہ سے قبل حیض آجائے تو پاکی کے ایام کا انتظار کرے اور پاک ہونے کے بعد عمرہ کر لے۔

۲) طوافِ عمرہ کے بعد سعی سے قبل حیض آجائے تو سعی کر لے، سعی کے لیے پاکی شرط نہیں ہے۔

۳) اگر طواف عمرہ سے قبل حیض آجانے کی صورت میں تکمیل عمرہ کرنے کے بجائے حل میں جاکر دوسرے عمرہ کا احرام باندھنا درست نہیں اگر اس طرح کر لے تو واجب ہے کہ دوسرے عمرہ کے ترک کی نیت کر کے پہلے عمرہ کی تکمیل کی نیت

سے عمرہ کے اعمال مکمل کرے، اور اگر یہ نیت کیے بغیر عمل کرے تو بھی پہلے عمرہ کے ہی اعمال شمار ہونے، اس کے بعد دوسرے عمرہ کے اعمال کر لے اور جمع بین العمرتین کی وجہ سے دم دینا واجب ہے، پس اس صورت میں کل دو عمرے اور ایک دم واجب ہے۔

"فإذا حرم بهما معا أو على التعاقب بأن أحرم بأخرى قبل أن يفرغ من السعي للأولى لزمه جميع ذلك ويرفض إحداهما في المعية والثانية في التعاقب"(۱)

حیض روکنے کی دواء استعمال کی جاسکتی ہے؟

موجودہ دور میں سفر حج اپنے اختیار کا نہیں رہا بلکہ قانونی طور پر جس دن کا ٹکٹ بنا ہے اس دن بہر صورت نکل جانا پڑتا ہے، اس انتظامی مجبوری کی وجہ سے اگر کوئی عورت عین دوران طواف ایسے حالات پیش آنے سے پیشگی احتیاط کے طور پر اگر مانع حیض دواء استعمال کر لیتی ہے تو گنجائش ہے بلکہ ڈاکٹر کے مشورہ سے ایسی دوائی استعمال کر لینے میں ایسی دشواری سے بچنے کا بہتر راستہ ہے، لیکن یہ فطری نظام میں تبدیلی کرنا ہے جو نقصاندہ ہوسکتا ہے اس لیے خدائی فیصلہ پر راضی رہنا چاہیے، تاہم [۱] اگر کوئی عورت حیض شروع ہونے سے قبل دوائی استعمال کرلے اور ایام میں خون نہ آئے تو وہ پاک ہی شمار ہوگی [۲] اسی طرح حیض شروع ہونے کے بعد دوائی استعمال کی لیکن ایام عادت میں تین دن سے کم مسلسل یا وقفہ وقفہ سے خون آکر رک گیا اور پندرہ دن تک نہیں آیا تو بھی پاک ہی شمار ہوگی [۳] اسی طرح حیض شروع ہونے کے بعد تین دن سے قبل دوائی استعمال کرے اور خون بند ہوجائے تو بھی پاک شمار ہوگی، اس عورت کا اعمال حج طوافِ زیارت وغیرہ کرنا درست ہے [۴] البتہ دوائی استعمال کرنے کے بعد بھی ایام حیض میں تین دن سے زیادہ مسلسل یا وقفہ وقفہ سے خون جاری رہا تو وہ عورت حسب قاعدہ ناپاک ہی

(۱) غنية المناسك: ۷۳۲

شمار ہوگی اسکا طواف وغیرہ کرنا درست نہیں ہے۔(۱)

مشورہ: جوعورت پہلے حیض روکنے والی دوا کا تجربہ کرچکی ہے وہ ان ایام میں حیض روکنے والی دواء استعمال کرلے تو نقصان دہ نہیں ہے لیکن جوعورت اس سے قبل اس کا تجربہ نہیں کی اگروہ دوائی استعمال نہ کرے تو بہتر ہے، کیونکہ بعض مرتبہ حیض روکنے کے بجائے پہلے سے زیادہ ہوجاتا ہے جس سے دیگر اعمال بھی متاثر ہوجاتے ہیں۔

تنبیہ: اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ تین دن سے کم اور دس دن سے زیادہ، اسی طرح معمول کی عادت سے اتنا زیادہ کہ دس دن سے بڑھ جائے، آنے والا خون استحاضہ کا ہے، اس میں وضو کرکے اچھی طرح کپڑا باندھ کر مسجد حرام میں داخل ہوکر نماز طواف وغیرہ امور ادا کرلیں، بعض عورتیں اس کو بھی دم حیض شمار کرکے نماز ترک کردیتی ہیں جبکہ یہ سراسر غلط ہے۔

❁❁❁❁❁

(۱) حج وعمرہ زیارت نمبر بحوالہ: کتاب المسائل: ۳/ ۳۹۷

طواف

فجر وعصر کے بعد طواف کی دو رکعت کا حکم

طواف کی دو رکعت فجر اور عصر کے بعد پڑھنا امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک درست ہے مکروہ نہیں ہے۔ان حضرات کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ وہ نوافل جن کا سبب وقتی ہوتا ہے وہ نمازیں ان اوقات میں ادا کرنا درست ہے جیسے عصر وفجر کے بعد جنازہ آیا، یا آیات سجدہ تلاوت کرلیا،اسی طرح اس وقت طواف مکمل ہوا تو ان اوقات میں نماز ادا کرنا درست ہے۔

امام ابوحنیفہ،امام مالک اور صاحبین رحمہم اللہ کے نزدیک طواف کی دو رکعت ان اوقات میں مکروہ ہے،ان حضرات کی دلیل کا خلاصہ یہ ہے:

۱) طواف کی دو رکعت اپنی اصل کے اعتبار سے نفل ہیں مگر طواف کی وجہ سے واجب ہیں،طواف کرنا اور کس وقت طواف کرنا یہ بندہ کے اختیار میں ہے لہٰذا اس اعتبار سے یہ دو رکعت نماز وتر کی طرح اللہ کی طرف سے واجب کی ہوئی نہیں ہیں بلکہ بندہ نے طواف کر کے اپنے ذمہ واجب کرلیا ہے جس طرح نفل کی منت مان کر واجب کر لیتا ہے،اور نماز جیسی عبادت بھی بعض اوقات میں شرعاً منع ہے، عین طلوع آفتاب، عین غروبِ آفتاب،اور عین استواءِ آفتاب کے وقت:

"ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن أو أن نقبر فيهن موتانا، حين تطلع الشمس بازغة حتى

ترتفع وحين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس وحين تضيف الشمس للغروب حتى تغرب"(۱)

اوراس کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت میں سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان سے غروب ہوتا ہے، اوراس وقت کفارا سے سجدہ کرتے ہیں:

"فإنها تغرب بين قرني الشيطان وحينئذ يسجد لها الكفار"(۲)

۲) امام طحاوی نے اپنی سند سے نقل کیا ہے کہ: سیدنا عمر ﷺ نے فجر کی نماز کے بعد بیت اللہ کا طواف کیا اور طواف کی دو رکعت ادا کیے بغیر مکہ مکرمہ سے روانہ ہو گئے، جب مقام ذی طوی میں پہنچے تو سورج بلند ہو چکا تھا آپ نے نماز ادا فرمائی۔

۳) حضرت ابوالزبیر مکی فرماتے ہیں کہ میں نے ابن عباس ﷺ کو دیکھا کہ آپ عصر کی نماز کے بعد طواف کرتے ہیں اوراپنے گھر چلے جاتے ہیں، پھر میں نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے اگر وہ اس وقت نماز ادا کرتے تو مقام ابراہیم کے پاس ہی ادا کرتے، مقام ابراہیم پر ادا کرنے کے بجائے گھر میں ادا کرنے کو ترجیح نہ دیتے یہ دلیل ہے کہ آپ اس وقت یہ دو رکعت نہیں پڑھتے تھے۔ اس لیے کوشش کی جائے کہ طواف کی دو رکعت ان اوقات میں نہ کی جائے تاکہ کسی طرح اختلاف سے بچا جاسکے۔(۳) لیکن پڑھنے کی اجازت اور گنجائش تو ہے۔

طواف زیارت وطواف عمرہ میں فرق

عمرہ کا طواف عمرہ میں، اور طواف زیارت حج میں رکن ہے، اس لیے اگر بغیر وضو کے پورا حصہ یا زیادہ حصہ، یا کم حصہ انجام دے، تو دم واجب ہوگا اور دم میں ایک بکرا دینا ہوگا۔

---

(۱) صحيح مسلم، باب الأوقات التي نهى عن الصلاة فيها، حدیث نمبر: ۱۳۸۱

(۲) صحيح مسلم، باب استحباب التكبير بالعصر، حدیث نمبر: ۶۲۲

(۳) مستفاد: حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلو اوراس کی اصلاح: ۵۵

طواف زیارت اور طواف عمرہ میں فرق یہ ہے کہ اگر غسل کی حاجت ہو یا عورت حالت حیض یا نفاس میں ہو، اور اس حالت میں طواف زیارت کیا جائے، بطور دم اونٹنی واجب ہوگی، اور طواف عمرہ کی صورت میں ایسے شخص پر بکرا واجب ہوگا۔(۱)

دوران طواف وضوٹوٹ جائے

اگر دوران طواف کسی شخص کا وضوٹوٹ جائے ،توجہاں وضوٹوٹا وہیں سے وضو کرنے کو چلا جائے ، اور وضو کر کے دوبارہ وہیں سے طواف شروع کر کے سات چکر پورے کرلے، وضوٹوٹ جانے کی وجہ سے اس سے پہلے کیے جانے والے چکر ضائع نہیں ہوں گے، بلکہ ان کو شمار کرتے ہوئے سات چکر پورے کرلے، البتہ اگر کوئی شخص بلا وضو طوافِ زیارت ادا کرلے،تو اس پر دم (ایک بکرا) لازم ہوگا، اور اگر وہ ایام نحر میں یا اس کے بعد طواف کا اعادہ کرلے،تو دم معاف ہوجائے گا۔(۲)

دوران طواف حیض آجائے تو کیا حکم ہے؟

طواف کی حالت میں پاک رہنا واجب ہے اگر طواف کے درمیان کوئی ایسی باتیں آجائے جو غسل کو توڑنے والی ہو تو اسکا طواف فاسد ہوجائیگا، ایسی عورت کو چاہیے کہ مطاف سے باہر نکل جائے اور پاک ہونے کے بعد طواف مکمل کرے یا ازسرنو طواف کرے، یہ اس صورت میں ہے جبکہ پاک ہونے تک مکہ مکرمہ میں رکنا ممکن ہو اور اگر سرکاری کاروائی کی وجہ سے رکنا ممکن نہ ہو تو دیکھا جائے گا کہ طواف کے کتنے چکر کر چکی ہے اگر چار چکر کر چکی ہے اور تین چکر باقی ہیں تو ان تین چکر کے چھوٹ جانے کی وجہ سے ایک بکرے کی قربانی دینا واجب ہوگا ،خواہ وہ طواف زیارت ہو کیونکہ طواف کے اکثر چکر مکمل کر لینے کے بعد بقیہ چکر فرض کی حیثیت سے باقی نہیں رہتے بلکہ بقیہ چکر کی حیثیت واجب کی ہوتی اور واجب چھوٹنے پر دم واجب ہوتا ہے، اور اگر چار چکر سے کم

---

(۱) حوالہ سابق:۹/ ۱۰۸

(۲) اہم مسائل جن ابتلا عام ہے:۹/ ۱۰۹

کی ہے اور قانونی مجبوری کی وجہ سے مکہ میں پاک ہونے تک رکنا ممکن نہ ہو تو شرمگاہ کے آس پاس اچھی طرح کپڑے باندھلے تاکہ خون نکلنے سے مسجد آلودہ نہ ہو اور طواف کرلے جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک ہے، البتہ حالت حیض میں طواف کرنے کی وجہ سے ایک بڑا جانور قربانی دینا واجب ہوگا اور یہ قربانی حدودِ حرم میں دینا واجب ہے، اگر حدود حرم کے باہر ذبح کیا، تو کفارہ ادا نہیں ہوگا۔ ”والثامن ذبحه في الحرم، فلو ذبح في غيره لا يجزئه عن الذبح“ (۱)

البتہ اگر طواف طواف وداع ہو اور درمیان میں حیض آ گیا تو اس کا حکم یہ ہے کہ طواف وداع حائضہ پر واجب نہیں ہے اور درمیان میں شروع ہوا اور ترک کیا تو بھی قضا واجب نہیں ہے۔

بخاری شریف میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: »أمر الناس أن يكون آخر عهدهم بالبيت، إلا أنه خفف عن الحائض (۲)

اور تبیین الحائق میں ہے: ولو حاضت: عندالصدر ترکنه کمن اقام بمکة (۳)

حالت حیض میں طوافِ زیارت کے احکام

۱) اگر عورت طوافِ زیارت بحالت مجبوری مثلاً تاریخ روانگی میں تاخیر ممکن نہ ہو کہ مزید رک کر پاک ہونے کی حالت میں طواف کرسکیں تو اسی حالت میں پیمپر (pamper) باندھ کر طواف کرلے تو یہ طواف معتبر ہوگا اور عورت حلال ہوجائے گی لیکن ناپاکی کی حالت میں طواف کرنے کی وجہ سے ایک اونٹ یا گائے حدود حرم میں قربان کرنا واجب ہوگا، البتہ اگر دم جنایت دینے سے پہلے پاکی کی حالت میں

(۱) غنية الناسك: ۲۶۲

(۲) بخاری: ۱/ ۲۳۶، باب طوائف الوداع

(۳) تبیین الحقائق: ۲/ ۵۱، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳/ ۳۹۸

طوافِ زیارت دوبارہ کر لینے کا موقع مل گیا تو یہ دم ساقط ہو جائے گا۔

"ولو طاف للزيارة جنبا أو حائضا أو نفساء كلها وأكثره ويقع معتدا به في حق التحلل ويصير عاصيا فإن أعاده سقطت عنه البدنة" (۱)

۲) اگر طوافِ زیارت کے اکثر چکر حالت حیض یا حالت جنابت میں کر لے تو بھی یہی حکم ہے جو اوپر مذکور ہے۔

۳) اگر کسی عورت کو موت تک طوافِ زیارت کا موقع نہ ملا تو موت پر ایک اونٹ کی وصیت کرنا لازم ہے۔ (۲)

۴) طواف زیارت (حج کا طواف) کا وقت ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۲ ذی الحجہ کے غروب آفتاب تک ہے، بعض علماء نے ۱۳/ ذی الحجہ تک وقت تحریر کیا ہے، ان ایام میں اگر کسی عورت کو ماہواری آتی رہی تو وہ طواف زیارت نہ کرے بلکہ پاک ہونے کے بعد ہی کرے، اس تاخیر کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں۔ البتہ طواف زیارت کیے بغیر کوئی عورت اپنے وطن واپس نہیں جا سکتی ہے، اگر واپس چلی گئی تو عمر بھر یہ فرض لازم رہے گا اور شوہر کے ساتھ صحبت کرنا اور بوس وکنار حرام رہے گا یہاں تک کہ دوبارہ حاضر ہو کر طواف زیارت کرے، لہٰذا طواف زیارت کیے بغیر کوئی عورت گھر واپس نہ جائے اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو ماہواری آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت کر سکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تا کہ وہ پاک ہو کر طواف زیارت (حج کا طواف) ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جا سکے (عموماً معلم

(۱) غنية الناسك: ۲۷۲، البحر العميق: ۲/ ۱۱۲، فتاوى شامي: ۳/ ۵۸۱

(۲) احسن الفتاوی: ۴/ ۵۳۹، کتاب المسائل: ۳/ ۴۰۷

حضرات ایسے موقع پر تاریخ بڑھا دیتے ہیں)، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہوجائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ضروری ہوجائے تو ایسی صورت میں ناپاکی کی حالت میں وہ طواف زیارت کرسکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعاً معتبر ہوگا اور وہ پورے طور پر حلال ہوجائے گی لیکن اس پر ایک بدنہ (یعنی پورا اونٹ یا پوری گائے) کی قربانی بطورِ دم حدودِ حرم میں لازم ہوگی، یہ دم اسی وقت دینا ضروری نہیں بلکہ زندگی میں جب چاہے دیدے۔

اگر کوئی خاتون اپنی عادت یا آثار وعلامت سے جانتی ہے کہ عنقریب حیض شروع ہونے والا ہے اور حیض آنے میں اتنا وقت ہے کہ وہ مکہ جاکر طواف زیارت (طواف زیارت کے وقت میں) کرسکتی ہے تو فوراً کرلے، تاخیر نہ کرے، اور اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ طواف کرسکے تو پھر پاک ہونے تک انتظار کرے، طواف زیارت، رمی، قربانی اور بال کٹوانے سے پہلے یا بعد میں کسی بھی وقت کیا جاسکتا ہے۔

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

اگر طواف زیارت سے قبل کسی عورت کو حیض یا نفاس آجائے اور اس کے طے شدہ پروگرام کے مطابق اس کی گنجائش نہ ہو کہ وہ حیض ونفاس سے پاک ہوکر طوافِ زیارت کرسکے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر طرح اس کی کوشش کرے کہ اس کے سفر کی تاریخ آگے بڑھ سکے تاکہ وہ پاک ہوکر طواف زیارت ادا کرنے کے بعد اپنے گھر واپس جاسکے، لیکن اگر ایسی ساری ہی کوششیں ناکام ہوجائیں اور پاک ہونے سے پہلے اس کا سفر ناگزیر ہوجائے تو ایسی حالت میں وہ طواف زیارت ادا کرسکتی ہے، یہ طواف زیارت شرعا معتبر ہوگا، اور وہ پورے طور پر حلال ہوجائیگی، لیکن اس پر ایک بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی بطور دم جنایت حدودِ حرم میں لازم ہوگی۔(۱)

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے مذہب کے

(۱) حج وعمرہ موجودہ حالات کے پس منظر میں: ۳۰۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

مطابق عجز کی وجہ سے حالت حیض میں طواف کرلیا تو دم واجب ہوگا، کیونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں اور غسل بھی کرلے تو اچھا ہے۔(۱)

جدید فقہی مباحث میں ہے:

''ایسی عورت کے لیے مجبوری کی وجہ سے ناپاکی کی حالت میں طواف کر لینے کی گنجائش ہے، کیونکہ دوبارہ اس کا وطن واپس آکر طواف کرنا دشوار ہے، اور جب تک طواف نہ کرے وہ اپنے شوہر کے لیے حرام ہے اور فقہاء حنفیہ کے یہاں ناپاکی کی حالت میں طواف کیا جائے تب بھی طواف ہوجاتا ہے''۔(۲)

البتہ دم واجب ہوگا اور دم میں بدنہ واجب ہوگا۔(۳)

حالت استحاضہ میں طواف کے احکام

اگر کسی عورت کو بیماری کا خون آرہا ہے، تو وہ نماز بھی ادا کرے گی اور طواف بھی کرسکتی ہے، اس کی صورت یہ ہے ایک نماز کے وقت میں وضو کرے اور پھر اس وضو سے اس نماز کے وقت میں جتنے چاہے طواف کرے اور جتنی چاہے نمازیں پڑھے۔ دوسری نماز کا وقت داخل ہونے پر دوبارہ وضو کرے۔ اگر طواف مکمل ہونے سے پہلے ہی دوسری نماز کا وقت داخل ہوجائے تو وضو کرکے طواف کو مکمل کرے۔

مجبوری میں طواف وداع ساقط ہے

عورت اگر طوافِ وداع نہ کرسکی کہ واپسی کا وقت آگیا تو اس پر سے طوافِ وداع ساقط ہوجائے گا۔(۴)

---

(۱) فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۳/ ۲۴۳، دار العربیہ بیرات

(۲) تاتارخانیہ: ۲/۵۱۶، ۵۱۷

(۳) جدید فقہی مباحث: ۱۳/ ۵ ۱۳، ادارۃ القران، فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۳/ ۳۹۸

(۴) فتاوی شامی: ۳/ ۴۸۹

چھوٹے ہوئے طواف زیارت یا طواف وداع کے لیے احرام باندھنا

۱) اگر کسی شخص کا طواف زیارت چھوٹ گیا اور وہ میقات سے باہر چلا گیا ہو تو واپس آکر طواف زیارت کرنے کے لیے از سر نو احرام باندھنا درست نہیں ہے، اگر از سر نو احرام باندھے گا تو دم واجب ہوگا کیونکہ یہ شخص پہلے ہی سے احرام میں ہے اس لیے کہ جب تک طوافِ زیارت ادا نہیں ہوتا یہ شخص بیوی کے حق میں احرام کی حالت ہی میں ہے:

"ولو ترك طواف الزيارة كله أو أكثره فهو محرم أبدا في حق النساء حتى يطوف .... فعليه حتما أن يعود بذلك الإحرام ويطوفه" (۱) ولا يجوز إحرام العمرة على أفعال الحج" (۲)

۲) اور اگر کوئی شخص طواف وداع کے بغیر میقات سے باہر چلا گیا ہو تو طواف کی ادائیگی کے لیے از سر نو احرام باندھ کر آنا واجب ہے ورنہ دم واجب ہوگا۔

"ولو ترك كله أو أكثره .... يخير بين أراقه الدم والرجوع بإحرام جديد بعمرة" (۳)

❀❀❀❀❀

---

(۱) غنية الناسك: ۲۷۳

(۲) مناسك ملا علی قاری: ۳۴۵

(۳) غنية الناسك: ۲۷۵

مسعیٰ

جدید مسعیٰ

جیسے علماءِ عجم میں منیٰ میں قصر واتمام کا مسئلہ وغیرہ مسائل کافی بحث ومباحثے کا عنوان بنے ہیں، اور اُس سے ایک علمی ذخیرہ تیار ہوگیا، کئی ایک مسائل منقح ہوگیے اسی طرح جمرات مسعیٰ، جدہ کی میقات حیثیت پر علماءِ عرب میں کافی رسائل، مخصوص کتابیں معرض وجود میں آچکی ہیں، حدیث، فقہ، آثار، تاریخ اور سفر ناموں سے استدلال، جواب، جواب الجواب کا سلسلہ چلتا رہا، مختلف نقط ہائے نظر سامنے آئے، اس تحریر میں کوئی مفصل گفتگوں نہیں کی گئی، ضروری کلام، بقدر ضرورت دلائل، قابل ذکر اقوال غرض اجمالا اور اشارۃ لکھا گیا تفصیل کے لیے ان مراجع ومصادر سے استفادہ کیا جاسکتا ہے جو حواشی وفہرست مصادر یں لکھے گے ہیں۔

۱) مسعیٰ طولاً تو نہ اضافہ کیا جاسکتا ہے نہ ضرورت ہے، بلکہ مزید مشقت میں ڈالنا ہے اگر لمبائی میں صفا اور مروہ سے بھی آگے کردیا جائے۔

۲) علوی مسعیٰ، اوپر منزلوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے صفاء کا وہی حکم ہے جو زمین کا ہے، سعی کے عمل میں صفا مروہ پر چڑھنا سنت مؤکدہ ہے کسی حصے پر چڑھنا واجب نہیں ہے، اصل یہ ھیکہ دو پہاڑوں کے درمیان کی جگہ چکر مکمل کیا جائے چاروں مذاہب کا تقریباً اس پر اتفاق ہے قرآن کریم میں:

إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (۱)

ان دونوں کے درمیان طواف کافی ہے۔

حدیث شریف میں ہے:

طاف النبی ﷺ فی حجة الوداع علیٰ راحلة بالبیت وبالصفا والمروة (۲)

صفامروہ پرسوار جانا مشکل ہے پتا چلا کہ صفا مروہ پر چڑھنا واجب نہیں ہے۔

"فبدأ بالصفا فرقی علیه حتی رأی البیت ... ففعل علی المروة کما فعل علی الصفا" (۳)

دوسری حدیث شریف سے مستحب ہونا پتا چلا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صفا کے نیچے حوض میں کھڑے رہتے لیکن صفا پر چڑھتے نہیں تھے۔(۴) البتہ شوافع کا ایک قول اس قسم کا ہے کہ تھوڑا چڑھنا واجب ہے۔(۵)

صفامروہ پہ تھوڑا چڑھنا بھی مستحب ادا کرنے کے لیے کافی ہے، اوپری منزلوں میں صفا مروہ کے برابر جو گنبد بتائے گئے ہیں اس کے چکر لگانا نہ ضروری ہوگا نہ مستحب، کیا پورے پہاڑ پر چڑھنا سنت ہے؟ ایسا تو حدیث سے معلوم نہیں ہوتا، مسافت کافی بڑھ جاتی ہے۔(۶)

۳) عرضاً، چوڑائی میں مسعیٰ کی توسیع، اصل یہ ہی صورت محل نزاع ہی ہے، عبداللہ بن جبریل، عبداللہ المطلق، عبداللہ الرحمن بن یحی معلمی وغیرہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ مشرقی سمت کی توسیع درست ہے، صفاوہ پہاڑ ہیں پہاڑ فطرۃ زمین کی طرف چوڑا

---

(۱) البقرہ:۱۵۸

(۲) صحیح مسلم، کتاب الحج، باب جواز الطواف علی بعیر وغیرہ، حدیث نمبر:۱۲۷۳

(۳) صحیح مسلم، باب حجة النبي ﷺ، حدیث نمبر:۱۲۱۸

(۴) الأم:۲/۲۱۱

(۵) المجموع:۸/۷۵

(۶) النوازل فی الحج:۳۶۸

ہوجاتا ہے ہمیں توصرف چوٹی دکھائی دیتی ہے اشعار عرب سے پتا چلتا ہے کہ وہ دونوں پہاڑ کافی عریض تھے، شیخ معلمی عرصۂ دراز تک حرم شریف کے قریب رہے ۱۳۷۵ھ شیخ ابن سعدی شیخ محمد بنابراہیم رحمھم اللہ نے علماء نجد وحجاز کے ساتھ پیٹھک کی، کوئی تشویشش نہ ہواس کا اضافہ نہیں کیا گیا صرف موجود پر اکتفاء کیا، جب وہ سب جانتے تھے کہ مسعی موجود سے زیادہ وسیع ہے، پُرانے پوڑھے اور قدیم علماء کرام بھی گواہ ہیں۔

ھیئۂ کبارالعلماء(نمبر ۲۲۷ تاریخ ۲۱/ ۲/ ۱۴۲۷)شعار حج مسعیٰ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، وغیرہ میں اس توسیع مسعیٰ کی وجہ سے تغیروزیادتی کا اندیشہ ہے، کہیں بادشاہ ہوں کے ہاتھوں کا کھلونا نہ بن جائے اژدحام توضرور بڑھے گا مزید منزلیں بنائی جاتی جاسکتی ہیں، ابوالولید ازرقی فرماتے ہیں مسعیٰ کی چوڑائی ساڑھے پینتیس (۳۵) ہاتھ ہے (۱) ابوعبداللہ فاکہی فرماتے ہیں پینتیس ہاتھ بارہ انگل ہے۔(۲) فقہاء کرام میں سے حاشیہ تحفۃ المحتاج میں تقریباً اس مقدار کا ذکر ہے۔(۳) یہ بات تو طے ہے کہ قرآن وحدیث یقیناً کوئی تحدید مذکورہ نہیں ہے، جوتوسیع ہونا چاہیے وہ پچھلے ادوار میں ہوچکی ہے مزید توسیع کی حاصل معلومات کی روشنی میں جائز نہیں ہے مسعی کی جگہ صفاومروہ کے درمیان کی جگہ ہے جدید مسعیٰ میں تو ایک کنارہ بن چکا ہے۔(۴)

حقیقت یہ ہے کہ سعودی حکومت کو چاہیے کہ قدیم جغرافیائی معلومات، گواپانی، تصاویری معلومات تاکہ علماء امت میں کوئی انتشار، نااتفاقی نہ رہ جائے ممکنہ طور رائے میں یکسانیت ہوسکتی ہے اگر سرکاری سطح ہوتعاون کیا جائے۔

---

(۱) اخبار مکہ ۲/ ۱۱۹

(۲) اخبار مکہ، فاکھی ۲/ ۲۴۳

(۳) حاشیہ تحفۃ المحتاج: ۹۸/۴

(۴) مستفاد: ازالنوازل فی الحج: ۳۵۷

مسجد حرام کی توسیع کے بعد مسعیٰ کا حکم

مسجد حرام کی توسیع جب ہونے لگی تو مسعیٰ بھی مسجد میں شامل ہو تو ایک سوال یہ چل پڑا کہ اب اس مسعیٰ کو (جو کہ مسجد حرام میں شامل ہو گیا) مسجد کا حکم ہو گیا (یعنی حائضہ اور جنبی کا داخلہ ممنوع ہو گا) یا مسعیٰ اپنے احکام پر باقی رہے گا!

تو اس حوالہ سے مجمع الفقہ الاسلامی کا متفقہ فیصلہ بھی ہو چکا ہے کہ مسعیٰ مسجد حرام کے ضمن میں آ گیا لیکن مسجد حرام کے حکم میں نہیں ہے بلکہ اپنے سابقہ حکم پر باقی رہے گا یعنی حائضہ اور جنبی وغیرہ کا داخلہ ممنوع نہ ہوگا۔ ويجوز المكث فيه والسعي للحائض والجنب، وإن كان المستحب في السعي الطهارة (۱)

کرسی پر سعی کرنا

طواف اور سعی بدنی عبادت ہیں اور بدنی عبادت میں قدرے مشقت مطلوب ہے جسے برداشت کرنا ہی بندگی ہے، اس لیے صحت مند شخص کا طواف یا سعی بلا عذر کرسی پر کرنا باعث گناہ ہے اور فقہاء نے بلا عذر کرسی (وہیل چیر) پر سعی کو موجب دم (ایک بکرا ذبح کرنا) قرار دیا ہے، اس لیے اگر طواف کے فوراً بعد سعی کرنا دشوار ہو تو سعی میں تاخیر کر لیں اور بعد میں سکون سے سعی کر لیں محض تھکان کی وجہ سے یا سستی کی وجہ سے کرسی کا استعمال موجب دم و باعث گناہ ہے، ہاں اگر پاؤں میں ورم آ گیا ہو، یا ایسی تکلیف جس سے چلنا دشوار ہو گیا ہو، یا ایسی کمزوری جو نا قابل تحمل ہو تو کرسی کی گنجائش ہے۔

”ولو سعى كله أو أكثره راكبا أو محمولا بلا عذر فعليه دم ثم لو أعاده بعد ما حل أو جامع لم يلزمه دم لأن السعي غير مؤقت“ (۲)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۳/ ۴۷۳

(۲) غنية الناسك: ۱۴۸

مِنیٰ

منیٰ کی شب گزاری

ایام رمی کی راتوں میں منیٰ میں قیام کرنا مسنون ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منیٰ ہی میں رات ی ہے، بلا عذر منیٰ کی شب گزاری ترک کرنا مکروہ ہے، البتہ کوئی دم لازم نہیں آئے گا، آج کل منیٰ کے خیمے مزدلفہ کی حدود میں بھی لگادئے گئے ہیں، اس قانونی مجبوری کی وجہ سے جو حجاج ایام منیٰ کی راتوں میں مزدلفہ میں لگے خیموں میں رات تے ہیں اس میں کوئی کراہت نہیں، لیکن اس سے مزدلفہ کا حکم منیٰ کا یا منیٰ کا حکم مزدلفہ کا نہیں ہوجائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس جگہ کے جو حدود بیان فرمادیے ہیں قیامت تک وہی حدود رہیں گے، حکومت اسے بدلنے پر قادر نہیں، البتہ مجبوری کی وجہ سے قیامِ منیٰ کی سنیت فوت ہوگی جس سے حج میں کوئی نقص لازم نہیں آئے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو پانی پلانی کی ذمہ داری کی وجہ سے انہیں مکہ مکرمہ میں رات گزارنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی:

"إن العباس بن عبد المطلب استاذن رسول الله ﷺ أن يبيت بمكة ليالى منى من أجل سقايته فأذن له (۱)

اور علامہ شامی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: خض

"يبيت بها الرمى أي ليالي أيام الرمي هو السنة فلوبات

(۱) صحیح مسلم، باب وجوب المبیت بمنی لیال أیام التشریق، احدیث نمبر: ۱۳۱۵

بغیرھا تکرہ و لا یلزمہ شیء"(۱)

منی مستقل ہے یا مکہ مکرمہ کے تابع ؟

اس معرکۃ الآراء مسئلہ میں کبھی فریقین کے دلائل و جوابات میں قاری اتنا الجھ جاتا ہے کہ اصل سِرَا ہاتھ نہیں آتا، اس لئے کچھ بنیادی باتیں سامنے دینا چاہیے۔

وجوہِ اتفاق:

منی، مزدلفہ اور عرفہ تینوں مقامات کا محدود و متعین اور تینوں بلکہ مکہ سمیت چاروں مقامات کے ساتھ مخصوص افعال حج کا متعلق ہونا اور افعال حج کو ان مقامات کے حدود کے اندر ہی انجام دینا حجاج کے لیے خاص ہے، یہ سب امور مخصوص شرعیہ سے صراحتاً ثابت ہیں اور تا قیامت باقی رہیں گے۔

مکہ کا شہر ہونا اور مکہ، منی اور مزدلفہ کا حرم میں ہونا اور حرم کے حدود کا متعین ہونا بھی منصوص اور اجماعی ہے اور شہر مکہ کی بلدیت اس میں محدود نہیں، البتہ منیٰ کو تحدید شرعی نے مکہ کی بلدیت سے خارج رکھا ہے۔

صحت ادائے جمعہ کے لئے شہر یا فنائے شہر ہونا شرط ہے، قریہ صغیرہ اور صحراء میں جمعہ درست نہیں ہے، البتہ جو گاؤں شہر سے متصل ہے یا خارج شہر جو فنائے مصر ہے اور وہ شہر سے متصل ہے تو وہ شہر کے تابع ہوتا ہے یہ بھی فقہاء کے یہاں مسلّم ہے۔

سفر شرعی شروع ہو جانے کے بعد مسافر کے لیے ایسی جگہ میں اقامت لائق ہو مقیم ہو جانے کی وجہ سے اتمام کرنا ضروری ہے اور اقامت کے لئے مسلسل پندرہ یوم کی نیت کا ہونا شرط ہے، اور نیت کا واحد میں ہونا معتبر ہے، دو مستقل موضع میں نیت معتبر نہیں ہے، البتہ اگر ایک جگہ اصل ہو اور دوسرا اس کے تابع ہو تو پھر دونوں بھی موضع واحد کے حکم میں ہیں۔

وجوہ اختلاف:

---

(۱) ردالمحتا: ۵۴۰/۳، فتح القدیر: ۱۴۰/۲

منیٰ میں صحت جمعہ کی وجہ میں اختلاف ہے، صحیح یہ ہے کہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے نزدیک ایام موسم میں وہ شہر بن جاتا ہے اس لیے اقامت جمعہ درست ہے اور امام محمد کے نزدیک منیٰ قریہ ہے موسم حج میں مصر جامع نہیں بنتا۔(۱)

استقلال منیٰ اور عدم استقلال منی کے سلسلہ میں ایک رائے دار العلوم کراچی، جامعہ اشرفیہ لاہور، مفتی شبیر احمد قاسمی اور مفتی احمد خانپوری صاحبان کی یہ ہے کہ آبادی کے تسلسل کی وجہ سے مکہ اور منی میں انفصال نہیں رہا، خود انہوں نے مشاہدہ کیا اور طے کیا کہ منیٰ مکۃ المکرمہ کا ایک محلہ اور جزء ہے، بلکہ مزدلفہ بھی داخل مکہ ہو چکا ہے، اس یاددہانی کے ساتھ کہ یہاں مشاعر مقدمہ منی، مزدلفہ، عرفات کی حدود شرعیہ سے کوئی بحث نہیں وہ سراسر توقیفی ہیں، البتہ قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ مکرمہ، منیٰ اور مزدلفہ موضع واحد کے حکم میں ہے۔(۲)

جب کہ دوسر رائے دار العلوم یوبند کے بیشتر مفتیاں کرام، مظاہر علوم سہارنپور، مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم ابنیہ یعنی عمارتوں کا اتصال عمارتوں کے ساتھ ہونا چاہئے جبکہ منیٰ صحراء ہے منی مکہ کی فنا نہیں ہوسکتی، فناء مصالح شہر کے لئے ہوتا ہے، یہ تو مناسک الحج کے لیے ہیں۔(۳)

ثمرۂ اختلاف: جو حضرات منی، مزدلفہ اور عرفات کو جزء مکہ نہیں قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جو حجاج کرام منی روانگی سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ روز قیام نہ کرسکیں وہ مکہ مکرمہ اور منی، مزدلفہ سب جگہ مسافر رہیں گے تو ان حضرات پر مسافروں کے احکام جاری ہوں گے، وہ حضرات حسب شرائط چار رکعت والی نمازوں میں قصر کریں گے، اوران میں ایام قربانی میں نصاب والی قربانی بھی لازم نہیں ہوگی۔

---

(۱) مستفاد: از منی کے احکام شرعیہ اور استقلال منی کے تحقیق، از مفتی رشید احمد فریدی، گجرات

(۲) انوار مناسک، ص: ۴۵۸

(۳) تحفۃ الألمعی: ۳/ ۲۸۲

جو لوگ جزءِ مکہ قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک جس دن کوئی شخص مکۃ المکرمہ پہنچا ہو اُس دن سے لے کر حج سے واپسی تک کے درمیان اگر پندرہ دن سے زیادہ ہوتے ہیں تو وہ حاجی مقیم ہوگا اور نمازوں میں اتمام کرنا اس حاجی پر لازم ہوگا اور اگر واپسی تک پندرہ دن سے کم ایام کا قیام ہے تو وہ حاجی مسافر ہوگا اور نمازوں میں قصر لازم ہوگا۔(۱)

اہلِ علم ذیل میں دیے گیے فریقین کے دلائل وجوابات سے مستفید ہو سکتے ہیں:

منی کو تابع مکہ ماننے والوں کے دلائل:

۱) سارا حرم مکہ تابع ہے، اور منی حدودِ حرم میں ہے، لہٰذا منی بھی مکہ کے تابع اور اس کی فنا ہے۔

۲) حضرات شیخین نے منی کو فنائے شہر مان کر منی میں جمعہ کو درست قرار دیا ہے، مگر بعد کے فقہاء نے اس قول پر فتوی اس وجہ سے نہیں دیا کہ مکہ مکرمہ اور منی میں دو فرسخ کا فاصلہ تھا، اور فناءِ شہر شہر سے اتنا دور نہیں ہوتا ہے، مگر اب جب دو فرسخ ختم ہو گیے تو علت ختم ہوگئی، اس لیے منی فنائے شہر میں داخل ہو گیا۔

۳) منی کا میدان ادائے مناسک اور قیام حجاج کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور اسی کام کے لیے معد ہے، اور ادائے نسک اور قیام حجاج ایسی مصلحت ہے کہ مکی بھی شریک ہیں، اس وجہ سے منی فنائے شہر میں شمار ہوگا۔

۴) حج ورمضان کے موقع پر مکہ مکرمہ کی گاڑیاں، بس وغیرہ منی ہی میں رکھی جاتی ہیں، اس اعتبار سے منی کا استعمال شہر کی مصالح میں داخل ہوگا تو منی مکہ ہی کا فناء شمار ہوگا۔

پہلی دلیل اس وجہ سے محلِ نظر ہے کہ اگر منی مکہ کے تابع ہے تو مکی کا مسافر ہونے کے لیے فنائے شہر سے باہر نکلنا ضروری ہے تو مکی شخص منی سے باہر نکلنے پر ہی مسافر شمار ہوگا،

---

(۱) انوار مناسک، ص: ۵۸۴، نیز دیکھیے: موجودہ زمانہ میں منی ومزدلفہ میں قصر واتمام کا مسئلہ، مؤلف مفتی محمد نعمان سیتاپوری، مفتی دار العلوم دیوبند۔

مگر کسی فقیہ کا ایسا فتوی نہیں ہے، بلکہ حدود مکہ سے نکلنے پر ہی مسافر شمار کرلیا جاتا ہے، علاوہ ازیں جب منی فنائے شہر ہے تو فنائے شہر کے تابع ہوتا ہے اور شہر میں جمعہ درست ہونے پر کسی کا اختلاف نہ ہونا چاہیے مگر امام محمد سے منی میں نماز جمعہ کا عدم جواز مروی ہے۔

تیسری دلیل اس وجہ سے محل نظر ہے کہ فنائے شہر وہ حصہ جو شہر کے باشندگان کے لیے شہری ہونے کی حیثیت سے مصالح کے لیے تیار کیا گیا ہو۔ **"فناء الشهر موضع معد لحوائج اهل المصر باقامتهم فى المصر"** (۱) اور ادائے نسک وقیام حجاج ایسی مصلحت نہیں جو شہری ہونے کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، بلکہ پوری عالم کے حجاج کو بحیثیت حاجی ہونے کے حاصل ہے، اس میں مکی ہونے کی کوئی حیثیت داخل نہیں ہے۔

چوتھی دلیل باین معنی محل نظر ہے کہ درحقیقت گاڑیاں جہاں پارک کی جاتیں وہ حصہ حدودِ منی سے باہر ہے، نیز اس استعمال کی وجہ سے منی کا جتنا حصہ استعمال ہوگا اس کو فنائے شہر کہا جانا تو معقول ہے مگر تھوڑے حصہ کے استعمال سے میلوں پر مشتمل پورے میدان کو فناء کیسے کہا جائے گا۔

علاوہ ازیں منی مشاعر میں سے ہے اور اس کا اعداد (بنیادی طور پر منی کا میدان) ادائے نسک کے لیے ہے، اور فنائے شہر ہونے کے لیے **"اعداد لمصالح البلد"** شرط ہے، اس لحاظ سے اگر پورے سال بھی گاڑیاں پارک کی جائیں تو بھی فناء شمار نہیں ہوگا کیونکہ 'اعداد' نہیں پایا گیا۔

منی کو مستقل ماننے والے علماء کے دلائل:

منی کے احکام مخصوص ہیں، جیسے ۸/ذی الحجہ کو مکہ سے نکل کر منی پہنچنا، زوال کے بعد منی کا قیام، ہدی کا جانور منی میں ذبح کرنا مسنون ہونا، اس طرح مستقل پندرہ احکام

---

(۱) المبسوط للسرخسي: ۱۲۱/۲، دارلمعرفه، بیروت

منی سے متعلق ہیں۔(۱)

۱) منی میں تعمیر مکان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے اسی لیے چودہ سو سال کے عرصہ میں کوئی مستقل محلہ قائم نہیں ہوا۔

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: قُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا نَبْنِي لَكَ بَيْتًا يُظِلُّكَ بِمِنًى؟ قَالَ: لَا، مِنًى مُنَاخُ مَنْ سَبَقَ"(۲)

۲) منی مزدلفہ اور عرفہ مشاعر میں سے ہیں اور مشاعر قیامت تک نہیں بدلتے ہیں، جیسے صفا مروہ مشاعر میں سے ہیں مسجد حرام سے متصل ہونے کے باوجود مسجد شرعی میں داخل نہیں ہیں تو منی مکہ اس قدر متصل نہیں ہے جس قدر مسعی متصل ہے، اس کے باوجود مسعی شعائر میں ہونے کی وجہ سے حدود مسجد میں شمار نہیں ہوتا اسی طرح منی بھی مکہ میں شمار نہیں ہوگا۔

۳) یوم الترویہ سے قبل حاجی کو مکہ مکرمہ میں قیام کرنا سنت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یوم الترویہ تک مکہ میں قیام فرمایا تھا، اس کے بعد احرام باندھ کر منی جانے کا حکم ہے اگر منی کو مکہ میں داخل مانا جائے اور اس کا استقلال ختم کر دیا جائے تو یوم الترویہ کو مکہ سے منی کی طرف جانا نہیں بلکہ مکہ سے مکہ ہی کی طرف جانا لازم ہوگا، کیونکہ تعبیر "خروج الی المنی" کی ہے، اور خروج کے لیے مکہ سے نکلنا شرط ہے۔

"یستحب ان یکون فی خروجه من مکة ودخوله منی ملبیاداعیاذاکرا"(۳)

۴) خیر القرون کے زمانہ سے فقہائے مجتہدین نے منی کو مستقل مانا ہے چنانچہ علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ امام محمد رحمہ اللہ کا قول نقل فرماتے ہیں:

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیں: منی کے احکام شرعیہ اور استقلال منی کی تحقیق: ۳۴ھ

(۲) سنن الترمذي، أبواب الحج، باب ما جاء أن مني مناخ من سبق، حدیث نمبر: ۸۸۱

(۳) ارشاد الساری: ۲۸۶

قال محمد فی الأصل إذا نوی المسافر أن یقیم بمکة و منی خمسة عشر یوما لا یصیر مقیما فعلم اعتبارهما شرعاً موضعین"(۱)

۵) جس طرح حل کا علاقہ مختلف خطوں اور آبادیوں پر مشتمل ہونے کے باجود اہل میقات کے احرام کے لیے شرعا مکان واحد کے حکم میں ہے" ماوراء المیقات الی الحرم مکان واحد" اسی طرح اس کے برعکس منی حرم میں ہونے کے باوجود مکہ سے تحدید شرعی کی وجہ سے خارج اور مستقل ہے۔

۶) منی کا استقلال تشریع الٰہی ہے، اگر حساً آبادی وہاں تک بھی پہنچ جائے تو بھی اس کی حیثیت شرعی ختم نہیں ہوگی، حیثیت عرفی کا تقاضا ہے کہ منی کو تابع شہر قرار دیا جائے اور حیثیت شرعی کا تقاضا ہے کہ منی تا قیامت الگ رہے، ایسے تقابل کے موقع پر امر شرعی کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ امر ظاہر کا۔

اس کے علاوہ مزید دلائل کی بنیاد پر علماء کی ایک جماعت کا فتوی ہے قصر و اتمام میں مکہ اور منی دو مستقل موضع ہیں اور اتمام کے لیے موضع واحد میں قیام کی نیت شرط ہے، اس لیے حاجی کے مکہ اور منی کے قیام کی مدت پندرہ دن ہو تو مقیم نہیں ہوگا اور اتمام کی اجازت نہیں ہوگی۔

نیا مِنیٰ (New Mina)

حجاج کرام اور مقامی ذمہ داروں کی زبان پر ایک اصطلاح چل پڑی ہے "نیا منی" (منی الجدیدہ) حالانکہ منیٰ کے حدود و اطراف ازروئے شرع طئے شدہ ہیں، اس مشعر میں کوئی توسیع کی گنجائش نہیں ہے، دیگر مذاہب میں مِنی میں شب ی واجب ہے اگر اس میں جگہ مل سکتی ہو، احناف کے یہاں مِنی کا قیام مسنون ہے یہ جگہ جس کو آج "منی الجدید" کہا جارہا ہے وہ مزدلفہ کا ایک حصہ ہے کوشش یہی ہو کہ حقیقی منی میں قیام کیا جائے یا اس کے قریبی جگہوں پر، اگر گم ہوجانے کا اندیشہ ہو، یا گروپ کو الاٹمنٹ ہی

---

(۱) فتح القدیر، باب صلوۃ الجمعة: ۲/ ۵۴

مزدلفہ میں ملا ہو جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے تو اس عذر کی وجہ سے کسی فقہی مسلک میں ممانعت نہیں رہے گی، اسی طرح بجائے منیٰ کے نئے منی یعنی مزدلفہ میں قیام درست ہوگا۔

الخلاف اشر

اسی منی کا واقعہ ہے کہ عہد عثمانی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے چار رکعات ظہر کی نماز پڑھائی تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے میں نے دو رکعت پڑھا تھا لیکن جب جماعت کھڑی ہوئی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بھی پیچھے نماز ادا فرمائی لوگوں نے پوچھا جب آپ کے پاس دلیل ہے تو آپ نے ان کی امامت میں چار رکعت کیوں ادا کی؟ فرمایا: "الخلاف شر" اختلاف زیادہ برا ہے، مطلب یہ ہے کہ فعلاً امیر کی موافقت کرتے ہوئے قولاً اختلاف رکھنا بہتر ہے، اس سے کہ قولاً وفعلاً اختلاف کرتے ہوئے علیحدہ جماعت بنائی جائے، دو رکعتیں زیادہ پڑھ لینا بہتر ہے، اس موقعہ پر اس جگہ پھر امیر المؤمنین کی مخالفت کرنے کے مقابلہ میں، فکر وعقل کے اختلاف کو باقی رکھتے ہوئے وحدتِ امت کے پہلو کو ذہن سے اوجھل ہونے مت دیجیے۔

عبد الله بن مسعود كان يرى القصر والجمع بمنى وهي من مكة، وكان عثمان إمام المسلمين يرى إتمام الصلاة مع الجمع لأنه كان يرى نفسه من أهل مكة وله بها أهل، وقد صلى ابن مسعود وراء عثمان وأتم الصلاة خلافا لما يراه في خاصة نفسه، فلما سئل عن ذلك قال: »الخلاف شر« لأن متابعة الإمام والمحافظة على اجتماع الأمة أمر واجب، ومصلحة راجحة، وأخذه بمقتضى رأيه مصلحة مرجوحة. فعن معاوية بن قرة عن أشياخه أن عبد الله بن مسعود صلى أربعا، فقيل له عبت على عثمان ثم صليت أربعا، قال:

"الخلاف شر" وهو من شيم أهل الأهواء"(۱)

مِنیٰ میں نماز جمعہ

آج کل مِنیٰ میں قانونی طور پر آبادی نہیں ہے، کئی سالوں سے وہاں کے مکانات کوگرا کر وہاں کی آبادی ختم کردی گئی ہے، حج صرف خیموں میں ہوتا ہے، جیسا کہ مولانا عبدالحفیظ مکی صاحب نے اپنے ایک مقالہ میں تحریر فرمایا ہے، لہٰذا یہ قریہ نہیں۔

فقہاء کرام ابواب الجمعہ میں فرماتے ہیں کہ شیخین کے یہاں امیر کی موجودگی میں منیٰ میں جمعہ جائز اور عرفات میں بالاتفاق جائز نہیں، پھر اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ "مِنیٰ قریہ ہے، اور حج کے زمانہ میں مصر بن جاتا ہے" لہٰذا حج کے زمانہ میں مصر نہیں بنے گا، کیونکہ مصر بننے سے پہلے ضروری ہے کہ مستقل قریہ ہو مگر جب منیٰ صحراء ہے تو حج کے زمانے میں مصر نہیں ہوگا۔

ہدایہ میں ہے:

وتجوز بمنى إن كان الأمير أمير الحجاز أو كان الخليفة مسافرا عند أبي حنيفة رحمه الله وأبي يوسف رحمه الله وقال محمد رحمه الله لا جمعة بمنى "لأنها من القرى حتى لا يعيد بها ولهما أنها تتمصر في أيام الموسم وعدم التعييد للتخفيف ولا جمعة بعرفات في قولهم جميعا لأنها فضاء وبمنى أبنية۔(۲)

اور ابن ہمام رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ کھلے میدان میں جمعہ نہیں۔

قال ابن الهمام: إذا سافر الخليفة فليس له أن يجمع فى القرى كالبرارى (۳)

---

(۱) سنن ابی داؤد، حدیث نمبر: ۱۹۶۰، طبرانی: ۶/۸۶ ۳، سنن بیہقی: ۳/ ۱۴۳

(۲) الهدايه: ۱/ ۱۶۷

(۳) هدايه: ۲/ ۳۵، ۵۴

بلکہ عرفات کی جو حالت فقہاء نے بیان کی ہے، موجودہ زمانے کا منیٰ اس سے قریب ہے، کیونکہ ملازمین اور عملہ کے رہنے کا اعتبار نہیں، اور ان کے علاوہ مستقل رہائش پذیر لوگ وہاں نہیں ہیں۔

ہاں قدیم زمانہ میں منیٰ آباد تھا، جیسا کہ کتب فقہ سے ظاہر ہے اور اسی وجہ سے فقہاء مصر کی تعریف میں آبادی کا ذکر کرتے وقت منیٰ کی آبادی کا ذکر فرماتے ہیں۔

ملاحظہ ہو فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

والمصر في ظاهر الرواية الموضع الذي يكون فيه مفت وقاض يقيم الحدود وينفذ الأحكام وبلغت أبنيته أبنية منى، هكذا في الظهيرية وفتاوى قاضي خان. (۱)

نیز بعض سلف سے منیٰ میں جمعہ نہ پڑھنا منقول ہے۔

ملاحظہ ہو مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

عن عبد الملك، عن عطاء قال: سمعته وسئل: على أهل منى جمعة؟ قال: إنما هم سفر، عن خالد بن أبي عثمان قال: شهدت عمر بن عبد العزيز لا يجمع بمنى. (۲)

مؤطا امام مالک میں ہے:

قال مالك، في إمام الحاج إذا وافق يوم الجمعة يوم عرفة، أو يوم النحر، أو بعض أيام التشريق: إنه لا يجمع في شيء من تلك الأيام. (۳)

ابن منذر نیساپوری کی اوسط میں ہے:

---

(۱) الفتاوى الهنديه: ۱/ ۱۴۵

(۲) مصنف ابن أبي شيبة، ما قالوا منى جمعة أم لا، ۲ حدیث نمبر: ۵۴۹۵ ۱۳

(۳) مؤطأ إمام مالك، باب الصلاة بمنى يوم التروية، حدیث نمبر: ۱۹۵

ذکر حدیث: جاء رجل من الیھود الی عمر رضی اللہ عنہ فقال: أیة من کتاب اللہ تقرؤونھا ... إنی لاعلم الیوم الذي أنزلت فيه والمكان الذي نزلت فيه ... إلى آخر الحديث، قال أبوبكر: ففی الجمع بین ھذاالحدیث وحدیث جابر رضی اللہ عنہ أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلى الظهر بعرفة بيان ودليل على أن لاجمعة بمنى ولاعرفة، وقال مالك: لاجمع الإمام وھو مسافر فی بر أو بحر (۱)

الفقه الإسلامي وأدلته میں ہے:

ولاجمعة بمنی وعرفة نصالانه لم ينقل فعلها هناك (۲)

کشاف القناع (فقہ حنبلی کی کتاب ہے) میں ہے:

ولاجمعة بمنیٰ وعرفة نصا، لانه لم ينقل فعلها هناک، وللسفر (۳)

الغرض ساری عبارتوں کا خلاصہ وماحصل یہی ہے کہ منیٰ میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہیے۔(۴)

منی میدانِ دعوت ہے

تعلیم وتربیت، دینی تذکیرودعوت، حج کا ضمنی اور ثانوی فائدہ ہے، لیکن کسی طرح نظرانداز کرنے کے قابل نہیں، خصوصاً اس عہد میں کہ اس کی ضرورتیں بے حد بڑھ گئی ہیں، اگر کسی ایک ملک کے مسلمانوں میں بھی کسی درجہ کا عزم اور نظم پیدا ہوجائے اور اس کام کے لیے وہ ضروری تیاری کرلیں، مخلص، دردمند، صاحب علم اور داعی کسی تعداد میں

(۱) الاوسط لابن المنذر: ۳۴۹/۵

(۲) الفقه الإسلامي وأدلته: ۲۶۹/۲

(۳) کشاف القناع: ۲۴/۴

(۴) مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۵۴۱/۳، ۵۴۲/۲

بھی فراہم ہو جائیں اور عالم اسلام کی دو چار زبانوں خصوصا عربی پر اتنی قدرت حاصل ہو کہ وہ اس میں دعوت کا کام انجام دے سکیں ان کے پاس دعوت کا ضروری سامان بھی ہو، عالم اسلام کے لیے پیغام، اس کی اصل امراض مصائب کی تشخیص اور ان کا صحیح علاج، دین کی طرف بازگشت کی دعوت، امت کے ظہور کا مقصد اسلام اور عالم انسانی کا رشتہ، آخرت کی دنیا پر ترجیح، صحابہ کرام ﷺ اور قرون اولی کے مسلمانوں کے حقیقی اوصاف واخلاق، ان مضامین پر خود بھی تیار ہوں اور ان کے پاس ان حقائق کو ذہن نشین کرنے کے لیے اور بعد تک یاددہانی کرنے کے لیے مختصر رسائل مطبوعہ مضامین بھی ہوں، ایک ایسی جگہ بھی ہو (عارضی) جہاں وہ منتخب لوگوں کو بیٹھنے، گفتگو کرنے اور مطالعہ کرنے کی دعوت دے سکیں، اس لیے کہ اتنے وسیع اجتماع میں وہ ہر جگہ نہیں پہنچ سکتے، دینی زندگی پیدا کرنے کے لیے ان کے پاس ایک نظام عمل بھی ہو جس کا تجربہ ہر ملک میں کیا جا سکے، تو منی کے اس سہ روزہ قیام سے محیر العقول فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، دوسرے ممالک کے علاوہ خود ہندوستانی حجاج کی ہزاروں کی تعداد ملے گی جس کے پاس وقت گزارنے کے لیے لایعنی باتوں یا (فرائض کے بعد) کھانے پینے کے سوا کوئی مشغلہ نہیں، ان میں بہت بڑی تعداد دین کے ابتدائی اصول ارکان سے اگر ناواقف نہیں تو غافل ضرور ہوگی، اور کم سے کم ان کی دعوت وتذکیر اور ان کے احیاء وترویج کے لیے جد جہد سے ضرور غافل ہے ان سب کو اس کی طرف متوجہ کرنا بہت بڑا کام ہے اور اس کام کے لیے منی اور مکہ معظّمہ سے بہتر موقع نہیں مل سکتا، اس میں شبہ نہیں کہ اس کام میں سو فیصدی بلکہ شاید پچاس فیصدی کامیابی بھی یقینی نہیں، داعیوں اور کارکنوں کی کمی، ان کی بے سروسامانی مجمع کا پھیلاوا، وقت کی قلت نہیں انتشار و پراگندگی، ناواقفیت واجنبیت، یہ اور بہت سی چیزیں جو تجربہ کے بعد علم میں آئیں گی کامیابی کا بھی امکان ہو بلکہ سر دست کوئی امکان نہ ہو تو بھی ہر قیمت پر یہ سودا سستا ہے کہ اللہ تبارک وتعالی کی رضا کی اس میں قوی امید ہے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی سے قریبی نسبت ہے۔ ع

گراین سودائے جاں بودے چہ بودے

کاش اس کو مسلمان اپنی ضروریات کی فہرست میں شامل کر لیتے ،کاش اس کے لیے کچھ اہل ہمت کچھ اہل توفیق تیار ہو جاتے ،کاش ہمارے یہ معروضات دلوں میں کچھ آمادگی پیدا کر سکتے ،منی کے اس قیام سے فائدہ اٹھائیں اور ذرا دیر کے لیے عقبہ چلیں ،جہاں مدینہ کے انصاریوں نے پہلے پہل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک پر اسلام کی بیعت کی ،اس کی حمایت ونصرت عہد کیا اور جہاں حقیقتاً ہجرت اور مدنی زندگی کی داغ بیل پڑی ،اسلام کی تاریخ میں اور عالم اسلامی کے طویل وعریض رقبہ میں یہ چند گز زمین بڑی حرمت وقیمت رکھتی ہے ،سچ رکھتی ہے ،سچ پوچھئے تو بدر کی فتح کا سنگ بنیاد یہیں رکھا گیا ،تاریخ اسلام کا افتتاح یہیں سے ہوا ،عالم اسلام کی تاسیس یہیں سے عمل میں آئی ،یہی وہ موقع ہے جہاں اللہ کے نبی سے جو سارے حج کے مجمع سے مایوس ہو رہا تھا ،یثرب کے بارہ آدمیوں نے چھپ کر بیعت کی اور اپنی خدمات پیش کیں ،اگلے سال اسی جگہ تہتر مرد اور عورتوں نے بیعت کی ،اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اہل مدینہ کا پیام شوق پہنچایا اور مدینہ تشریف لانے کی دعوت دی ،حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کیا تم دین کی اشاعت میں میری پوری پوری مدد کرو گے اور جب میں تمہارے شہر میں جا بسوں ،کیا تم میری اور میرے ساتھیوں کی حمایت اپنے اہل وعیال کی مانند کرو گے مدینہ والوں نے پوچھا ،ایسا کرنے کا معاوضہ ہم کو کیا ملے گا ،فرمایا: جنت ! اہل مدینہ نے دریافت کیا کہ اے خدا کے رسول ہماری تسلی فرما دیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم کو کبھی چھوڑ نہ دیں گے ،فرمایا نہیں ! میرا جینا مرنا تمہارے ساتھ ہوگا ،اس پر ان حضرات نے بڑے جوش وسرور کے ساتھ بیعت کی۔

جبل رحمت کے مینار کی حیثیت

وقوفِ عرفہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کالی چٹان پر قیام کیا اور جبل رحمت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تھا ،(۱) علامہ ازرقی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ

---

(۱) مسلم ،ہدایۃ السالک:۱۰۰۷

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیام تین پہاڑیوں کے درمیان ہوا تھا، جن کو اس زمانہ میں "نبعه، نبیعه، نابت" کہا جاتا تھا(۱) خیال رہے کہ حدودِ عرفات میں جہاں بھی وقوف اور قیام کرلیا جائے وقوفِ عرفہ کا فریضہ ادا ہوجایے گا، البتہ بہتر اور افضل یہ ہے کہ جبلِ رحمت کے نیچے جہاں بڑے بڑے چٹان ہیں وقوف کریں۔

"موقف رسول الله ﷺ وهو عند الصخرات الكبار المفترشة في أسفل جبل الرحمة"

سعودیہ عربیہ کے جلیل القدر عالم دین بکر بن عبداللہ ابوزید فرماتے ہیں: اس پہاڑ کا کوئی نام "جبل رحمت" کے نام سے ثابت نہیں ہے، البتہ "جبل الال" اور "جبل عرفہ" عربی زبان کے نظم ونثر میں معروف رہے ہیں، ابن عباس کی روایت میں بھی ثانی الذکر نام مذکور ہے، میرے مطالعہ کے مطابق سب سے قدیم تحریر جس میں "جبل رحمت" کا نام دیا وہ ناصر خسرو کا سفر نامہ ہے۔ (۴۴۴ھ)

شیخ محمد بن ابراہیم (مفتی سعودیہ عربیہ) فرماتے ہیں جبلِ رحمت کہے جانے والے پہاڑ پر وقوف کی کوئی فضیلت نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس پر وقوف کو مکروہ قرار دیا ہے، اور ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ "ولا يسن صعوده اجماعا" بالاتفاق اس پہاڑ پر چڑھنا سنت نہیں ہے۔

علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وإن الفضيلة في موقفه ﷺ عند الصخرات فإن عجز فليقرب منه بحسب الإمكان" چٹانوں کے پاس وقوف کریں، اگر اس پر قادر نہ ہو تو پہاڑ سے جتنا ہو سکے قریب ہوجائے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جبل عرفات پر موجودہ مینار یہ بتلانے کے لیے نصب کیا گیا تھا کہ یہ یہی عرفات ہے، کیونکہ لوگ وادیوں، پہاڑوں کا سفر کر کے آتے تھے، شناخت دشوار تھی۔(۲)

(۱) تاریخ مکہ: ۲/ ۱۹۴ (۲) دیکھیے: فتاوی اللجنۃ الدائمہ ۱۱/ ۲۰۸-۲۰۶

کیا اس پہاڑ پر مینار کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا تھا؟

جواب یہ ہے کہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کل تین خطبے دورانِ سفرِ حج ارشاد فرمائے، یوم عرفہ میدانِ عرفات میں، یومِ نحر منی میں، ۱۱/ذی الحجہ کو منی میں، احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ حدودِ عرفات سے خارج مقام عرنہ میں خطبہ دیا، اس کے بعد حضرتِ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، اذان و اقامت کہی، ظہر اور عصر دونوں کو ایک ساتھ ادا کیا، چنانچہ ابن قیم رحمہ اللہ زاد المعاد میں فرماتے ہیں:

"خطب بعرنة وليست من الموقف" (۱)

لہٰذا اس مینار کی شرعی اور تاریخی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس کو چھونا، اسے بوسے لینا، عبادت کے ارادہ سے اس پر چڑھنا، وہاں دعا کی قبولیت کا محل سمجھنا سب بے اصل ہے۔

❀❀❀❀❀

(۱) مستفاداز: رسول اللہ کا طریقہ حج: ۳۲۸

عرفات

ہوائی جہاز کے ذریعہ عرفہ سے گزرنا

عرفہ کے دن زوال کے بعد عرفہ میں وقوف کرنا اس سے گزرنا چاہیے خواہ تھوڑی دیر کے لیے ہو فرض ہے، اور پھر یہ عرفہ سے گزرنا پیدل بھی ہوسکتا ہے اور سواری کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے پھر سواری میں بھی زمینی سواری کار بس وغیرہ سے بھی ہوسکتا ہے اور کبھی فضائی سواری یعنی ہوئی جہاز کے ذریعہ بھی ہوسکتا ہے، کیونکہ ہوا کو قرار کا حکم حاصل ہے۔ الغرض اگر کوئی شخص زوال شمس کے بعد ہوائی جہاز کے ذریعہ عرفہ سے گزر جائے تو اس کا حج ہوجائے گا دم واجب نہ ہوگا۔(۱)

عرفہ کے ہجوم کی وجہ سے نمرہ اور عرنہ کا وقوف کرنا

وقوف عرفہ حج کے بڑے ارکان میں سے ایک ہے اسی لیے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”الحج عرفة“ کہ حج تو عرفہ کا نام ہے، لہٰذا یہ وقوف عرفہ ہی کے اندر ہونا چاہیے عرفہ میں ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے وادیٔ نمرہ یا بطن عرنہ میں وقوف کر لینا ہرگز کافی نہ ہوگا، اس کا حج ہی نہ ہوگا اگر چہ لاعلمی میں یہ صورت پیش آجائے کیونکہ عرفہ کا وقوف رکن ہے اور نمرہ عرنہ یہ عرفہ میں شامل نہیں ہے۔ یہی تحقیق محقق علماء کی ہے، امام نووی، شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن قیم اور شیخ ابن جاسر رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔(۲)

---

(۱) مستفاد: النوازل: ۳۸۰

(۲) النوازل فی الحج: ۳۸۴

عرفات میں قصرواتمام

۱) فی زماننا عرفات، مزدلفہ، اور منیٰ میں نماز پڑھانے والا امام نجد سے آتا ہے جو کہ مسافر ہوتا ہے اور دو رکعت پڑھاتا ہے اس امام کی اقتداء میں مسافر حاجی دو رکعت ہی ادا کریں گے لیکن جو حاجی مقیم ہیں ان کو امام کے سلام پھیرنے کے بعد کھڑے ہو کر دو رکعت ادا کرنا واجب ہے اور ان دو رکعتوں میں کوئی قرأت نہ کی جائیگی۔(۱)

اہل خیمہ کے لیے عرفہ میں جمع بین الصلاتین

حج کے جن مسائل میں تشدد برتا جاتا ہے اور اختلافی حدود پر قائم رہنے کے بجائے سب کو ایک طریقہ پر جمع کر کے اتحاد کی نمائش کرائی جاتی ہے خواہ حقیقت میں اتحاد ہو یا نہ ہو، اسی لیے ہر سال عازمین حج سے تربیتی گفتگو کے موقع پر اور عین عرفات میں اس جیسے مسائل میں نزاع وکشمکش ہوتی ہے، حق پسند اور شرعی وسعت پسند کے علاوہ حضرات اپنا ایک نظریہ مسلط کرنا چاہتے ہیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میدان عرفات میں عصر کی نماز کو وقت سے پہلے ادا فرمایا ہے اور روایۃ وعملا متواتر ہے، اس بنا پر حکومت کی طرف مقرر کردہ امام عام (سرکاری معلم وامام الحج) کے پیچھے ۹/ذی الحجہ کو عرفہ میں ظہر اور عصر کی نماز ظہر کے وقت میں جمع کر کے مسجد نمرہ میں پڑھنا بالاتفاق جائز ہے۔

۲) البتہ اہل خیمہ کے متعلق امام اعظم رحمہ اللہ اور صاحبین رحمہما اللہ کا اختلاف ہے امام کے نزدیک اہل خیمہ کے لیے جمع بین الصلاتین درست نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک درست ہے، متاخرین فقہاء نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول کو راجح قرار دیا ہے کیونکہ دلیل کے اعتبار سے امام صاحب کا قول قوی ہے کیونکہ جس طرح وقت سے پہلے روزہ درست نہیں، وقت سے پہلے حج درست نہیں، صبح صادق سے پہلے فجر درست نہیں ہے، عشاء کے وقت سے پہلے عشاء کی نماز درست

(۱) ایضاح الطحاوی ۳:/۵۱۵ بحوالہ: انوار مناسک: ۴۲۱

نہیں کیونکہ ہر نماز اپنے وقت پر ادا کرنا نص قطعی سے ثابت ہے "إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا"(۱) اور جو چیز نص قطعی سے ثابت ہو اس میں ترمیم نص قطعی سے ہی ہوسکتی ہے، اور جس قدر ترمیم نص قطعی سے جس طریقہ پر ثابت ہے اتنی ترمیم ثابت مانی جائے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ۹ر ذی الحجہ کو عرفات میں حالت احرام میں جماعت کے ساتھ ادا کرنا ثابت ہے جبکہ اس میں آپ خود امام اور امیر المومنین تھے، پس جو تنہا نماز ادا کرے یا امامِ حج کے پیچھے ادا نہ کرے یا حالت احرام میں نہ ہو اس کے لیے جمع بین الصلاتین درست نہ ہوگی ، اس لیے امام حج کے ساتھ دونوں نمازیں ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن میدان عرفات میں تیس چالیس لاکھ مسلمانوں کا کثیر مجمع امیر حج کے بیک وقت جماعت میں شامل ہوں نہایت دشوار بلکہ ناممکن ہے، اس مجبوری کے پیش نظر حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرنا اور خیموں میں جمع بین الصلاتین کرنا درست ہے اور یہی امام مالک رحمہ اللہ ، امام شافعی رحمہ اللہ ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مسلک ہے، اختلاف وانتشار سے بچتے ہوئے جو جس مسئلہ پر عمل کرلے درست ہے۔

۱) امام صاحب اور صاحبین کے مابین اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین کی علت "امام حج کے ساتھ جماعت کی محافظت" پس جو امام حج کے ساتھ نماز ادا کرے اس کے لیے جمع کا حکم ہے ورنہ نہیں، اور صاحبین کے نزدیک جمع کی علت "امتدادِ وقوف (لمبے وقت تک کے لیے وقوف عرفہ ہو) اور یہ علت تمام حاجیوں کے لیے ہے، لہٰذا اہل خیمہ کے لیے جمع بین الصلاتین درست ہے۔

"ومبنى الاختلاف على أن تقديم العصر على وقته لأجل محافظة

(۱) النساء:۱۰۳

الجماعة أو لامتداد الوقوف فعنده للأول وعندهما للثاني"(١)

۲) امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین کے لیے کل چھ شرطیں ہیں: [١] حج کا احرام ہونا [٢] دونوں نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا [٣] دونوں نمازوں کو امام حج یا اس کے نائب کی اقتداء میں ادا کرنا [۴] ظہر کی نماز کو عصر کی نماز پر مقدم کرنا [۵] عرفہ کے دن عصر سے قبل ظہر کے وقت میں عصر ادا کرنا [٦] حدود عرفہ میں دونوں نمازیں ادا کرنا۔ پس اگر ان میں سے ایک شرط بھی فوت ہوجائے تو امام صاحب کے نزدیک جمع بین الصلاتین درست نہیں ہے۔

"فجملة الشروط ستة والثلاثة الأخيرة منها متفق عليها عندنا بخلاف ماقبلها ولو فقد شرط منها يصلى كل صلوة في الخيمة عليحدة في وقتها بجماعة او غيرها"(٢)

صاحبین کے نزدیک [١] امام یا اسکا نائب ہونا [٢] جماعت ہونا شرط نہیں ہے، پس تنہا ہو یا جماعت کے ساتھ جمع بین الصلاتین صاحبین کے نزدیک درست ہے۔

"وعندهما الإمام والجماعة ليس بشرط"(٣)

۲) صاحبین کے مسلک کی تائید میں حضرت عطاء رحمہ اللہ کا فتوی بھی منقول ہے: حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خیمہ میں نماز ادا کرنے والے کو اختیار ہے خواہ جمع بین الصلاتین کرے یا ہر نماز اپنے وقت پر ادا کر لے۔

"عن عطاء قال: إذا صليت في رحلك فإن شئت فاجمع بينهما، وإن شئت فصل كل واحد منهما لوقتها"(۴)

---

(١) عنايه على شرح الهدايه: ٢/ ۴٨٢

(٢) غنية الناسك: ١٥٣

(٣) فتاوى تاتارخانيه: ٢/ ۵٣۴ ملخص از: انوار مناسک: ۴٢٢، فتاوی قاسمیہ: کتاب الحج: ١۴/ ٣١٦

(۴) مصنف ابن أبي شيبة، في الرجل يصلي بعرفة في رحله، حديث نمبر: ١۴٠٣٨

۳) علاوہ ازیں عرفہ میں مسجد نمرہ تمام حاجیوں کا سما جانا ایک مشکل مرحلہ ہونے کے مسئلہ محاذاۃ سے بھی دو چار ہونا پڑتا ہے، اس بھگدڑ میں کون کون حاجی اس مسئلہ سے واقف ہوگا اور کس قدر رعایت ہوسکتی ہے اس ازدحام کے موقع پر ہی اس کا اندازا ہوسکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ میدانِ عرفہ میں ظہر اور عصر ایک وقت میں ادا کرنا ہے بسہولت امام کے پیچھے ادا کرلیں ورنہ اپنے خیموں میں ادا کرنے میں ہی عافیت ہے، بعض مرتبہ پہنچتے پہنچتے رکعتیں چھوٹ جاتی ہیں، بعض مرتبہ خیمہ بھول جاتے ہیں، رہی یہ بات کہ خیموں میں جمع بین الصلاتین ہے یا نہیں اس میں فقہاء کا اختلاف ہے، ہر ایک کی گنجائش ہے اختلاف کیے بغیر جس کو جس پر عمل کرنا ہو کرلیں۔

علاوہ ازیں جو شخص امام حج کے ساتھ نماز نہ پڑھ سکے خواہ بھیڑ کی وجہ سے ہو، جیسے آج کل کی صورت حال ہے یا کسی اور وجہ سے، وہ بھی حج کے دوران عرفہ ومزدلفہ میں ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کی نمازیں جمع وقصر کے ساتھ پڑھے گا، کیونکہ کسی بھی حدیث اور کسی بھی صحابی کے قول میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ امام کے ساتھ نماز پڑھتے اور تنہا پڑھتے یا امام حج کے ساتھ نماز پڑھنے اور غیر امام حج کے ساتھ نماز پڑھنے میں فرق کیا گیا ہو، اس کے برخلاف صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں متعدد سندوں سے وارد ہے کہ اگر امام کے ساتھ ان کی نماز [میدان عرفات میں] چھوٹ جاتی تو اپنی قیام گاہ پر آکر دونوں نمازیں جمع کرکے پڑھتے۔(۱)

اس کے برخلاف کسی بھی صحابی سے یہ وارد نہیں ہے کہ اس نے امام کے ساتھ اور اکیلے نماز پڑھنے میں فرق کیا ہو۔

❁❁❁❁❁

(۱) صحیح البخاری مع الفتح: ۳/ ۵۱۳

مزدلفہ

مزدلفہ میں قصر کریں یا اتمام

۱۴۲۰ھ میں جب منی کو مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار کیا گیا تو اس وقت مزدلفہ کی آبادی بالکل الگ تھی مگر ۱۴۲۴ھ میں مکہ مکرمہ کا مشہور بازار اور محلہ عزیزیہ کی آبادی بڑھکر مزدلفہ سے مل گئی اور مزدلفہ میں بھی مکانات کی تعمیر ہوگئی تو اہل فتوی نے منی کی طرح مزدلفہ کو بھی مکہ مکرمہ کا ایک محلہ شمار کرلیا ،پس حاجی جس دن مکہ مکرمہ پہنچے اس دن سے واپسی تک اگر پندرہ دن یا اس سے زیادہ ہوتے ہوں تو مقیم شمار ہوگا اور اتمام کرے گا، اسی طرح صاحب نصاب ہونے کی صورت میں قربانی واجب ہوگی۔

"إذا كانت القرى متصلة بربض المصر فحينئذ تعتبر مجاورة القرى والصحيح ما ذكرنا أنه يعتبر عمران المصر إلا إذا ثمه قرية أو قرى متصلة بربض المصر فحينئذ يعتبر مجاورة القرى" (۱)

معذور وخواتین کے لیے ازدحام کی وجہ سے ترک وقوف

مریض اور معذور مرض اور عذر کی وجہ سے وقوف مزدلفہ نہ کرے تو دم واجب نہیں ہوگا، اور عورت اگر ہجوم کی وجہ سے وقوف مزدلفہ نہ کرے تو دم واجب نہیں ہے، مرد اگر ہجوم کی وجہ سے وقوف نہ کرے تو دم واجب ہوگا۔ (۲)

---

(۱) فتاوی تاتار خانیہ: ۲/ ۵، فتاوی ہندیہ: ۱/ ۱۳۹ ملخص: انوار مناسک: ۴۵۷

(۲) معلم الحجاج: ۱۵۷

البتہ علامہ کاسانی نے بلاتفریق عذر کی وجہ سے ترک وقوف مزدلفہ کو جائز قرار دیا ہے "ترك الوقوف بمزدلفة جائز لعذر" (۱) اور علامہ نووی نے بھی عذر کی صورت میں بلاوجوب دم ترک وقوف کو جائز کہا ہے "أما من ترك مبيت مزدلفة أو منى لعذر فلا دم" (۲) کثرت اگر کوشش کے باوجود مزدلفہ نہ پہنچ پایا تو وقوف مزدلفہ معاف ہے اور اس پر دم واجب نہیں ہوگا، البتہ بلا کوشش راستہ میں ہی بیٹھ جانا اور راستہ روکنا سخت گناہ ہے، اور محض وہم پر کہ یہی مزدلفہ ہے جبکہ وہ عرفہ ہے اس طرح بلاتحقیق وقوف کرلیا تو دم واجب ہوگا۔ "وأما ترك الواجبات بعذر فلا شيء فيه ثم مرادهم بالعذر ما يكون من الله تعالى فلو كان من العباد فليس بعذر" (۳) اسی طرح محض ازدحام کے اندیشہ سے جبکہ حقیقت میں ازدحام نہیں ہے وقوف مزدلفہ ترک کرکے منیٰ چلے جانا درست نہیں، نیز بلا عذر وقوف مزدلفہ ترک کرنے سے بالاجماع دم واجب ہوگا۔ (۴) البتہ بوڑھوں، کمزوروں، اور عورتوں کو پہلے بھیجدینا بالاجماع جائز ہے۔ (۵)

محض ہجوم عذر نہیں ہے

مزدلفہ کا وقوف واجب ہے لیکن اگر کوئی شخص محض ہجوم کی وجہ سے نصف اللیل (آدھی رات) کے بعد واپس لوٹ جائے تو اس پر دم واجب ہے کیونکہ مطلق ہجوم عذر نہیں بنے گا خواہ عورت ہی کیوں نہ ہو۔

البتہ ایسا ہجوم جسمیں نقصان ہونے کا غالب گمان ہو تو یہ ہجوم عذر شمار ہوگا۔ خواہ عورت ہو یا مرد۔ (۶)

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/۳۳۲

(۲) كتاب الزحام وأثره في النسک: ۵۳

(۳) غنیۃ الناسک جدید: ۲۳۹

(۴) ایضاح الطحاوی: ۳/۵۰۵

(۵) حجۃ النبی وعمراتہ: ۱۲۰

(۶) مستفاد: النوازل: ۴۳۳، ۴۳۴

ورنہ اگر مطلق ہجوم کو عذر شمار کرلیا جائے تو کوئی مناسک جو واجب ہے، چھوٹ جائیں گے کیونکہ ہجوم تو صفاومروہ کی سعی، طواف، منیٰ وغیرہ ہر جگہ موجود ہے۔

آدھی رات سے پہلے لوٹ جانا کسی کے لیے جائز نہیں خواہ ضعیف ہو یا معذور کسی کے لیے جائز نہیں۔

غیر معذور حضرات جو معذورین اور ضعفاء کو لے جانے میں مدد کرتے ہوں ان کی خدمت میں ہو تو یہ لوگ بھی معذور سمجھے جائیں گے۔(۱)

مزدلفہ میں عشاء سے قبل پہنچ جائیں تو کیا کریں؟

عرفات کی شام مغرب اور عشاء دونوں کا وقت عشاء ہی کو شروع ہوتا ہے، اگر عشاء کے وقت سے پہلے مزدلفہ پہنچ جائیں تو مغرب کی نماز اسی وقت ادا کی جائے جب عشاء کا وقت شروع ہو جائے، اس سے قبل نماز پڑھنا درست نہیں، لہٰذا اس دن کی نماز کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں:

۱) مکان: نماز حدودِ مزدلفہ میں ہی ادا کرنا ضروری ہے۔

۲) زمان: عشاء کا وقت ہونا۔

”حتی لو وصل إلی مزدلفة قبل العشاء لا یصلی المغرب حتی یدخل وقت العشاء الخ“(۲)

❁❁❁❁❁

---

(۱) النوازل فی الحج: ۴۳۴

(۲) غنیة الناسك: ۱۶۴

رَمی

رمی جمرات کی حقیقت

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام بوڑھاپے کی اکلوتی لاڈلی اولاد حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے لے جانے لگے تو شیطان تین جگہوں پر نظر آیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تینوں جگہوں پر سات سات کنکریاں ماری، وہ زمین میں دھنس گیا، اسی کی یاد میں رمی کا عمل ہے۔(۱)

جمرہ اس قدیم منارے کا نام تھا، نہ اس زمانے کے بڑے بڑے حوضوں میں پائے جانے والی دومرتبہ منزلہ طویل وعریض دیواروں کا نام بھی جمرہ نہیں، اصل جمرہ نام ہے "مجتمع الحصی یا مرمی الحصی" کا یعنی کنکریوں کے جمع ہونے کی جگہ، بعض حنفیہ کے نزدیک اس زمانے کی تعداد کے اعتبار سے تین تین ذراع (تقریباً ساڑھے چارفٹ) تک فاصلہ ... سمجھا گیا کہ اگر کنکری اس قدر دائرہ میں گرجائے تب رمی ہوجائے گی، (۲) اب وہاں کوئی شیطان نہیں ہے، یہ کہنا بھی غلط ہے، علمی اعتبار سے کہ زمانے گذرنے کے ساتھ شیطان بڑا ہوگیا، فقہ اور تاریخ کی کتابوں کے مطالعہ سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جمرہ کی ذراع سے تحدید اپنے اپنے دور کے اعتبار سے رہی، اگرچہ مکانِ جمرہ توقیفی ہے، مگر اس کے حدودِ اربعہ کی تحدید منصوص نہیں ہے، یہ ضابطہ بالکل مسلم

---

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ حج: ۱۴۳ / ۵، مفتی محمد ارشاد القاسمی رحمۃ اللہ علیہ

(۲) الموسوعۃ الفقھیہ الکوتیہ: ۲۳ / ۱۵۴، مادۃ رمی، شروط صحۃ رمی الجمار

ہے کہ کنکریوں کے گرنے کی جگہ جمرہ ہے، ظاہر جتنی تعداد بڑھے کی اس دائرۂ رمی میں توسیع ہوسکتی ہے۔(۱)

رمی کا وقتِ مسنون

۳) رمی کا وقتِ افضل طلوع آفتاب کے بعد ہے،طلوع آفتاب سے قبل صبح صادق کے بعد امام ابوحنیفہ کی ایک روایت ہیکہ معذور کے لیے درست اور غیر معذور کے لیے مکروہ ہے۔البتہ ائمہ ثلاثہ سوائے امام شافعی کے دونوں کے لیے مکروہ قرار دیا ہے رات میں رمی کرنا معذور وغیر معذور کسی کے لیے جائز نہیں ہے ،رات کی رمی کا دن میں اعادہ واجب ہے،ورنہ دم لازم ہے مثلا گیارہ ذی الحجہ کے بعد آنے والی رات میں بارہ ذی الحجہ کی رمی کرلیا، کیونکہ رات دن کے تابع ہے تو یہ رات گیارہ کی ہوئی نہ کے بارہ ذی الحجہ کی ،اور وقت سے پہلے بھی رمی درست نہیں ہے(۲) جمرہ عقبہ کی رمی میں گیارہ ذی الحجہ کی صبح صادق تک تاخیر ہوجائے تو تاخیر سے قضاء اور دم دونوں لازم ہیں۔(۳)

رمی کا وقتِ جائز

زوال کے بعد سے غروبِ آفتاب تک رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

رمی کا وقت مکروہ

غروبِ آفتاب سے ۱۱ر ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق تک رمی کرنا بکراہت کے ساتھ جائز ہے، جبکہ کوئی عذر نہ ہو، اگر کوئی عذر ہو تو کوئی مکروہ نہیں ہے اور آج کل اژدحام خود ایک عذر ہے، لہٰذا ۱۰ر ذی الحجہ کو طلوع صبح صادق سے ۱۱ر ذی الحجہ کی طلوع صبح صادق تک کسی بھی وقت رمی کرلینا بلا کراہت جائز ہے۔(۴)

---

(۱) مناسکِ حج کے فضائل واحکام: ۴۳۰

(۲) انوار مناسک: ۴۷۴

(۳) انوارِ مناسک: ۴۷۷، بحوالہ معلم الحجاج ۱۸۲

(۴) رفیق حج وعمرہ: ۷۹

رمی کے لیے مناسب وقت

حجاج کو عموما دس ذی الحجہ کو منی آتے ہی فورا رمی کرنے کی فکر ہوتی ہے، جبکہ میدانِ عرفہ کے قیام اور مزدلفہ کی رات نیند نہ ہونے کی وجہ سے تھکن ہوتی ہے، اور ازحام بھی ہوتا جس کی وجہ سے اموات بھی ہوتی ہیں، اس لیے آپ حضرات مزدلفہ سے سیدھے اپنے خیمہ چلے جائیں اور خوب آرام کرلیں، اطمینان سے ظہر کی نماز ادا کریں، کھانے سے فارغ ہوجائیں اور عصر تک اپنے خیمہ میں رہیں، عصر پڑھنے کے بعد رمی کے لیے نکلیں، اپنا مصلی ساتھ رکھ لیں درمیان میں نماز کا وقت ہوجائے نماز ادا کرلیں، یادرہے کہ خیموں سے نکلتے وقت ہی جلد بازی کا ذہن بنا کر نہ جائیں کہ اب بہت انتظار کرلیا ہے فورا جائیں گے اور جلدی سے رمی کرآئیں گے، کیونکہ رمی ایک عبادت ہے اور عبادت کو سکون واطمینان سے ادا کرنے کا ذہن رکھیں، آہستہ آہستہ جمرات کے قریب ہوتے جائیں جب آپ اس پوزشن میں ہوجائیں کہ اب مسنون طریقہ سے رمی ہوسکتی ہے نہ زیادہ دور ہیں اور نہ ہی بالکل قریب تو اب ذکر کے ساتھ رمی کریں، اس تجربہ سے نہ خود آپ کو راحت ملے گی بلکہ آپ کی مستورات کو بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی، چونکہ عموما مشقت رمی میں ہوتی ہے۔

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

[اسلامی فقہ اکیڈمی کے سولہویں سیمنار مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی صاحب بانی ومہتمم جامع اسلامیہ دارالعلوم مہذب پور اعظم گڑھ کی دوعوت پر جامعہ ہذا میں منعقدہ ۳۰/مارچ تا ۲/اپریل ۲۰۰۷ کے فیصلے نقل کیے جاتے ہیں جس میں ۲۰۰ علماء، ارباب افتاء اور ماہرین نے شرکت کی تھی]

۱۔ حج اسلام کی ایک اہم ترین عبادت ہے جو زندگی میں ایک ہی بار فرض ہے اس لیے حجاج کرام کو چاہیے کہ حج میں افضل اور مسنون طریقہ پر عمل کریں اور زیادہ

سے زیادہ احتیاطی پہلو کو ملحوظ رکھیں، یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ تینوں دنوں (۱۰/۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ) کو رمی کے اوقات میں کافی وسعت ہے، اور ہر دن اگلے دن کے طلوع صبح صادق تک رمی کرنے کی گنجائش ہے، اس لیے اگر رمی کے لیے اپنے حالات کے لحاظ سے مناسب وقت کا انتخاب کیا جائے تو دشواری نہ ہو اور حادثات پیش نہ آئیں، کیونکہ زیادہ تر حادثات عجلت پسندی اور مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے پیش آتے ہیں۔

۲۔ ۱۰/ذی الحجہ کی رمی طلوع آفتاب سے پہلے اور صبح صادق کے بعد کرنا عام لوگوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ معذورین، بیمار، خواتین اور ضعیف حضرات کے لیے اس وقت بھی رمی کرنا بلا کراہت جائز ہے۔

۳۔ ۱۰/ذی الحجہ کی نصف شب سے رمی کرنا کسی کے لیے بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ اس وقت رمی کا وقت ہی شروع نہیں ہوتا ہے۔

۴۔ ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اگلی تاریخ کی صبح صادق سے پہلے پہلے تک رہتا ہے، ان ہی اوقات میں رمی کرنا چاہئے اور حج فرض ادا کرنے والوں کو خاص کر اس کا اہتمام کرنا چاہئے، البتہ شدید مجبوری اور دشواری کی بنا پر اگر کسی شخص نے زوال سے پہلے رمی کر لی تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک قول پر عمل کرتے ہوئے اس پر دم واجب نہیں ہوگا۔

۵۔ ۱۱/ ۱۲/ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد رمی کرنا ازدحام کی موجودہ کیفیت کو دیکھتے ہوئے مکروہ نہیں ہے۔

۶۔ ۱۲/ذی الحجہ کو غروب آفتاب کے بعد منی میں رکے رہنے سے ۱۳/ذی الحجہ کی رمی واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر منی میں ۱۳/ذی الحجہ کی صبح صادق طلوع ہو جائے تو پھر ۱۳/ کی رمی بھی واجب ہو جائے گی۔

۷۔ ایام منی میں حجاج کے لیے منی میں ہی رات گزارنا مسنون ہے، اس لیے حجاج

کرام کو چاہیے یہ راتیں منی میں گزاریں اور بلاضرورت محض راحت وآرام کے لیے منی سے باہر قیام کر کے ایک اہم سنت کے تارک نہ بنیں۔

۸۔ البتہ اگر جگہ کی تنگی اور حکومت کے نظام کی وجہ سے منی کے باہر قیام کرنا پڑے تو اس میں حرج نہیں ہے۔(۱)

معذور کے احکام

رمی جمرات میں عذر کی وجہ سے نیابت جائز ہے(۲) عورت دسویں کو سورج نکلنے سے قبل اور گیارہویں، بارہویں کو سورج غروب ہونے کے بعد رات میں ہجوم کے خوف سے رمی کرے یا ضعیف وکمزور اس طرح کرے تو جائز ہے ان کے علاوہ کے لیے مکروہ ہے۔(۳)

رمی میں معذور کون کہلاتا ہے؟

بعض حضرات نے فرمایا کہ بے ہوش اور نا سمجھ بچے کے علاوہ جو شخص کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو، اور جمرات تک پیدل یا سوار ہو کر آنے میں جس کو سخت تکلیف ہوتی ہو، وہ معذور ہے، اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف ہوتی ہو، تو وہ معذور ہے، اگر اس کو آنے میں مرض بڑھ جانے کا اندیشہ یا تکلیف نہ ہو، تو پھر اس کو خود آ کر رمی کرنی ضروری ہے، اور دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، نیز سواری کے ذریعہ قادر کو اگر سواری یا اٹھانے والا دستیاب نہ ہو، اور معذور دوسرے سے رمی کرا سکتا ہے۔(۴)

ثم المريض ليس على اطلاته، ففى الحاوى عن المنتفى عن محمد إذا كان المريض بحيث يصلي جالسا رمى عنه، و لا

---

(۱) رمی جمار کے اوقات اور منی میں شب گزاری موجودہ حالات کے پس منظر میں: ۱۵، ایفا پبلیکیشنز، نئی دہلی

(۲) منسک عطاء: ۱۸۱

(۳) معلم الحجاج: ۱۷۴

(۴) زبدة المناسك: ۱۸۶

شیء علیه انتهی، ولعل وجهه أنه إذا کان یصلی قائما، فله القدرة علی حضور المرمی راکباً أو محمولاً، فلا یجوز النیابة عنه (۱)

بعض حضرات عرفات ومزدلفہ وغیرہ کے معمولات کی وجہ سے تھکے ماندے ہوتے ہیں، وہ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ اب اتنی طاقت نہیں کہ خود جا کر رمی کریں، اس لیے اپنی رمی دوسرے سے کراتے ہیں۔

خوب سمجھ لیجیے کہ صرف تھکے ہوئے ہونا شرعی عذر میں داخل نہیں، جب تک کہ واقعی درجہ کی معذورنہ پیدا ہو، لہذا تھکے ہوئے ہونے کو عام حالات میں عذر خیال کر کے دوسرے سے رمی کرانا جائز نہیں، جب ایک شخص اپنے وطن سے دور دراز کا سفر کر کے مکہ مدینہ، منیٰ اور وہاں سے عرفات پھر مزدلفہ اور وہاں سے منی میں پہنچ سکتا ہے، اور اپنے ملک بھی واپس آنا ہے، تو اب منیٰ میں رہتے ہوئے جمرات تک پہنچنا ان تمام مراحل کے مقابلہ میں کوئی مشکل کام نہیں، خصوصاً آج کے دور میں جبکہ ہر قسم کی سہولیات اور سواریاں (ویل چیئر وغیر) بآسانی مہیا ہوجاتی ہیں، کوئی بھی مشکل کام نہیں، لیکن اگر کوئی نہ چاہے تو بہانے ہزار ہیں۔

پس اس قسم کے نفسانی حیلوں کو بنیاد بنا کر حج کی عظیم سعادت سے محرومی بہت بڑی نادانی وناعاقبت اندیشی ہے۔ (۲)

معذور کا اپنی رمی کے لیے نمائندہ بنانا ضروری ہے

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ جو بے ہوش یا ناسمجھ بچہ نہ ہو، اور وہ خود رمی کرنے پر قادر ہو، اس کو خود ہی رمی کرنا ضروری ہے، اس کا کسی دوسرے کو رمی کرنے کے لیے نائب بنانا معتبر نہیں۔

---

(۱) دیکھا جائے: مناسك ملا علی القاری: ۲۴۸

(۲) مناسک حج کے فضائل واحکام: ۲۴۷-۲۴۸

اسی طرح جو شخص رمی کرنے پر قادر نہ ہو، مگر وہ ہوش وحواس میں ہو، تو اس کی طرف سے رمی معتبر ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ دوسرے شخص کو اپنی رمی کرنے کا نائب ونمائندہ بنائے، اس کے کہے بغیر کسی دوسرے کس خود سے اس کی طرف سے رمی کر دینا معتبر نہیں خواہ، خواہ وہ رمی کرنے بعد دوسرے کو آ کر اطلاع بھی کیوں نہ دے دے۔

الخامس: أن يرمی بنفسه، فلا تجوز النيابة عند القدرة، وتجوز عند العذر، فلو رمی عن مريض أی لا يستطيع الرمی بأمره أو معنی عليه ولو بغير أمره، أو صبی غير مميز، أو مجفون جائز (۱)

بعض لوگ ہوش وحواس میں تو ہوتے ہیں، لیکن شرعی معذور ہونے کی وجہ سے خود رمی کرنے سے عاجز ہوتے ہیں، ان کی طرف سے آج کل دوسرے لوگ رمی کر دیتے ہیں، لیکن اس رمی کرنے کا معذور کی طرف سے حکم نہیں ہوتا، اس طرح کی رمی معتبر نہیں، لہٰذا کو مرد یا عورت خود رمی کرنے سے شرعاً معذور ہو، اس کا کسی دوسرے سے اپنی رمی کرانا اس وقت معتبر ہے جب کہ وہ خود کسی دوسرے کو اپنی کنکری مارنے کا حکم دے (یعنی اپنی رمی کرنے کا نمائندہ اور وکیل بنائے مثلاً یہ کہے کہ آُ میری طرف سے بھی کنکری ماردیں) اگر اس معذور نے کسی کو اپنا نمائندہ نہیں بنایا اور کسی ہمراہی یا شوہر، یا محرم ورشتہ دار وغیرہ نے اس معذور کے حکم کے بغیر خود اس کی طرف سے کنکریاں مارنے کے بعد معذور کو بتلا بھی دیا ہو اور وہ اس پر راضی بھی ہو گیا ہو، پس اگر وقت باقی ہو تو کہہ کر اپنی رمی دوبارہ کرائیں ورنہ دم لازم ہوگا، البتہ اگر کوئی بے ہوش یا مجنون ہو تو بغیر اس کے کہے بھی اس کے ساتھیوں کا اس کی طرف سے رمی کرنا جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) مناسك ملا علی قاری: ۲۴۷

(۲) مناسک حج کے فضائل واحکام: ۴۵۰

معذور کی طرف سے رمی کا افضل طریقہ

اگر کوئی شخص خود سے رمی کرنے پر قادر نہ ہو، لیکن جمرات تک پہنچنے پر قادر ہو، تو اسے جمرات تک پہنچنا افضل ہے، اور بہتر طریقہ یہ ہے کہ اس مریض ومعذور کے ہاتھ پر کنکری رکھے، اور اس کا ہاتھ پکڑ کر رمی کرائے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مستحب یہ ہے کہ مریض ومعذور شخص خود سے اپنے نائب کو رمی کرنے کے لیے کنکریاں فراہم کرے، اور اگر وہ خود سے تکبیر کہہ سکتا ہو، تو تکبیر بھی کہے، اور نائب اس کی طرف سے کنکریاں مارے۔

لیکن اگر وہ یہ عمل نہ کرے، بلکہ کسی دوسرے کو اپنی رمی کرنے کا صرف نائب بنادے، اور وہ خود جمرات پر حاضر نہ ہو، تو اس کی طرف سے نائب کو جمرات پر جا کر رمی بھی جائز ہے۔

ومن كان مريضا أو مغمى عليه توضع الحصاة في يده ويرمي بها، وإن رمى عنه غيره بأمره أجزأه والأول أفضل وفي اللباب ولو رمى بحصاتين إحداهما عن نفسه والأخرى عن غيره جاز ويكره، والأولى أن يرمي أولا عن نفسه ثم عن غيره (۱)

ہجوم کی وجہ سے رمی میں دوسرے کو نمائندہ بنانا

بعض اہل علم حضرات نے یہ بھی فرمایا کہ مرد یا کسی عورت کو یہ جائز نہیں کہ صرف ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے، اپنی طرف سے نیابۃ رمی کرائے۔ (۲)

یہ بات دوبارہ سمجھ لینی چاہیے کہ حج کرنے والے کو جمرات کی رمی واجب ہے،

---

(۱) منحة الخالق على البحر الرائق: ۲/ ۳۶۹، مزید دیکھئے: المجموع المهذب: ۲/ ۲۴۴، المغنی لابن قدامہ: ۳/ ۴۲۸، مناسک حج کے فضائل واحکام: ۴۴۷

(۲) زبدة المناسك: ۱۸۴

اس کے چھوڑ دینے پر دم لازم ہے، مرد وعورت، بیمار وضعیف سب کو خود جا کر اپنے ہاتھ سے رمی کرنی چاہیے، کسی دوسرے کو اپنا نائب بنا کر رمی کرانا بلا شرعی عذر کے جائز نہیں۔

آجکل اس مسئلہ میں بہت غفلت ہورہی ہے، معمولی باتوں کی وجہ سے دوسروں کے ذریعہ سے رمی کرالی جاتی ہے، خاص طور پر خواتین تو اس معاملہ میں بہت ہی غفلت ولا پرواہی کا شکار ہیں اور عام طور پر مردوں کے واسطہ سے اپنی رمی کروا کر، مطمئن اور بے فکر ہوجاتی ہیں، ایسا کرنا بالکل جائز نہیں، اس سے دم واجب ہوجاتا ہے، اس لیے خواتین وحضرات یہ سنگین غلطی ہرگز نہ کریں، وہاں کسی کی باتوں میں بھی نہ آئیں اور نہ ہی دیکھا دیکھی دوسروں کے اس غلط طرز عمل سے متاثر ہوں، بلا شرعی عذر کے اپنا واجب چھوڑ کر گناہ گار نہ ہوں اور اپنے حج کو ناقص نہ کریں، البتہ شرعی عذر ہو تو دوسرے کو کہہ کر اور اس کو اپنا نائب بنا کر رمی کرانا جائز ہے۔(۱)

تاخیر افضل ہے یا نیابت افضل؟

جمرات کی رمی کرنے کا سلسلہ شریعت نے معذورین کو نائب بنانے کی اجازت دی ہے نیز عذر کی وجہ سے رمی کو تاخیر سے ادا کرنے کی بھی گنجائش دی ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرض وعذر کی صورت میں تاخیر کر کے ادا کرنا بہتر یا بجائے تاخیر کے کسی کو نائب یا وکیل بنا کر وقت پر ادا کرنا بہتر ہوگا، تو اس حوالہ سے جواب یہ ہے کہ حالتیں دو ہیں

۱) پہلی حالت:۔ بیماری یا عذر ایسا ہے کہ ایام تشریق کے گزرنے سے پہلے پہلے شفایابی یا عذر کے ختم ہونے کی امید نہیں ہے تو ایسی صورت میں وکیل اور نائب بنا کر وقت پر رمی کرانا افضل اور بہتر ہے۔

۲) دوسری حالت: بیماری یا عذر ایسا ہے کہ ایام تشریق کے گزرنے سے پہلے پہلے شفایابی یا عذر کے ختم ہونے کی امید ہے تو وکیل اور نائب بنانے کے بجائے

---

(۱) مناسک حج کے فضائل واحکام: ۴۴۹

تاخیر کرنا افضل اور بہتر ہے۔(۱)

مسئلہ: محض از دحام اور بھیڑ نائب بنانے کے لیے عذر شمار نہ ہوگا۔ان شدة الزحام عندالجمرات ليست عذرا مبيحاللاستنابة (۲)

نیابت کی ایک شرط

احادیث کی عبارتوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جو شخص صاحب استطاعت ہونے کے باوجود حج کرنے کی قدرت نہ رکھے تو ایسا شخص دوسرے کو نائب بنا کر حج بدل کرا سکتا ہے۔(جیسا کہ بالتفصیل آپ نے پڑھ لیا)۔

لیکن سوال یہ ہے کہ ہر عاجز (استطاعت کے باوجود حج کرنے کی قدرت نہ رکھنے والا) دوسرے نائب بنا سکتا ہے؟ کونسا عذر قابل نیابت ہے؟ اور کونسا نہیں؟ تو اس حوالہ سے فقہاء کی عبارتوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ ہر ایسا عذر اور ہر ایسا فرض جس کے ختم ہونے کی امید نہ ہو تو یہ شخص دوسرے کو نائب بنا سکتا ہے اور ہر ایسا عذر اور ہر ایسا فرض جس کے زائل ہونے اور ختم ہونے کی امید ہو تو یہ شخص دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا جیسے حج کمیٹی میں قرعہ اندازی میں نام کا نہ آنا ویزا کا نہ ملنا، یا حکومت کی طرف سے عارضی طور پر روک لیا جانا، یا کسی دیگر مشغولیت کاروبار گھریلو کام کاج کی بنا پر وقت کا فارغ نہ ہونا یہ سب اعذار ایسے ہیں جس کے ختم ہونے کی امید ہے تو یہ شخص دوسرے کو نائب نہیں بنا سکتا بلکہ یہ انتظار کرے گا اس عذر کے ختم ہونے کا۔

اسی طرح کوئی بیماری میں نائب بنانے کی اجازت آئی ہے وہ ایسے عاجز اور بیماری کی طرف سے ہے جس کے زوال کی امید نہ تھی جیسے خثیمہ کی حدیث۔

نوٹ: جس طرح نائب بنانے والے کے لیے یہ شرط ہے کہ حکومت کی طرف سے اس کو اجازت اور ویزا مل چکا ہو کوئی رکاوٹ نہ ہو، اس طرح نائب بننے والے

---

(۱) مستفاد: النوازل الحج: ۵۶۸، ۵۶۹

(۲) النوازل فی الحج: ۵۶۹

کے لیے بھی یہ ضروری ہے کہ اس کو بھی ویزا اور اجازت مل چکی ہو۔(۱)

رمی میں نیابت کب درست ہے؟

رمیٔ جمرات کے سلسلے میں عام طور پر آج کے زمانے میں حجاج کرام میں یہ بات رواج پا رہی ہے کہ وہ معمولی اعذار، بلکہ بغیر کسی عذر کے بھی خود رمی کو نہیں جاتے، اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جب کہ تمام علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، اور یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے، اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہے، ہاں! وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے، یا بہت مریض اور کمزور ہیں، ایسے لوگوں کے لیے نائب بنانا جائز ہے، نیز محض ازدحام عذر نہیں ہے، اس کا بہتر حال یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر رمی کرنے کا متحمل نہیں، تو وہ وقت مسنون کے بعد وقتِ جواز، بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کر سکتا ہے، اس کے لیے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔(۲)

جو لوگ ۱۰/ذی الحجہ کو طلوع آفتاب سے زوال تک ازدحام کی وجہ سے رمی نہ کر سکے اور زوال کے بعد یا غروب آفتاب کے بعد رمی کرنے پر قادر ہو اس کے لیے کسی کو نائب بنانا جائز نہیں ۱۱/ذی الحجہ کو ذوالحجہ کی صبح سے پہلے تک خود رامی کرے۔

اگر کوئی شخص خود رمی کرنے سے عاجز ہو جیسے وہ تیار معذور یا سن رسیدہ یا کسی وجہ سے رمی کرنا اس کے لیے سخت دشوار ہو تو ایسے شخص کے لیے اپنی طرف سے نائب بنانا درست ہے۔(۳)

رمی سے عاجز ہونے کی دو صورتیں ہیں

ایک یہ ہے کہ حاجی میں کنکری پھینکنے کی بھی طاقت نہ ہو دوسرے دوسرا یہ ہے کہ

---

(۱) مستفاد: النوازل فی الحج: ۵۴

(۲) اہم مسائل جن ابتلاء عام ہے: ۹/ ۱۶۳

(۳) ہدایہ مع الفتح: ۲/ ۵۰۰

کنکری پھینک سکتا ہو لیکن جمرات تک پیدل نہ جا سکتا ہو سواری میسر نہ ہو آج کل صورتحال یہی ہے سواری یا وہیل چیئر جمرات تک لے جانے کی ممانعت ہے اور سی مو سے جمرات کا فاصلہ بھی زیادہ ہے اس لیے جو لوگ واقعی اتنا نہیں چل سکتے دوسرے کو نہیں بنا سکتے ہیں لیکن صرف سستی اور آسانی کے لیے ایسا کرنا درست نہیں۔(۱)

رمی میں نیابت کا طریقہ

اگر کوئی مریض اور معذور شخص جو خود رمی کرنے پر قادر نہ ہو، کسی دوسرے کو اپنی طرف سے رمی کرنے کا حکم دے، اور دوسرا شخص اس کی طرف سے رمی کرے تو جائز ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ نائب پہلے اپنی سات کنکریاں، پوری کرے اس کے بعد مریض اور معذور شخص کی طرف سے سات کنکریاں مارے، اگر یہ نائب شخص اس طرح رمی کرے کہ ایک کنکریاں اپنی طرف سے اور دوسری مریض ومعذور کی طرف سے، تیسری اپنی طرف سے اور چوتھی مریض ومعذور کی طرف سے، یعنی دونوں کی رمی ایک ساتھ پوری کرے، تو یہ مکروہ ہے۔(۲)

فقہ اکیڈمی کا فیصلہ:

۱) رمی جمرات کے سلسلہ میں عام طور پر آج کے زمانہ میں حجاج میں جو بات رواج پا رہی ہے کہ وہ معمولی اعذار بلکہ بغیر عذر بھی خود رمی کو نہیں جاتے اور دوسروں کو نائب بنا دیتے ہیں، جملہ علماء اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں حج کا ایک واجب ترک ہو جاتا ہے، یہ نیابت شرعاً معتبر نہیں ہے اور ایسا کرنے والے پر دم واجب ہوے، ہاں وہ لوگ جو جمرات تک چل کر جانے کی طاقت نہیں رکھتے یا بہت مریض اور کمزور ہیں ایسے لوگوں کے لیے نائب بنانا جائز ہے۔

۲) محض ازدحام عذر نہیں ہے اس کا حل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس ازدحام میں جا کر

---

(۱) رفیق حج وعمرہ:۸۱

(۲) اہم مسائل جن میں ابتلا عام ہے: ۷ر۷ ۱۴

رمی کرنے کا متحمل نہیں تو وہ وقت مسنون کے بعد وقت جواز بلکہ زیادہ دشواری میں وقت کراہت میں بھی رمی کرسکتا ہے، اس لیے یہ مکروہ بھی نہیں ہوگا۔(۱)

اوپری منزل سے رمی کرنا

۱۳۹۵ھ میں مفتی اعظم سعودیہ عربیہ محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ (متوفی ۱۳۸۹ھ) کے فیصلہ کے بعد تینوں جمرات پر ایک پل بنایا گیا، جس سے زمینی راستے اور پل کے راستہ سے جمرات تک براہِ راست کنکری پہونچائی جاسکتی تھی۔

۱۴۱۵ھ میں اس پل میں مزید توسیع اور نئے راستے نکلنے کے کے لیے بنائے گئے۔

۱۴۲۶ھ میں زبردست حادثے کے بعد اور چونکہ حجاج کرام کی تعداد بڑھتی جارہی تھی داخل ہونے نکلنے کے نظام کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مزید مشکلات کے پیدا ہونے کا اندیشہ ختم کرنے کے لیے ایک عظیم پروگرام بنایا گیا، جس میں جمرات کی عمارت اور جمرہ کے اردگرد حوض میں وسعت دی گئی، جانے کا راستہ بھی دومنزلہ بنایا گیا، مذاہب اربعہ میں کسی کا قابل اعتبار قول کی بنیاد پر ہرگز یہ نہیں ہے کہ اوپر کے منزلوں سے رمی کرنا درست نہ ہو، کہا جاسکتا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔

۱۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں کہا ہے کہ: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ رمی جہاں سے بھی کی جائے خواہ دائیں سے، بائیں سے، اوپر سے نیچے سے، درمیان سے بہرصورت درست ہے۔

''وقد اجمعوا علی انه من حيث رماها جاز سواء استقبلها او جعلها عن يمينه او يساره او من فوقها او من اسفلها أو وسطها''(۲)

(۱) حج وعمرہ موجود حالات کے پس منظر میں: ۳۸، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

(۲) فتح الباری: ۵۸۲/۳

۲۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے ''الاستذکار'' میں کہا ہے کہ: اس بات پر اجماع ہے کہ وادی کے اوپر سے یا نیچے سے یا آگے سے کہیں سے بھی رمی کی جائے درست ہے۔

''وقداجمعوا أنه إن رماها من فوق الوادی أو أسفله أو ما فوقه أو أمامه فقدجزی عنه'' (۱)

۳۔ علامہ نووی رحمہ اللہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ: جیسے بھی رمی کی جائے درست ہے بشرطیکہ ''مجمع الحصی'' میں کنکریاں جا گرے۔ ''واجمعوا علی ان الرمی یجزئه علی ای حال رماه اذاوقع فی المرمی'' (۲)

۴۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس بات پر اجماع ہے کہ جہاں سے بھی رمی کی جائے بہرصورت درست ہے۔

''واجمعوا علی أنه من حیث رماها جاز سواء استقبلها أو جعلها عن یمینه أو عن یساره أو رمها من فوقها أو أسفلها أو وقف فی وسطها ورماها''۔ (۳)

۵۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جمرہ عقبہ کی رمی اوپر سے فرمائی ازدحام کی وجہ سے، کسی صحابی نے اس کو غلط نہیں سمجھا اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے۔ ''مصنف ابن أبی شیبة، حدیث ۱۳۴۱۵: باب من رخص فیها أن یرمیها من فوقها'' اس روایت میں حجاج بن ارطاۃ ضعیف راوی ہیں۔

۶۔ ہوا زمین کے تابع ہے، صاحب مکان کے چھت کے اوپر کے حصہ پر صاحب مکان ہی کا حق ہوتا ہے، اس اعتبار سے جب بطن وادی سے رمی کرنا ہے اور بطن وادی پر بنائی گئی تعمیر وادی کے تابع ہے تو اوپری حصہ سے رمی کرنا بطن وادی سے

---

(۱) الاستذکار: ۳۵۱/۴

(۲) شرح النووی علی صحیح مسلم: ۴۲/۹

(۳) شرح سنن ابن ماجه: ۲۱۸/۱

ہی رمی کرنا کہلائے گا، ہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں سے رمی فرمائی وہیں سے رمی کرنا افضل ہے، نہ کہ واجب، کیونکہ مقصود کنکر "**مجمع الحصی**" تک پہنچنا کافی ہے، جہاں سے بھی پہنچا دی جائے رمی ادا ہو جائے گی۔

"**قال السرخسی الحنفی: وقد بینا أن الأفضل أن یرمیها من بطن الوادی، ولکن ما حول ذالك الموضع کله موضع الرمی، فإذا رماها من فوق العقبة فقد أقام النسك فی موضعه فجاز**"(۱)

رمی میں بے جا جلد بازی اور نقصانات

بعض لوگ افضیلت حاصل کرنے یا کراہت سے بچنے کے لیے، یا دسویں تاریخ کو احرام سے جلدی نکلنے کے خیال سے سخت ہجوم میں گھس کر کسی نہ کسی طرح دھکم پیل کر کے اول وقت میں یا دن کے وقت میں کنکریاں مارنے کا اہتمام کرتے ہیں، جس میں ہر سال رمی کے دوران متعدد موتیں واقع ہو جاتی ہیں، اس طرح ہجوم کے اندر گھس کر رمی کرنے میں کئی خرابیاں اور گناہ لازم آجاتے ہیں مثلاً

۱) سخت ہجوم میں جان جانے یا سخت تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے، جبکہ جان بچانا فرض ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا جائز نہیں۔

۲) سخت ہجوم میں اپنے آپ سے دوسروں کو تکلیف پہنچے یا جان جانے کا خطرہ ہے، جبکہ کسی مسلمان کو تکلیف پہنچانا یا اس کی موت کا سبب بننا گناہ ہے۔

۳) سخت ہجوم میں اطمینان وسکون کے ساتھ کنکریاں مارنے کا موقع میسر نہیں آتا جس سے کنکریاں صحیح جگہ نہیں لگتیں۔

۴) سخت ہجوم میں رمی کرنے کی تمام سنتوں کا لحاظ نہیں ہو پاتا اور الٹ سلٹ کسی نہ کسی طرح مار کر بلکہ جان بچا کر نکلنے کی فکر سوار رہتی ہے، لہٰذا سخت ہجوم میں

---

(۱) المبسوط للسرخسی: ۶۶/۴

کنکریاں مارنے سے پرہیز کرنا چاہیے، اگر طاقت ورخاص کونوجواں کو اپنی طاقت وقوت پر ناز واعتماد ہےتوکم ازکم دوسروں کا ہی خیال کرلینا چاہیے۔

پس جب ہجوم کم یا ختم ہوجائے تواس وقت کنکریاں مارنے جائیں، عام طور پر شام کے وقت سورج غروب ہونے سے پہلے ہجوم نہ رہے اس وقت ماریں خواہ مغرب یا عشاء کے بعداوررات میں کنکریاں مارنااس صورت میں مکروہ ہے جب بغیر عذر کے ایسا کیا جائے اورعذرکی صورت میں کوئی کراہت نہیں۔

اورمندرجہ بالاخرابیوں سے بچنے کی وجہ سے رات میں رمی کرناعذرمیں داخل ہے۔

اور یہ بھی یادرکھیں کہ مندرجہ بالاخرابیوں کا ارتکاب کرکے مطلوبہ فضیلت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی، جہاں تک پہلے دن دسویں تاریخ کی رمی کرکے احرام سے جلد فراغت کاتعلق ہے،تواس بارے میں سمجھ لیجئے کہ اولاًتو حج جیسی مقدس ومعظم عبادت کی زندگی میں بار بارتوفیق نہیں ہوتی اور یہ پابندیاں زندگی میں بار بارنہیں آتیں، دوسرے جب حج کی خاطر دور دراز کے سفر کی مشقتیں برداشت کی ہیں اوراس سے پہلے بھی احرام وغیرہ کی پابندیاں نبھانا ہیں تواب صرف چند گھنٹوں کے لیے احرام کی پابندیاں نبا کونسا مشکل ہے،اور جب احرام بھی نہ ہو(جیسا کہ عام طور پر گیارہویں اور بارہویں تاریخ کی رمی کرتے وقت احرام نہیں ہوتا) پھر تو احرام والا عذر بھی موجود نہیں۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) مناسک حج کے فضائل واحکام:۴۴۲-۴۴۳

قربانی۔دم۔جنایت

قربانی کے احکام

۱) رمی کے بعد قارن و متمتع پر قربانی کرنا واجب ہے جبکہ مفرد کے لیے مستحب ہے۔

۲) قربانی کے جانور کے وہی احکام ہیں جو احکام عید الاضحیٰ کی قربانی کے ہیں سوائے اس کے کہ منی میں عید الاضحیٰ کی نماز نہیں ادا کی جاتی ہے اس لیے عید الاضحیٰ کے بعد قربانی کی شرط بھی نہیں ہے۔

۳) جو حاجی مقیم ہو اور صاحبِ نصاب ہو اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے۔

۴) اس زمانہ میں خود سے قربانی کرنا نہایت دشوار ترین عمل ہے اس لیے اگر خود کو تجربہ ہے تو خود سے قربانی کر لے یا معتمد شخص یا بنک کو اپنا وکیل بنا دے۔

۵) قربانی میں ایک بکرا یا ایک دنبہ، ایک پوری گائے یا ایک اونٹ، یا گائے یا اونٹ کا ساتواں حصہ دے سکتا ہے۔

۶) دس ذی الحجہ سے قبل قربانی نہ ہو اور بارہ ذی الحجہ سے مؤخر نہ ہو دس ذی الحجہ سے قبل کی قربانی درست نہیں اور بارہ کے بعد تاخیر کا جرمانہ دم لازم آئے گا۔

۷) حدود حرم ہر گلی میں قربانی جائز ہے مکۃ المکرمہ کی ہر گلی حاجی کے لیے قربانی کی جگہ ہے، حاجی اگر اپنی قربانی حدود حرم سے باہر حل میں اپنے وطن میں قربانی دے گا تو اس قربانی کے علاوہ ایک اور قربانی جرمانے کے طور پر واجب ہو گی۔

۸) دم جنایت ہو یا حج کی واجب قربانی، دونوں حدودِ حرم میں کرنا واجب ہے اگر

حدود حرم سے باہر کرے گا تو دو قربانیاں کرنا لازم ہونگی؟؟

۹) حاجی کو دم قران، دم تمتع، دم تطوع اور عید الاضحیٰ کی واجب قربانی کا گوشت احناف وشوافع کے نزدیک کھانا جائز ہے اس کے علاوہ دم جنایات، دمِ نذر اور دمِ احصار کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں اگر چہ دم دینے والا فقیر ہی کیوں نہ ہو، فقیر کو دوسرے حجاج کا دم کفارہ کا گوشت کھانا جائز ہے لیکن اپنے دم کفارہ کا گوشت کھانا جائز نہیں، البتہ مالکیہ، اور حنابلہ کے نزدیک حج تمتع وقران کرنے والے کی قربانی میں وہی احکام ہیں جو واجب قربانی میں ہیں یعنی تین حصہ کیے جائیں گے جن کو خود متمتع بھی کھا سکتا ہے۔

۱۲) قارن یا متمتع قربانی سے قبل حلق کرالیں تو دم واجب ہوگا قربانی کو حلق پر مؤخر کرنے کی وجہ سے۔(۱)

۱۳) حلق اور قربانی دس ذی الحجہ کو کرنا لازم نہیں بلکہ بارہویں تک مؤخر کرنا چاہے تو کرسکتا ہے البتہ متمتع اور قارن کا قربانی سے قبل حلق یا قصر کرنا درست نہیں اور حلق یا قصر کے بغیر احرام سے خارج نہیں ہوگا، اگر بارہویں ذی الحجہ گزر جانے تک مؤخر کیا تو اما صاحب کے نزدیک دم واجب ہے۔(۲)

۱۵) رمی کے فورا بعد قربانی کرنا واجب نہیں ہے رمی ہوجانے کے بعد قربانی میں تاخیر درست ہے، البتہ کوشش کی جائے کہ حلق سے پہلے قربانی ہوجائے۔

قربانی خود کریں یا بینک کو دیں؟

حج تمتع اور قران والا جس پر قربانی واجب ہے کئی وجوہات سے بہتر ہے کہ اپنی قربانی بینک کو دیدے:

۱) ہر شخص کو اس بات کا کہاں تجربہ ہے کہ خود سے جانور خرید کر قربانی کرے جبکہ

---

(۱) انوار مناسک: ۵۱۵/۵۰۷

(۲) ہدیہ رشیدیہ: ۱/۲۵۴، بحوالہ انوار مناسک: ۵۰۴

حاجیوں میں بہت سے بوڑھے اور پہلی بار حج پر آئے ہوتے ہیں اور ازدحام کی وجہ سے رمی وغیرہ امور ہی دشواری سے ہوتے ہیں۔

۲) ہر شخص کو کہاں ثقہ، اور قابل اعتماد اشخاص کہاں میسر ہونگے کہ حاجی اس پر اعتماد کر کے اپنی قربانی حوالے کر دے۔

۳) آج کل جبکہ دھوکہ دھی عام ہے بہت سے چور اور دھوکہ باز نیکوں کا لباس پہن کر سادہ لوح مسلمان کو بڑی آسانی سے دھوکہ دے جاتے ہیں ایسی صورت میں حاجی نما چور کے حوالے اپنی قربانی کر کے قربانی ہی ادا نہ ہونے سے بہتر ہے کہ کوئی دیر سویر سہی قربانی ہی ادا کر دے۔

۴) اور اسلامی بینک پر بلا تحقیق شک کرنے اور اس کے دیے گیے وقت پر اعتماد نہ کرنے کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے جب وہ اسلامی بینک ہے اور دس ذی الحجہ کو تقریبا پچیس لاکھ حاجیوں کی قربانی کی ذمہ لیتی ہے جبکہ ثقہ شخص سو پچاس کی ذمہ داری لے گا اور کیا ضروری ہے کہ وہ اپنے دیے وقت پر قربانی کر ہی دے بالفرض اگر یہ تنہاء سو پچاس کی ذمہ داری وقت پر پوری کر سکتا ہے تو ایک بینک بدرجہ اولی اپنے حساب سے اپنے تمام افراد کی ذمہ داری پوری کر سکتا ہے۔

۵) بینک قربانی کے بعد گوشت کو اہتمام سے گوشت کو محتاجوں تک پہنچا تا ہے اور پہنچانے کا خرچہ خود برداشت کرتا ہے جبکہ اگر خود قربانی کی جائے تو گوشت کا صحیح استعمال نہیں کر سکتے اور نہ ہر پڑے ہوئے گوشت کو کوئی بدو لے جاتا ہے اور بلدیہ کا اصول ہے کہ مذبح سے گوشت لے جانے کی اجازت نہیں بالاخر قربانی کے بعد گوشت یوں ہی ضائع ہو جائے گا۔

۶) اگر بینک دیے ہوئے وقت میں تاخیر کر دے تو حلق یا قصر پہلے اور قربانی بعد میں ہوگی یعنی ترتیب بدل جائے گی لیکن اس سے کوئی دم لازم نہیں ہوگا کیوں کہ ترتیب واجب نہیں ہے۔

شرکۃ الراجحی کا حکم

آج کل "شرکۃ الراجحی" کی طرف سے قربانی کا نظم کیا گیا ہے اس کی طرف سے ٹوکن فروخت کردیا جاتا ہے اور ادارہ قربانی کا وقت مقرر کردیتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی گنجائش ہے البتہ ادارہ سہولت دیتا ہے کہ اگر دس آدمیوں کا گروپ ہو تو ایک شخص کو اپنی طرف سے وکیل بنا کر بھیجیں اور وہ خود جا کر سب کی طرف سے قربانی کر دے یہ صورت اختیار کرنا بہتر ہے، بہت سے لوگ حجاج سے پیسے لیتے ہیں اور قربانی کرنے کا وعدہ کرتے ہیں ان پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے دینا چاہے تو اور خوب تحقیق کے بعد ہی ان کو پیسے دینے چاہیے۔(۱)

حج کمیٹی کا جبراً قربانی کا پیسہ وصول کرنا

حاجیوں سے قربانی کا پیسہ جبری طور پر حاصل کرنا شرعاً جائز نہیں ہے، اسمیں کئی خرابیاں لازم آتی ہیں:

۱) ہندوستان سے بذریعہ حج کمیٹی جانے والوں میں تقریباً 95 / فیصد حنفی مسلک کے حاجی ہوتے ہیں اور اس طرح حاجیوں سے پیسہ وصول کرکے قربانی کروانے میں مسلک کا مفتی بہ قول کالعدم کردینا لازم آتا ہے، کیونکہ عبادات مالیہ میں رضا شرط ہے اور جبری وصول کرنے میں رضا فوت ہوجاتی ہے، یہ انتہائی خطرناک بات ہے۔

۲) قربانی کرنے میں حاجی کو اختیار ہے وہ اپنے خرچ کے حساب سے سستا یا مہنگا اپنے پسندیدہ جانور کی قربانی کرے گا یا اپنے کسی حاجی کے اختیار سے نکل جاتی ہے۔

۳) جو حاجی پیسوں کی کمی کی وجہ سے قربانی نہیں چاہتا ہے اس کو شریعت نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ وہ قربانی نہیں کرے گا؛ بلکہ وہ قربانی کے بجائے

---

(۱) رفیق حج وعمرہ: ۸۴ مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم

روزہ رکھے گا اور یہ حکم بھی قرآن کے نصِ قطعی سے ثابت ہے، تو حاجیوں سے جبری رقم وصول کرنے کی صورت میں قرآن کریم کی نص قطعی کی خلاف ورزی لازم آتی ہے، اور لگ بھگ ایک لاکھ بیس ہزار بذریعہ حج کمیٹی جو حج کو جاتے ہیں، ان میں سے ہزاروں کی تعداد ایسی ہوتی ہے۔

جو پیسوں کی کمی کی وجہ سے قرض لے کر فریضۂ حج ادا کرنے جاتے ہیں، اگر چہ انہوں نے حج کمیٹی میں پیسہ جمع کیا ہے، مگر انہوں نے پیسوں کی ایک مقدار قرض لے کر جمع کی ہے اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ کچھ پیسے بچا کر واپسی میں قرض میں ادا کریں گے، حج کمیٹی آف انڈیا نے ایسے حجاج کرام کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کیا ہے اور قرآن نے ان کو جو حق دیا ہے اس حق کو چھین لیا ہے۔

۴) بہت سے حجاج کرام یہ چاہتے ہیں کہ ہم مدینہ منورہ سے حج افراد کا احرام باندھ کر جائیں گے، مگر حج کمیٹی نے ان حضرات سے بھی قربانی کا پیسہ جبری طور پر وصول کرلیا ہے اور یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ حاجیوں کو پریشان کرنا ہے اس لیے حج کمیٹی کا یہ طریقہ شرعاً اور قانوناً دونوں اعتبار سے درست نہیں ہے۔(۱)

اجتماعی قربانی کا حکم

اگر متعدد افراد نے مل کر اپنی تعداد کے حساب سے اکٹھے جانوروں کو ایک ساتھ خرید کر ہر ایک کی طرف سے جانوروں کے نامزد اور تعین کئے بغیر سب کی طرف سے ذبح کردئے جائیں تو سب کی قربانی صحیح ہوجائے گی، مثلاً دس افراد نے ۔**"لا علی التعین"** دس بکرے ایک ساتھ خرید کر سب کی طرف سے قربانی کردی تو سب کی قربانی صحیح ہوجائے گی، اس طرح سب کی طرف سے دس جانور خرید کر سب کی طرف سے ذبح کردیا ہے، اور کونسا بکرا کس کا ہے، کوئی تعین یا نام زد نہیں کیا تو بھی سب کی قربانی صحیح اور درست ہوجائے گی، لیکن بہتر یہی ہے کہ ہر ایک فرد کے لیے ایک نمبر متعین کرلیا جائے

(۱) فتاوی قاسمیہ: ۱۲/۱۱۴

اور جانوروں پر وہی نمبر لگا دیا جائے تا کہ ہر ایک کی قربانی متعین ہو جائے اور کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔

''ولو اشتری عشرة عشر اغنام بینهم فضحی کل واحد واحدة جاز (وقوله) اشتری سبعة نفر سبع شیاه بینهم ولم یسم لکل واحد منهم شاة بعینها فضحوابها کذالک فالقیاس ان لایجوز وفی الاستحسان یجوز"(۱)

دم جنایت کا مصرف

دم جنایت کا مصرف فقراء ومساکین ہیں، ان کے علاوہ کسی اور کے لیے اس گوشت کا استعمال کرنا درست نہیں ہے؛ لہذا حاجی کے لیے اسی طرح اس اصول وفروع اور اہلیہ وغلام کے لیے اور اور سید کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں ہے۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق کافر کو بھی نہیں دے سکتے ؛ لہذا اگر ان میں سے کسی ایک کو دے دیا تو اس صورت میں اس کی قیمت لازم ہوگی۔ (۲) نیز یہ حدود حرم کے علاوہ کسی دوسرے خطہ میں جائز نہیں ہے۔ (۳)

دم جنایت کے گوشت اور قربانی کے گوشت کا فرق

قربانی کا گوشت قربانی کرنے والے کے لیے استعمال کرنا ہے، جب کہ دم جنایت میں سے دم دینے والے کے لیے گوشت کا استعمال درست نہیں ہے؛ لہذا اگر کسی نے گوشت کھالیا یا اس کو فروخت کر دیا، تو ایسی صورت میں اس پر اتنے گوشت کی قیمت کا ضمان لازم ہے۔ (۴)

---

(۱) فتاوی ہندیه قدیم: ۵/ ۳۰۶، انوار مناسک: ۵۱۷

(۲) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/ ۶۲۴

(۳) حوالہ سابق: ۱۲/ ۶۳۴

(۴) فتاویٰ قاسمیہ: ۱۲/ ۶۳۴

حجاج کرام پر عید الاضحیٰ کی قربانی

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی ہر صاحب نصاب عاقل، بالغ مسلمان پر جو قربانی کے دنوں میں صاحب نصاب ہو، واجب ہے، لیکن فقہائے احناف کی تصریح کے مطابق عید الاضحیٰ کی قربانی کا واجب ہونا دیگر عام فقہی واجبات مثلاً صدقہ فطر اور سجدۂ تلاوت وغیرہ سے کمزور ہے۔

وصدقة الفطر مقدمة على الأضحية، وإن كانت الأضحية أيضا واجبة عندنا لكن صدقة الفطر متفق على وجوبها، والأضحية وجوبها محل الاجتهاد فالمتفق على الوجوب أقوى (۱)

جبکہ جمہور فقہائے کرام (شافعیہ حنابلہ اور مالکیہ) اور حنفیہ میں سے امام ابویوسف رحمہ اللہ کی روایت اور بعض حضرات کے بقول امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عید الاضحیٰ کی قربانی تاکید سنت ہے۔

ذهب جمهور الفقهاء ومنهم الشافعية والحنابلة، وهو أرجح القولين عند مالك، وإحدى روايتين عن أبي يوسف إلى أن الأضحية سنة مؤكدة۔۔۔الخ (۲)

پھر جو شخص حج کر رہا ہوں، اور وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مسافر ہو، اس پر حج قران یا حج تمتع کی قربانی تو لازم ہے، لیکن وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک مسافر ہونے کی وجہ سے عید الاضحیٰ کی قربانی کا مکلف نہیں۔

البتہ اگر وہ قربانی کے دنوں میں شرعاً مقیم ہو، اور قربانی کے نصاب کا مالک بھی ہو، یعنی اس کے وہاں حج کے اخراجات کے بعد اتنا مال ہو کہ وہ قربانی کے نصاب کے برابر

---

(۱) بدائع الصنائع: ۲/ ۷۲ ۳

(۲) الموسوعة الفقهية الكويتية: ۵/ ۷۶۔ ۷۷

ہوجاتا ہے، توکیا وہ عیدالاضحیٰ کی قربانی کا بھی مکلف ہے، یا نہیں؟

تو اس سلسلہ میں بعض حنفی مشائخ کا کہنا یہ ہے کہ حجاج کرام کے حج کے اعمال میں مشغول ہونے کی وجہ سے جس طرح ان سے عید کی نماز معاف کی گئی ہے، اسی طرح ان سے عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی معاف ہے۔

عن منصور، عن إبراهيم قال: كان أصحابنا يحجون ومعهم الأوراق والذهب فما يذبحون شيئا، وكانوا يتركون مخافة أن يشغلهم عن شيء من المناسك (۱)

عن منصور، عن إبراهيم قال كان عمر يحج فلا يذبح شيئا حتى يرجع (۲)

اور اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک اگر حج کرنے والا قربانی کے دنوں میں مقیم اور قربانی کے نصاب کا مالک ہو تو اس پر عیدالاضحیٰ کی قربانی بھی واجب ہے۔ (اور یہ قربانی حج تمتع یا حج قران کی قربانی سے علٰحدہ ہے، جیسا کہ گزرا)۔

اور شافعیہ کے نزدیک راجح یہ ہے کہ عیدالاضحیٰ کی قربانی حجاج کے حق میں بھی سنت ہے، اور حج کی قربانی، عیدالاضحیٰ کی قربانی سے الگ ہے۔ جبکہ مالکیہ کے نزدیک حاجی پر بہرحال قربانی نہیں ہے۔

البتہ اگر کوئی حاجی عیدالاضحیٰ کی قربانی کرے، تو اس عیدالاضحیٰ کی قربانی کا حرم کی حدود میں کرنا ضروری نہیں، بلکہ حرم کی حدود سے باہر اس سے بڑھ کر اپنے وطن میں کرانا بھی جائز ہے، اور اگر کوئی حرم کی حدود میں کرے تو جائز ہے، کوئی گناہ نہیں۔

اور عیدالاضحیٰ اور حج کی قربانی میں فرق نیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔

---

(۱) مصنف ابن أبي شيبة، من رخص للحج أن لا يضحي وما جاء في ذلك، حدیث نمبر: ۱۴۱۹۲

(۲) حوالہ سابق: ۱۴۳۵۴

اورقربانی کی تعیین کی وجہ سے قربانی کی نیت کا ہونا بھی ضروری ہے، تاکہ اس نیت کے ذریعہ سے یہ بات متعین ہوجائے کہ وہ کونسی قربانی کرنا چاہتا ہے، ظاہر ہے کہ ان سب جانوروں کوذبح کرنے میں فرق بنیادی طور پر نیت کا ہی ہوتا ہے۔(۱)

قربانی میں مقام ذبح کا اعتبار ہے یا مقام مالک کا؟

سعودیہ، کویت وغیرہ میں قمری مہینہ ہندوستان کے مقابلہ میں ایک دن پہلے شروع ہوجاتا ہے اگر کویت میں مقیم شخص نے ہندوستان میں اپنی قربانی کا پیسہ بھیج دیا ہے اور کویت میں ذی الحجہ کی تیرہویں تاریخ کوہندوستان میں ۱۱رویں یا ۱۲ویں تاریخ ہوتی ہے اور ہندوستان کی ۱۱ / ۱۲رذی الحجہ کوکویتی کی قربانی ہندوستان میں جائز ہے، اس مسئلہ میں چار چیزوں کوالگ الگ سمجھنا لازم ہے، اس کے بعد اصل مسئلہ آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے:

۱) قربانی کا شرطِ وجوب: (قربانی واجب ہونے کی شرط) آزاد، مکلف، مسلمان کا مالک نصاب ہونا۔

۲) قربانی کا سبب وجوب: یہ قربانی کا وقت ہے جو یوم النحر کی طلوع صبح صادق سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کی غروب آفتاب تک رہتا ہے، پس جہاں قربانی کی جارہی ہے وہاں بوقت قربانی دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوچکی، اور بارہویں ذی الحجہ کی غروب سے پہلے پہلے تک وقت باقی رہتا ہے، (اور دسویں ذی الحجہ کی صبح صادق ہوتے ہی صاحب نصاب پر جوقربانی واجب ہوچکی ہے بارہویں تاریخ گزرجانے کے بعدبھی ذمہ میں باقی رہتا ہے)۔

۳) شرطِ ادا: مالکِ نصاب پرقربانی کے ایام اوروقت داخل ہونے کی وجہ سے قربانی واجب ہوجانا، لہذا وقت سے قبل جائز نہیں، پس شرط ادا میں مکان اضحیہ کا اعتبار

---

(۱) تفصیل کے لیے: الموسوسة الفقهية:۵ / ۷۴-۷۵-۸۱، مناسک حج کے فضائل واحکام ۴۷۷-۴۷۱

اس وقت ہے جبکہ مکانِ مالک میں قربانی کرنے کے ایام آچکے ہوں۔

۴) شہری آدمی کی قربانی شہر میں کسی بھی جگہ نماز عید الاضحیٰ کی ادائیگی کے بعد میں ہونا، یہ شرط صرف شہر والوں پر لازم ہے، دیہاتی پر لاگو نہیں ہوتی۔

۵) اس کے علاوہ پانچویں چیز بھی پیش نظر رہے کہ: قربانی کے ایام میں اصل قربانی ہی کرنا۔

بدرجہ مجبوری ایام فوت ہونے کی وجہ سے بدل میں تصدق واجب ہوتا ہے؛ لہٰذا اگر دنیا میں کہیں بھی ایام نحر باقی ہوں اور وہاں آسانی کے ساتھ قربانی کرائی جاسکتی ہو تو بجائے تصدق کے قربانی ہی کرانا چاہیے، کیونکہ وہی اصل ہے، اصل پر قدرت کے باوجود بدل کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

لہٰذا جب سعودی عرب میں تیرہویں ذی الحجہ ہو اور اسی دن ہندوستان میں بارہویں ذی الحجہ ہو تو سعودیہ میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان میں ہندوستان کی بارہویں ذی الحجہ کو جائز ہوجائے گی، کیونکہ سبب وجوب کا زمانہ مکان مالک میں آچکا ہے یعنی جہاں پر مالک ہے وہاں قربانی کا زمانہ آچکا ہے اگرچہ آنے کے بعد وقت نکل چکا ہے مقام اضحیہ میں ادائے اضحیہ کا وقت باقی ہے (اور مالک کے اوپر قربانی کے ایام آنے کے بعد اب قربانی کرنے کے لیے قربانی کی جگہ کا اعتبار ہوتا ہے کہ جہاں بھی قربانی ہو وہاں پر قربانی کا زمانہ موجود ہونا لازم ہے) اور ہندوستان میں مقیم شخص کی قربانی ہندوستان کی بارہویں کو سعودیہ میں سعودیہ کی تیرہویں تاریخ کو جائز نہیں ہے اس لیے کہ مکان اضحیہ میں قربانی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے، اس مسئلہ کو یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اصل، مستطیع شخص پر قربانی کا وجوب ہے اور اس کی فرع قربانی کا مقام اور محل ہے، بریں بنا جہاں اصل ہی کا وجود نہ ہو وہاں فرع پر کیسے حکم لگایا جاسکتا ہے۔

"ویعتبر مکان المذبوح لا مکان المالك ... ولو کان هو فی مصر وقت الأضحیة وأهله فی مصر آخر فکتب إلی الأهل

وأمرهم بالتضحية، فی ظاهر الرواية يعتبر مكان الأضحية"(۱)
وفی البحر "وأما شرائط أدائها فمنها الوقت فی حق المصر
بعد صلاة الإمام والمعتبر مكان الأضحية لا مكان المضحی
وسببها طلوع فجر يوم النحر" (۲)

قربانی پر قدرت نہ ہو تو کیا حکم ہے؟

حج تمتع وقران کرنے والا اگر واجب قربانی پر قادر نہ ہو (خواہ کسی بھی وجہ سے) تو دس روزے رکھے تین روزے یوم عرفہ سے پہلے (اور یہ روزے شوال کا چاند دیکھنے کے بعد سے ۹/ذی الحجہ تک کبھی بھی رکھ سکتا ہے) اور بقیہ سات روزے یوم عرفہ کے بعد (خواہ مکہ مکرمہ رکھے یا گھر پر آ کر رکھے) اگر تین روزے یوم عرفہ سے پہلے نہیں رکھ سکا یا تین روزے مکمل ہونے سے قبل یوم عرفہ آ گیا تو احناف کے نزدیک اس پر قربانی واجب ہے، لیکن احناف کے نزدیک راجح قول کے مطابق اس صورت میں دوسرے فقہاء کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے اس کو بعد میں یہ روزے رکھ لینے کی گنجائش ہے، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حج کرنے والا ایسے وقت قربانی کرنے سے معذور ہو جاتا کہ جب دس ذی الحجہ سے پہلے تین روزے رکھنے کا موقع نہیں ہوتا یا مثلاً دس ذی الحجہ یا اس کے بعد معذور ہو جاتا ہے مثلاً قربانی کے لئے لیا ہوا جانور چوری یا گم ہو جاتا ہے، یا اچانک کسی چوری وغیرہ کے حادثہ کی وجہ سے رقم ضائع ہو جاتی ہے، اب اگر ایسی صورت میں دم ہی لازم کیا جائے تو اس حکم پر عمل کرنا انتہائی مشکل کام ہوتا ہے اور بعض آثار سے بھی بعد میں یہ تین روزے رکھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، اور جمہور فقہائے کرام کے نزدیک بھی اس کی گنجائش موجود ہے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ قرآن مجید سے تین روزوں کے حج میں رکھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے تو بعض آثار میں اسکا جواب موجود ہے کہ

---

(۱) خانية: ۳/ ۲۴۳، على هامش الهندية: ۳/ ۳۴۵

(۲) البحر الرائق: ۸/ ۳۱۷، کتاب المسائل: ۲/ ۳۰۱، فتاوی قاسمیہ

ایام منی حج سے تعلق رکھتے ہیں، نیز جب تک جب تک حج کا سفر ختم نہیں ہوجاتا ہے، اس وقت تک ایک حیثیت سے حج کے آثار باقی ہوتے ہیں، علاوہ ازیں جب کوئی قرآن مجید کے حکم ''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ'' کے مطابق قربانی نہ پائے تو اس کا حکم روزوں کی طرف منتقل ہوجاتا ہے، اور جب پہلے تین روزے نہ رکھے جاسکیں، اور وہ حج کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو ''فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ'' کا اطلاق اب بھی موجود ہے، اور اس صورت میں جبکہ وہ قربانی پر قادر ہی نہیں، اور روزوں کا سارا قضیہ ہی قربانی پر قادر نہ ہونے پر مبنی ہے، پھر بھی اس کو قربانی کا مکلف کرنا ایک حیثیت سے تکلیف مالا یطاق معلوم ہوتا ہے:

"ولنا، أنه صوم واجب، فلا يسقط بخروج وقته، كصوم رمضان، والآية تدل على وجوبه لا على سقوطه، والقياس منتقض بصوم الظهار اذاقدم المسيس عليه، والجمعة ليست بدلا، وإنما هى الأصل، وإنما سقطت لأن الوقت جعل شرط لها كالجماعة، إذا ثبت هذا، فإنه يصوم أيام منى، وهذا قول ابن عمر، وعائشة، وعروة، وعبيدبن عمر، والزهرى، ومالك، والأوزاعى، وإسحاق، والشافعى في القديم، لماروى ابن عمر، وعائشة قالا: لم يرخص فى أيام التشريق أن يضمن إلا لمن لم يجد الهدى، رواه البخارى، وهذا ينصرف إلى ترخيص النبى ﷺ ولأن الله تعالى أمر بصيام الثلاثة في الحج، ولم يبق من أيام الحج إلاهذه الأيام فيتعين الصوم فيها فإذاصام هذه الأيام، فحكمه حكم من صام قبل يوم النحر" (۱)

شافعیہ کے نزدیک یہ تین روزے یوم عرفہ کے بعد بھی رکھ سکتا ہے، اور اگر کوئی

(۱) المغنی لابن قدامة: ۳/ ۴۱۸، باب صفة الحج

شخص تین روزے رکھنے سے پہلے قربانی پر قادر ہوگیا تو اس پر واجب ہے کہ روزے ترک کر کے قربانی ادا کرے جبکہ شوافع وحنابلہ کے نزدیک متمتع وقارن کو اختیار ہے خواہ روزے رکھے خواہ قربانی دے:

”من دخل في الصيام ثم قدر على الهدى لم يكن عليه الخروج من الصوم إلى الهدى إلا أن يشاء وهذا عند الشافعية والحنابلة وقال الحنفية: إن وجد الهدى بعد صوم يومين بطل صومه، ويجب الهدى، وبعد التحلل لا يجب كالمتيمم إذا وجد الماء بعد فراغه من الصلاة“ (۱)

قربانی کی قدرت نہ ہونے پر دس روزوں کی ترتیب

جو شخص حج تمتع یا حج قران کی قربانی پر قادر نہ ہو، تو اسے قربانی کے بجائے دس روزے اس ترتیب وتفصیل کے ساتھ رکھنا چاہیے کہ تین روزے تو دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے رکھ لے، خواہ لگاتار یا وقفہ ڈال کر۔

اور ان تین روزوں کے رکھنے میں مستحب طریقہ یہ ہے کہ حج کا احرام سات ذی الحجہ سے پہلے باندھ کر دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے یہ تین روزے رکھ لے۔

اور اگر حج تمتع کرنے والا اپنے وطن سے آتے وقت عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد دس ذی الحجہ سے پہلے پہلے کسی بھی وقت یہ تین روزے رکھ لے، تو حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک تب بھی جائز ہو جاتے ہیں۔

اور باقی ماندہ سات روزے حج سے فارغ ہونے کے بعد رکھے جائیں گے، خواہ مکہ یا حرم میں رکھ لے یا مدینہ منورہ یا کسی اور جگہ جا کر یا پھر اپنے گھر واپس آنے کے بعد رکھ لے، سب طرح جائز ہے۔ (۲)

---

(۱)　الموسوعة الفقهية: ۱۵/ ۱۴

(۲)　تفصیل کے لیے دیکھیے: الموسوعة الفقهية: ۱۴۰۱۳، ۱۴، مادۃ تمتع مناسک حج کے فضائل واحکام ۴۸۲-۴۸۴

حلق

مصنوعی بال والے کے لیے حلق کا حکم

حالتِ احرام سے نکلنے پر مردوں کے لیے اگرچہ حلق یعنی استرے سے بالوں کا مونڈھنا اور صاف کرنا افضل ہے، تاہم اگر کسی شخص نے اپنے سر پر مصنوعی بال لگوائے ہو، تو وہ بجائے صاف کرنے کے صرف قصر کرلے، اس طور پر کہ پورے سر کے بال والوں کو قینچی سے چھوٹا کروالے، تو اس کی بھی اجازت ہے (اس میں بھی شرط یہ ہے کہ بال انگلی کے پوروے کے برابر ہو) اور اگر مصنوعی بال والا حصہ بمقابلہ دیگر حصے کے چوتھائی سر کے برابر یا اس سے کم ہو، تو اس صورت میں بھی وہ احرام سے نکل جائے گا، مگر اس کا یہ عمل کراہت سے خالی نہیں، اس لیے پہلی دو صورتوں (پورے بالوں کا حلق کرنا، یا پورے بالوں کو قینچی وغیرہ سے چھوٹا کروانا) میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کرنا زیادہ بہتر ہے۔(۱)

گنجے پن یا کم والوں کے لیے حلق

اگر کسی کے سر کے بعض حصہ پر کچھ بال ہوں، اور وہ واجب مقدار سے کم ہوں (جس کی مقدار حنفیہ کے نزدیک لمبائی میں کم از کم ایک پوروے کے برابر، اور پھیلاؤ میں کم از کم چوتھائی سر کے برابر ہے) یا بعض حصہ پر بالکل بال نہ ہو، تو حنفیہ کے نزدیک سر پر استرا پھروانا واجب ہے۔

☆ اور اگر کسی کے سر پر بالکل بال نہ ہو، مثلاً بڑھاپے یا کسی بیماری کی وجہ سے سر کے

---

(۱) اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: ۷/ ۱۶۴

بال پوری طرح اڑ گئے ہوں ، یا اس سے پہلے قریبی وقت میں بال منڈوا لیے ہوں ،تو حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک ایسے شخص کو احرام سے نکلتے وقت سر پر اُسترا وغیرہ پھروانا واجب ہے ،خواہ اُسترے وغیرہ میں بال نہ آئیں ، کیونکہ جب بال موجود نہ ہوں تو استرا پھیرنا بال مونڈھنے کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔

جبکہ شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک ایسے شخص سے بہرحال سر کے بال منڈھانے کا حکم ساقط و معاف ہوجاتا ہے، کیونکہ جب استرا پھروانے سے بال استرا کے نیچے ہی نہ آئیں گے ،تو یہ ایسا ہی ہوگیا، جیسا کہ کوئی استرا نہ پھروالے ،البتہ پھر اختلاف سے بچنے اور دوسرے آثار کی رعایت کرنے کے لیے سر پر استرا پھروالینا مستحب ہے۔

اور حنفیہ کا ایک قول مذکورہ صورت میں شافعیہ اور حنابلہ کی طرح استرہ پھروانے کے استحباب کا اور ایک قول سنیت کا ہے۔

☆ اور اگر کسی گنجے یا کم مقدار بالوں والے شخص کو سر میں زخم وغیرہ کی وجہ سے استرا پھروانا ممکن نہ ہو،تو پھر استرا پھروانا حنفیہ کے نزدیک بھی معاف ہوجاتا ہے۔(۱)

عورت کے سر کے بال گر جائے تو قصر کا طریقہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے ذمہ بال منڈھوانا نہیں ہے بس عورتوں کے ذمہ تو بالوں کو تراشوانا ہے۔

قال رسول الله ﷺ: ليس على النساء حلق، إنما على النساء التقصير (۲)

لیکن جب عورت کے سر کے بال ہی کینسر وغیرہ کی وجہ سے گر جائے تو اب عورت کے لیے قصر کا طریقہ یہ ہے کہ عورت سر پر قینچی چلائے جو بال آجائے اور کٹ جائے ٹھیک ہے اگر بال بالکل نہ ہو اور نہ کٹے تب بھی ٹھیک ہے حلال ہوجائے گی ، جیسے

(۱) عمرہ کے فضائل واحکام: ۱۶۰-۱۶۱

(۲) سنن ابی داؤد، باب في الحلق والتقصير ،حدیث نمبر: ۱۹۸۳

گنجا جس کے سر پر بالکل بال نہ ہو، اس کے بارے میں فقہاء نے فرمایا کہ استرہ چلادے اگرچہ بال نہ آئے، لیکن عورت حلق نہیں کرسکتی۔

ویجب إجراء الموسی، أي علی الأصح وقیل یستحب هندیه، قوله علی أقرع مثله إذا جاء وقت الحلق ولم یکن علی رأسه شعر، بأن حلق قبل ذلك وإنما وجب إجراء الموسی لأنه لما عجز عن الحلق والتقصیر یجب علیه التشبیه بالحلق الخ (۱)

ولا حلق علی المرأة لما روي عن ابن عباس - رضي الله عنه - عن النبي ﷺ أنه قال: لیس علی النساء حلق، وإنما علیهن تقصیر، وروت عائشة - رضي الله عنها - أن النبي ﷺ نهی المرأة أن تحلق رأسها، ولأن الحلق في النساء مثلة، ولهذا لم تفعله واحدة من نساء رسول الله ﷺ ولکنها تقصر فتأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة لما روي عن عمر - رضي الله عنه - أنه سئل فقیل له: کم تقصر المرأة؟، فقال: مثل هذه، وأشار إلی أنملته (۲)

معذور کا قصر

سر زخمی ہو یا پانی لگنے سے طبیب نے منع کیا ہو یا سر میں پھوڑے پھنسی ہوں تو عذر ختم ہونے تک انتظار کرے اگر انتظار کے بعد بھی عذر ختم نہ ہو تو حلق یا قصر کا حکم ساقط ہوجائے گا اور کوئی کفارہ لازم نہیں ہوگا (۳) بھول گیا کہ احرام میں ہے اور سمجھا کہ احرام

(۱) حاشیہ الصحطاوی علی الدر المختار: ۱/ ۵۱۸

(۲) بدائع الصنائع: ۱/ ۱۴۱، فتاویٰ دارالعلوم زکریا: ۳

(۳) ملخص از: انوار مناسک: ۵۳۰

سے نکل گیا ہوں اس لیے ممنوعات احرام کرلیا تو ایک دم واجب ہوگا تعدد ممنوعات سے تعدد دم لازم نہیں ہے۔

حلق کیے بغیر گھر آجائے تو

۱) عمرہ کر کے حلق کئے بغیر گھر آجائے تو گھر پر حلق کرنا واجب ہے اور حدود حرم سے باہر حلق کرنے کی وجہ سے طرفین کے نزدیک دم دینا واجب ہے چونکہ طرفین کے نزدیک حلق وقصر حدود حرم میں ہونا شرط ہے، یہی مفتی بہ قول ہے، اور دم حدودِ حرم میں دینا واجب ہے۔ "ویختص حلق الحاج بالزمان والمکان عندابی حنیفة علیہ الرحمۃ وحلق المعتمر بالمکان" (۱)

۲) اگر ایک سے زائد عمرہ کیا اور کسی عمرہ میں حلق کئے بغیر گھر چلا گیا تو جتنے عمرہ کیا سب کا علیحدہ دم واجب ہے، نیز کثرت عمرہ کی صورت میں پہلے عمرہ کا حلق کرنے سے پہلے دوسرے عمرہ کا حرام باندھنے کی وجہ سے علیحدہ دم دینا واجب ہے۔

"وَمَنْ فَرَغَ مِنْ عُمْرَتِهِ إِلَّا التَّقْصِيرَ فَأَحْرَمَ بِأُخْرَى فَعَلَيْهِ دَمٌ لِإِحْرَامِهِ قَبْلَ الْوَقْتِ" (۲)

❁❁❁❁❁

(۱) غنیة الناسك:۱۷۵

(۲) فتح القدیر:۳/۱۲۰

متفرق وضروری مسائل

امام مؤذن مدرس کی تنخواہ ایام حج میں

مدرس کی تنخواہ مدرسہ سے اور امام ومؤذن کی تنخواہ مسجد سے متعین ہوتی ہے اس امام یا مدرس پر حج فرض ہوگیا اور یہ جانا چاہتا ہے تو اپنی ذمہ داری ادا کرنے سے قاصر رہتا ہے تو ایام نیابت کی تنخواہ کا کیا یہ امام ومدرس مستحق ہوگا؟ یا نہیں؟

تو اس کے لیے پہلے یہ دیکھا جائے گا کہ مدرس کے ساتھ معاہدہ یا مدرسہ ومسجد کا قانون کیا ہے، جو قانون ہے یا معاہدہ طے کیا گیا ہے اسی کے مطابق عمل کیا جائے گا۔ لیکن اکثر مدارس ومساجد کا معمول تو یہی ہے کہ فرض حج میں تنخواہ کے ساتھ رخصت دیا جاتا ہے۔

وَأَطْلَقَ أَمَّا لَوْ شَرَطَ شَرْطًا أُتُّبِعَ كَحُضُورِ الدَّرْسِ أَيَّامًا مَعْلُومَةً فِي كُلِّ جُمعَةٍ فَلَا يَسْتَحِقُّ المَعْلُومَ إِلَّا مَنْ بَاشَرَ خُصُوصًا إِذَا قَالَ مَنْ غَابَ عَنْ الدَّرْسِ قُطِعَ مَعْلُومُهُ فَيَجِبُ اتِّبَاعُهُ (۲)

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

البتہ معلوم وعرف کا موافق ایام تعطیل ورخصت کی تنخواہ ان کو دینا درست ہے اور اس بارہ میں امام مؤذن ودیگر ملازمین وقف مساوی ہیں۔ (۲)

---

(۱) شامی: ۴/۴۱۹

(۲) عزیز الفتاویٰ: ۲۵۸/۶، ۵، مستفاد: فتاویٰ دار العلوم زکریا: ۳/۳۶۵، ۳۶۶

ہوائی جہاز میں وضو کیسے کریں؟

مشاہدات وتجربات کے مطابق ہوائی جہاز کے عملہ والے بعض وجوہات کی بنا پر جہاز کے غسل خانہ/ بیت الخلا میں وضو کی اجازت نہیں دیتے، اس کی وجہ انتظامی امور اور صفائی وستھرائی کے مسائل ہیں، ہوائی جہاز میں جگہ چھوٹی ہونے اور پانی کے محدود ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ اخراج فاضل مادوں اور پانی کی نکاسی کا انتظام بھی ہوائی سفر کی وجہ سے نہایت محدود ہوتا ہے، نیز! وضو کا اہتمام کرنے والے حضرات جگہ کی صفائی ستھرائی کا اور پانی کے ضیاع کا خیال نہیں رکھ پاتے، جس کی بنا پر جہاز کا عملہ اس عمل سے منع کرتا ہے، تاہم انہیں اس بات کی یقین دہانی کرا دی جائے کہ مذکورہ تمام باتوں کا خیال رکھا جائے گا تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ منع کریں، اس بارے میں حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہ اپنے تجربہ کی روشنی میں فرماتے ہیں:

> ”جہاز کا عملہ ہمیشہ لوگوں کو جہاز میں وضو کرنے سے منع کرتا ہے، اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ یہ شخص غسل خانہ میں جا کر وضو کرے گا تو اس کو روک دیتے ہیں، اس لیے کہ ان کو معلوم ہے کہ جب یہ شخص وضو کرے گا تو سارا غسل خانہ خراب کر آئے گا۔ میں جہازوں میں اکثر سفر کرتا رہتا ہوں اور جہاز کے غسل خانہ میں ہمیشہ وضو کرتا ہوں، مجھے آج تک کسی نے وضو کرنے سے منع نہیں کیا، وجہ اس کی یہ ہے کہ میں اس بات کا اہتمام کرتا ہوں کہ جب میں وضو کر کے باہر نکلوں تو فرش پر پانی کی ایک چھینٹ بھی باقی نہ رہے اور غسل خانے کا واش بیسن بالکل صاف ستھرا رہے، تاکہ بعد میں آنے والوں کو تکلیف نہ ہو۔
>
> لہٰذا اگر ہم صفائی کا ذرا اہتمام کریں تو کوئی مشکل کام نہیں، غسل خانے میں تولیے موجود ہوتے ہیں اور ٹشو پیپر، ٹوئیلیٹ پیپر بھی ہوتے ہیں، آدمی فرش اور واش بیسن کو ان سے صاف کر لے، لیکن ہم تو یہ سوچتے

ہیں کہ بس ہم تو للہ فی اللہ وضو کر کے آ گئے، اب بعد میں آنے والے پر کیا گذرے گی؟ اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ حالاں کہ اس گندگی کے نتیجے میں دوسروں کو تکلیف دینے کا گناہ الگ ہوگا اور لوگوں کو اسلام سے اور دین کے شعائر سے متنفر کرنے کا گناہ الگ ہوگا، العیاذ باللہ" (۱)

چند ایک نمازی ہوں تو پلین یا ٹرین میں اس پر عمل ہوسکتا ہے، لیکن اکثر مسافرین عازمین حج یا عازمین عمرہ ہوں تو اس طرح کرنا خلاف اصول اور پانی کی قلّت کا سبب بھی ہوسکتا ہے، تیمم یا تشبّہ بالمصلّین کے طریقہ پر ہی عمل کرنا ہوگا۔

ہوائی جہاز میں تیمم کرنے کا حکم

اگر کسی بھی طرح جہاز میں وضو کی ترتیب نہ بن سکے، پانی نہ ہونے کی وجہ سے یا کم ہونے کی وجہ سے، یا جہاز کے عملے کی طرف سے باوجود کوشش کے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے تو اس موقع پر مندرجہ ذیل تدابیر مرحلہ وار اختیار کی جاسکتی ہیں:

۱۔ نماز کا وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے جہاز منزل پر پہنچ جائے گا اور اتنا وقت مل جائے گا کہ نیچے اتر کر وضو کر کے نماز ادا کی جا سکے گی تو ایسا ہی کرنا چاہیے ،اور اگر ہوائی اڈے پر نماز ادا کر کے فلائٹ میں بیٹھا جاسکتا ہے تو نماز سے فارغ ہوجانا چاہیے۔

۲۔ اگر اتنا وقت باقی نہ ہو تو پھر تیمم کر کے نماز ادا کی جائے، البتہ تیمم کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ زمین کی جنس کی کسی چیز (مثلاً: اینٹ، پتھر، مٹی، سنگ مرمر وغیرہ) پر کیا جائے، چاہے ان پر کسی قسم کی گرد وغبار پڑی ہو یا نہ۔ اور جو چیزیں زمین کی جنس میں سے نہ ہوں، ان پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے، (مثلاً: تانبا، لوہا، لکڑی، سونا، چاندی وغیرہ) البتہ ان چیزوں پر اگر گرد وغبار پڑی ہوئی

---

(۱) اصلاحی مجالس، مجلس نمبر: 17، مخلوق کی وجہ سے عمل چھوڑنا، ہوائی جہاز میں وضو کرنے کا طریقہ: ۲/ ۳۵۔۳۷

ہوتو پھر ان اشیاء پر تیمم کرنا جائز ہے۔اس بارے میں فقہائے کرام نے پہچان کے لیے ایک قاعدہ لکھا ہے کہ جو چیز جلانے سے جل جائے وہ زمین کی جنس میں سے نہیں ہے اور جو چیز جلانے سے نہ جلے وہ زمین کی جنس میں سے ہے۔(۱)

جہازوں میں صورت حال ایسی ہوتی ہے کہ وہاں زمین کی جنس والی کوئی چیز نہیں ہوتی اور غیر زمین کی جنس والی اشیاء ہوتی ہیں، لیکن ان پر گرد وغبار نہیں ہوتی، اس لیے اس صورت میں تیمم کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔واضح رہے کہ جہاز کی اندرونی اشیاء پر جو روغن یا پینٹ کیا گیا ہوتا ہے، اس پر تیمم کرنا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ پینٹ جن چیزوں سے تیار کیا جاتا ہے، ان میں کیمیکل، زنک اور چاک وغیرہ ہوتے ہیں اور ایسی اشیاء ہیں جو جلانے سے جل جاتی ہیں، لہٰذا پینٹ کی ہوئی اشیاء پر بھی تیمم کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)

۳۔ نماز جیسے مہتم بالشان فریضے کے تحفظ کی خاطر اس طرح کی متوقع صورت حال سے نمٹنے کے لیے تیمم کی غرض سے اگر کوئی صاحب ایمان اپنے ہم راہ اپنے ہینڈ بیگ وغیرہ میں کوئی چھوٹا موٹا پتھر وغیرہ لے کر جائے تو جہاز کے عملے کی طرف سے اس کی بھی اجازت نہیں ہوتی، البتہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے بیگ میں کوئی ایسا کپڑا رکھ لیا جائے جو گرد وغبار سے بھرا ہوا ہو، تا کہ بوقت ضرورت اس پر تیمم کیا جا سکے۔(۳)

۴۔ اگر ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر ایسی صورت میں نماز کے وقت میں تشبہ بالمصلین کرے، یعنی: نمازیوں کی طرح ہیئت اختیار کرے، البتہ اس ہیئت صلاۃ میں تلاوت نہ کرے، بعد میں ایسی نماز کا اعادہ کرے۔ یہ صاحبین رحمہما اللہ کا قول ہے اور امام صاحب رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ایسے وقت میں نماز موٴخر کرنے کی

(۱) فتح القدیر: ۱/۱۳۱، رشیدیہ

(۲) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۴۰، سعید

(۳) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۲۴۰، سعید

گنجائش ہے۔لیکن فتوی صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر ہے۔(۱)

ہوائی جہاز میں قبلہ

گھڑی کے ذریعہ نماز کے اوقات کی تعیین ہوسکتی ہے اور سمت قبلہ کی تعیین قطب نما کے ذریعہ یا جہاز میں لگے کمپیوٹر کی اسکرین پر سمت متعین کرنے والے نشان کے ذریعہ یا کسی جانکار (مثلاً جہاز کے عملے) وغیرہ کے ذریعہ معلوم کیا جاسکتا ہے، ورنہ تحری کر کے نماز پڑھی جائے۔

ہوائی جہاز نماز کا طریقہ

احناف کے نزدیک ایک وقت میں پیشگی طور پر دو نمازیں پڑھنا درست نہیں؛ کیوں کہ وقت آنے پر نماز فرض ہوتی ہے، اس سے پہلے نہیں۔اسی طرح جان بوجھ کر بلا عذر شرعی کوئی نماز قضا کرنا بھی جائز نہیں؛ البتہ اگر عذر شرعی کی وجہ سے نماز قضا ہوجائے، جس کے نتیجے میں آئندہ وقت میں دو نمازیں ایک ساتھ ادا کرنی ہو؛ ایک چھوٹی ہوئی، دوسری: اس وقت کی فرض نماز تو اس صورت میں عذر شرعی کی وجہ سے کوئی گناہ نہ ہوگا؛ البتہ آدمی کو حتی الامکان یہ چاہیے کہ سفر کا ایسا نظام بنائے کہ کوئی نماز قضا نہ ہو۔

جہاز میں بھی کھڑے ہوکر اور قبلہ رخ ہوکر نماز ادا کی جائے، جہازوں میں اس طرح نماز پڑھنا ممکن بھی ہوتا ہے اور اس کی سہولت بھی ہوتی ہے، لہٰذا سیٹ پر بیٹھ کر اس طرح نماز پڑھنا کہ کھانے کی ٹیبل پر سجدہ کرے، تو اس طرح نماز نہیں ہوتی۔(۲)

اگر ہوائی جہاز میں اترنے کا وقت قریب ہونے کی وجہ سے جہاز کے عملہ کی طرف سے سیٹ اٹھنے اور کھڑے ہونے کی اجازت نہ ہو اور نماز کا وقت تنگ ہورہا ہو تو قیام پر قدرت کے باوجود سیٹ پر فرض نماز پڑھنے کی اجازت نہ ہوگی؛ بلکہ ایسا شخص نماز مؤخر کردے اور جہاز سے اترنے کے بعد کھڑے ہوکر فرض نماز پڑھے۔

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار: ۱/ ۲۵۲، سعید

(۲) الفتاوی الهندية، كتاب الصلاة، الفصل الثالث في استقبال القبلة: ۱/ ۶۳، الباب الرابع: في صفة الصلاة: ۱/ ۶۹

وكذا اجتمعوا في مكان ضيق ليس فيه إلا موضع يسع أن يصلي قائما فقط يصبر ويصلي قائما بعد الوقت كعاجز عن القيام والوضوء فى الوقت ويغلب على ظنه القدرة بعده ... بحر ملخصاً عن التوشيح (۱)

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

''قیام اور استقبالِ قبلہ پر قدرت کے باوجود ان دونوں میں سے کسی ایک کو ترک کرنے سے نماز نہیں ہوگی، سفر میں ہو یا حضر میں، ریل میں ہو یا جہاز میں، سب کا یہی حکم ہے۔ نیز مذکور ہے: مجبوری کی حالت میں اشارہ سے نماز پڑھ لی جائے، پھر منزل پر پہنچ کر اعادہ کرلے، کیوں کہ یہاں مانع من جہۃ العباد ہے''۔(۲)

نظام الفتاویٰ میں ہے:

''تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوائی جہاز پر بھی نماز پڑھی جائے گی۔ اگر جماعت سے پڑھ سکتے ہوں تو جماعت سے پڑھنا بہتر ہوگا، ورنہ تنہا تنہا پڑھیں گے، اگر حرکت وغیرہ کسی عارض کی وجہ سے کھڑے ہوکر پڑھنا دشوار ہو تو بیٹھ کر رکوع وسجدہ کے ساتھ پڑھیں گے اور سمتِ قبلہ کمپاس کے ذریعہ معلوم کریں گے، اگر کمپاس نہ ہو تو تحری کر کے جس رُخ قبلہ قرار پائے، اس پر نماز پڑھیں گے، غرض کہ جیسا عمل چلتی ریل میں کرتے ہیں، اس میں بھی کریں گے اور نماز قضا نہ کریں گے، واللہ اعلم''۔(۳)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الطهارة، باب التيمم، ۱:۳۹۶، ط: مكتبة زكريا ديوبند۔ وفي البحر: وليس ہناک موضع أن يصلي قائما فقط الخ ۱:۲۴۴، ط: دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) فتاویٰ محمودیہ: ۷/ ۵۳۲، ادارہ الفاروق

(۳) نظام الفتاویٰ، ص: ۴۸۰

رہی یہ بات کہ سجدہ زمین پر پیشانی ٹیکنے (وضع الجبهة على الأرض) کا نام ہے اور ہوائی جہاز میں یہ بات نہیں پائی جاتی تو اس قسم کے تکلفاتِ واقعہ ہے کہ شریعت کی روح سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ یہ بالکل ایک اتفاقی بات ہے کہ چوں کہ عام طور پر زمین پر ہی پیشانی ٹیکنے کی نوبت آتی ہے، اس لیے فقہاء نے زمین (ارض) کا لفظ استعمال کیا ہے، یہ ٹھیک اس طرح ہے جیسے: کوئی شخص کہے ”روئے زمین پر اسلام سے بہتر کوئی دین نہیں“ ......کیا اس سے یہ بات سمجھی جائے گی کہ وہ یہ کہنا چاہتا ہے کہ چاند پر اس سے بہتر ایک اور دین موجود ہے؟

شریعت کا اصل منشا یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز ہو جس پر انسان کی پیشانی ٹک سکے، چناں چہ کشتی میں نماز کی اجازت دی گئی، حالاں کہ سطح زمین اور کشتی کے درمیان پانی کا ایک بے پناہ فاصلہ موجود ہے ...... اس لیے ہوائی جہاز پر اسی طرح نماز کی ادائیگی درست ہے، جس طرح زمین پر، واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔(۱)

آبِ زمزم کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر؟

آبِ زمزم کھڑے ہوکر پینا اور بیٹھ کر پینا دونوں بلاکراہت جائز ہے، لیکن ایک رائے کے مطابق کھڑے ہوکر پینا اولیٰ وبہتر ہے۔

واستحب علماؤنا أن يشرب ماء زمزم قائما ويشير إليه ما في حديث ابن عباس رضى الله عنه أية ما بيننا وبين المنافقين أنهم لا يتضلعون من زمزم والتضلع لا يتأتّى إلا قائما وأخرج البخارى عن الشعبى أب ابن عباس عنهما حدثه قال: سقيت رسول ﷺ من زمزم فشرب وهو قائم (۲)

مرقات المفاتیح میں ہے:

(۱) جدید فقہی مسائل، عبادات، ہوائی جہاز میں نماز: ۱/ ۸۸-۸۹، بحوالہ: جامعہ فاروقیہ کراچی

(۲) إعلاء السنن: ۱۰/ ۲۱۳، ادارة القرآن

فإنه مخصص بماء زمزم وشرب فضل الوضوء، كماذكره بعض علمائنا، وجعلوا القيام فيها مستحباً وكرهوه في غيرهما ...الخ (۱)

شیخ الحدیث خصائل نبوی میں اس حوالہ سے فرماتے ہیں:

''بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اس ممانعت میں داخل فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس نوش فرمانے کو ازدحام کے عذر یا بیان جواز پر محمول فرمایا ہے'' لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اس نہی میں داخل نہیں اس کا کھڑے ہوکر پینا افضل ہے''۔(۲)

تقریرات رافعی میں ہے:

(قوله أفاد أن المقصود من قوله قائماعدم الكراهة) فيه أن صريح كلام المصنف إن الشرب قائمامستحب لأنه في صددعد المستحبات، لا في بيان عدم الكراهة (۳)

عام طور پر زمزم کے آداب ذکر کیے جاتے ہیں وہ حج کے موقعہ اور حرم میں حاضری کے وقت سے متعلق ہیں، لیکن احادیث میں جو ماء زمزم کے فضائل مذکورہ ہیں وہ مطلق ہیں۔

ملاحظہ ہو فتح القدیر میں ہے:

عن ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول ﷺ: خير ماء على وجه الأرض ماء زمزم فيه طعام طعم وشفاء سقم ... الحديث، رواه الطبراني في الكبير ورواته ثقات،

---

(۱) مرقاة المفاتيح: ۸/۲۱۸

(۲) خصائل نبوی: ۸/۱۴۸، دارالاشاعت

(۳) تقریرات الرافعی: ۱/۱۸، کتاب الطهارة

وروواہ بن حبان ایضا (۱)

نیز جوآداب حرم میں ملحوظ ہوتے ہیں ان کی رعایت غیر حرم میں مناسب ہے۔ ملاحظہ ہو کتاب الفتاویٰ میں ہے:

''چونکہ زمزم کی عظمت کا پہلو کچھ حج ہی سے متعلق نہیں بلکہ ہر وقت اور ہر جگہ ہے اس لیے یہ سمجھنا درست نہیں کہ حج کے موقعہ سے زمزم پینے کے احکام الگ ہیں اور عام حالات میں الگ ہے'' (۲)

زبدۃ المناسک میں زمزم پینے کی ترتیب کے تحت مذکورہ ہے:

''کعبۃ اللہ کی طرف منہ کر کے اٹھ کر کھڑا ہو اور داہنے ہاتھ میں لیکر پیئے اور بائیں ہاتھ سے پینا مکروہ ہے اور تین سانس میں پیئے اور ہر دفع کے شروع میں بسم اللہ کہے اور سانس لینے میں الحمد اللہ کہنا مستحب ہے'' (۳)

زمزم پینے کا طریقہ

آب زمزم پینے کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑے ہو کر پیا جائے آنحضرت سے کھڑے ہو کر پینا منقول ہے **"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُولَ اللّٰہ ﷺ شربَ مِنْ مَاءِ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ"** (۴) لیکن کھڑے ہو کر پینا کوئی ضروری نہیں ہے، لہذا بیٹھ کر پینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ (۵)

آپ ﷺ نے جب زم زم نوش فرمایا اس وقت سر مبارک کھلا ہوا تھا اور آپ ﷺ خود کھڑے تھے اس لیے بعض حضرات نے زم زم پیتے وقت اس کیفیت کو مسنون

---

(۱) فتح القدیر: ۲/ ۵۰۵

(۲) کتاب الفتاویٰ: ۴/ ۸۲

(۳) زبدۃ المناسک: ۱۳۷، فتاوی دار العلوم زکریا: ۳/ ۶۷ ۴، ۴۷۵

(۴) سنن نسائی، باب ما جاء فی الرخصة فی الشرب قائما، حدیث نمبر: ۲۹۶۴، البانی نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔

(۵) أفادہ الشامی: مطلب فی مباحث الشرب قائما: ۱/ ۲۲۸

قرار دیا ہے اور بعض کا خیال ہے کہ سر کا کھلا ہونا احرام کی وجہ سے تھا اور کھڑا ہونا کیچڑ کی وجہ سے تھا، چنانچہ علامہ سیوطی فرماتے ہیں: کھڑے ہوکر ماءِ زمزم کا پینا بیان جواز کے لیے ہے، یا اس کو اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ لوگوں کی بھیڑ ہونے کی وجہ سے یا وہاں تری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھنے کی جگہ نہ مل سکی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کھڑے ہوکر پیا، خلاصہ یہ کھڑے ہوکر پینا مستحب ہے، البتہ کوئی بیٹھ کر پیے تو بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔

”هذا لبيان الجواز وقد يحمل على أنه لم يجد موضعا للقعود لازدحام الناس على ماء زمزم أو ابتلال المكان“ (۱)

قبلہ رو ہوکر پینا، اللہ کا ذکر کرتے ہوئے پینا، تین سانس میں پینا، پینے کے بعد اللہ کا شکر بجالانا محمد بن عبدالرحمن بن ابوبکر سے زم زم پینے کے آداب کی بابت نقل کیا ہے کہ میں حضرت عبداللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہاں سے آئے ہو؟ عرض کیا زم زم سے دریافت فرمایا جس طرح زم زم پینا چاہیے اس طرح پیا؟ نوارد نے پوچھا کس طرح؟ فرمایا جب زم زم پیو تو قبلہ رخ ہو جاؤ اللہ کا نام بسم اللہ پڑھو تین سانس میں پیو اور خوب سیر ہوکر پیو جب فارغ ہو تو اللہ کی حمد کرو الحمد للہ پڑھو:

”عن محمد بن عبد الرحمان بن أبي بكر قال: كنت عند ابن عباس جالسا فجاءه رجل، فقال من أين جئت؟ قال: من زمزم، قال: فشربت منها كما ينبغي، قال: وكيف؟ قال: إذا شربت منها فاستقبل القبلة، واذكر اسم الله وتنفس ثلاثا، وتضلع منها، فإذا فرغت فاحمد الله عزوجل، فإن رسول الله ﷺ قال: إن آية ما بيننا وبين المنافقين أنهم لا يتضلعون من زمزم“ (۲)

---

(۱) أوجز المسالك: ۱۶/ ۵۰، باب صفة النبي ﷺ

(۲) سنن ابن ماجه، باب الشرب من زمزم، حدیث نمبر: ۳۰۶۱، اس کی سند صحیح ہے۔

اس روایت میں کھڑے ہوکر پینے کا ذکر نہیں کیا گیا، اس لیے بعض حضرات زمزم پیتے وقت کھڑے ہونے کو مسنون نہیں سمجھتے۔

حائضہ عورت بلا احرام حدودِ حرم میں چلی جائے

میقات سے بحالت احرام گزرنے کے لیے پاکی شرط نہیں ہے لہٰذا اگر کوئی عورت بلا احرام میقات سے گزر جائے تو واپس کسی میقات پر آ کر حج یا عمرہ کا احرام باندھنا واجب ورنہ واجب ہوگا، اور اگر مکہ مکرمہ پہنچ کر دو ہی دن میں اس کو مدینہ روانہ ہونا ہے تو بھی احرام باندھ کر ہی میقات سے گزرے گی، اور جب مدینہ جانا ہو تو اسی حالت احرام میں احرام کی پابندیوں پر عمل کرتے ہوئے وقت گزارے اور پاک ہونے کے بعد مکہ مکرمہ آ کر اپنا عمرہ ادا کر لے، اگر بلا احرام مکہ مکرمہ چلی گئی اور مدینہ سے واپسی پر احرام باندھ کر آئی تو دم ساقط ہو جائیگا لیکن توبہ کرنا ضروری ہوگا:

"فإن جاوز الآفاقي الموضع الذي يجب عليه الإحرام فيه غير محرم أثم، ولزمه أن يعود إليه ويحرم منه"(۱)

عورتیں اپنی ہوٹل میں نماز ادا کریں

عورتیں طواف کرنے کی غرض سے خانہ کعبہ جائیں اور نماز کا وقت ہو جائے تو نماز "مصلی النساء" میں ادا کر لیں، لیکن نماز ہی کی نیت سے حرم نہ جائیں تو بہتر ہے، کیونکہ عورت کی نماز مسجد میں پڑھنے کے مقابل اپنے جائے قیام میں پڑھنا افضل ہے، اور جب اپنے گھر میں نماز ادا کرنے پر حرم کی نماز کا ثواب مل جاتا ہے تو یہ شریعت کی طرف سے عورت پر اللہ کا خصوصی انعام ہے کہ مشقت کے بغیر اجر سے نوازا جا رہا ہے اس لیے اس مسئلہ کو اختلافی اور مسلکی رو سے دیکھے بغیر راحت ورخصت اور مزاج شریعت کی رو سے سمجھیں۔

چنانچہ مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں:

---

(۱) البحر العمیق: ۱/ ٦١٩

''عورتیں کبھی حرم کی جماعت پانے کی نیت سے مسجد حرام میں نماز ادا کرلیں جس سے کعبہ کے دیدار کا ثواب ملے گا ،اور زیادہ تر قریب کی مساجد میں ہی نماز ادا کرلیں یا اپنے ہوٹل کی مسجد میں نماز ادا کرلیں خاص کر حج سے قریب دنوں میں کیونکہ بعض مرتبہ از دحام کی وجہ سے ایسی باتیں پیش آجاتی ہیں جو حرام ہوتی ہیں ،اور نماز کی درستگی میں بھی شک ہوجاتا ہے، دوسروں کو بھی دشواری نہ ہوگی اور نہ تکلیف ہوگی، یکسوئی سے ہر ایک کی نماز ادا ہوگی ،اسی طرح جو حضرات ضعیف و کمزور ہیں وہ بار بار مسجد حرام میں جانے کی زحمت کرکے دوسرے حجاج کی مشقت کی سبب بننے کے بجائے اپنے قیام گاہ کی مساجد میں باجماعت نماز ادار کرلیں تو ثواب وہی ملے گا جو مسجد حرام کا ثواب ہے''۔(۱)

عورتیں حرم میں کب جائیں؟

عورتیں اگر حرم میں جانا چاہیں تو رات کے وقت جائیں ،دیر تک صرف عبادت میں مشغول رہیں ،مردوں سے ہٹ کر کنارے کنارے طواف کریں ،اگر چند عورتیں ساتھ ہوتو یہ طے کرلیں کہ ''ہم یہاں کوئی بات عبادت سے ہٹ کر نہیں کریں گی ،جس بات کا بولنا نہایت ضروری ہو وہی بولیں گے'' ورنہ اپنی پرانی عادت کے موافق یہی گفتگو ہوگی کہ ''تمہارے شوہر کیا کرتے ہیں؟ تمھارے کتنے بچے ہیں؟ کتنے لڑکے ہیں اور کتنی لڑکیا ہیں؟ تمھارا سسرال کیسا ہے؟ کتنے بچوں کی شادی ہوئی ہے ؟ داماد کیسے ہیں؟ کتنے نواسے اور پوتے ہیں؟ اس طرح نہ ختم ہونے والی گفتگو کا سلسلہ چل پڑے گا اور حرم میں بیٹھتے ہوئے غیبت شروع ہوجائے گی ،اور کی کرائی عبادت پر پانی پھر جائے گا ،اور عادتا چند عورتیں ایک جگہ جمع ہوجائیں اور خاموش رہیں ایسا بہت کم ہوتا ہے اس لیے طے کرلیں کہ ہم بلاضرورت گفتگو نہیں کریں گے۔

(۱) کتاب الفتاوی

مسئلۂ محاذات کے شرائط

جب ایک عورت صف میں کھڑی ہو تو درج ذیل شرائط پائی جانے کی صورت میں اس عورت کے دائیں، بائیں اور پیچھے کے ایک ایک مرد کی نماز فاسد ہوگی، پوری صف والوں کی نماز فاسد نہیں ہوگی، وہ شرائط یہ ہیں:

۱) وہ عورت مشتہاۃ ہو۔

(۱) مستفاد از: رفیق حج وعمرہ:۵۹

۲) مرد کی پنڈلی، ٹخنہ یا بدن کا کوئی بھی عضو عورت کے کسی عضو کے بالمقابل پڑ رہا ہو۔

۳) یہ سامنا کم از کم ایک رکن (تین تسبیح پڑھنے کے بقدر) تک برقرار رہا ہو۔

۴) یہ اشتراک مطلق نماز میں پایا جائے یعنی نماز جنازہ کا حکم یہ نہیں ہے۔

۵) مرد وعورت دونوں ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے ہوں۔

۶) مرد وعورت کے نماز پڑھنے کی جگہ سطح کے اعتبار سے برابر ہو، یعنی اگر سطح میں آدمی کے قد کے بقدر فرق ہو تو محاذات کا حکم نہ ہوگا۔

۷) دونوں کے درمیان کوئی حائل نہ ہو۔

۸) مرد نے اپنے قریب آکر کھڑی ہونے والی عورت کو وہاں نہ کھڑے ہونے کا اشارہ نہ کیا ہو، اگر اشارہ کیا پھر بھی عورت برابر میں کھڑی رہی تو اب مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ عورت کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

۹) امام نے مرد کے برابر میں کھڑی ہوئی عورت کی امامت کی نیت بھی کی ہو۔

قوله: "وتاسع شروط المحاذاة الخ" وأولها: المشتهاة، ثانيها: أن يكون بالساق والكعب على ما ذكره، ثالثها: أن تكون في اداء ركن أو قدره، رابعها: أن تكون فى صلاة مطلقة، خامسها: أن تكون فى صلاة مشتركة تحريمة، سادسها: إتحاد المكان، سابعها: عدم الحائل، ثامنها: عدم الإشارة

إليها بالتأخر (وتاسع شروط المحاذاة) أن يكون الإمام قد نوى إمامتها..... وفي الخانية: لو صلت المرأة على الصفة والرجل أسفل منها بجنبها أو خلفها إن كان يحاذى عضو من الرجل عضوًا منها فسدت صلاته لوجود المحاذاة ببعض بدنها اوليس هنا محاذاة بالساق والكعب (۱)

حرم میں عورت کا مردوں کی صف میں شامل ہوجانا

۱) حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷺ کا اثر ہے کہ "أَخِّرُوهُنَّ من حيث أَخَّرَهُنَّ اللهُ" (۲) عورتوں کو چاہیے کہ وہ نماز میں مردوں سے پیچھے کھڑی ہوں اگر اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے عورت مرد کے برابر کھڑی ہونا درست نہیں ہے، حرم میں اگر عورت شروع نماز سے شریک ہے اور امام حرم نے عورتوں کی امامت کی نیت بھی کی ہو (ائمہ حرم عموما نیت کرتے ہیں) تو جو مرد عورت سے متصل دائیں، بائیں، اور ٹھیک اس کے بالمقابل پیچھے کھڑا ہے ان کی نماز فاسد ہوجائے گی اور انہیں اپنی نماز دھرانا واجب ہے۔

۲) اور اگر عورت نماز شروع ہونے کے بعد شریک ہوئی تو جس مرد کے بازو کھڑی اس نے اشارہ سے پیچھے جانے کو کہا مگر وہ کھڑی رہی تو احناف کے نزدیک مرد کی نماز درست اور عورت کی فاسد ہوجائے گی، اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عورت کا مردوں کی صف میں کھڑا ہونا درست نہیں ہے مگر کھڑی ہوجائے تو کسی کی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

---

(۱) طحطاوي مع المراقي: ص:۱ ۳۳۱، ط: دار الکتب العلمیہ بیروت

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی، حدیث نمبر: ۹۳۷۲ صحیح یہی ہے کہ یہ ابن مسعود ﷺ سے موقوفا روایت ہے جو مرفوع کے حکم ہے۔ "وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ مَوْقُوفٌ عَلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، لَكِنَّهُ فِي حُكْمِ المَرْفُوعِ"، مرقاة المفاتيح، حدیث نمبر: ۵۲۱۲، البتہ نبی کریم ﷺ کی دوسری حدیث سے معنًی یہی حکم ثابت ہے۔ "خيرُ صفوف الرجال أولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها وشرها أوله"

”ثم المرأة الواحدة تفسد صلوة ثلاثة واحد عن يمينها وآخر عن يسارها وآخر خلفها وحققه في حاشية الچلپی عليه الفتوی و كثيرا ما تفسد الصلوة بهذا السبب في المسجد الحرام والمسجد الأقصى“(۱)

۳) مسئلہ محاذاۃ میں محرم اور غیر محرم دونوں کا ایک ہی حکم ہے لہذا حرم میں بیوی، بہن، والدہ وغیرہ کو ساتھ کھڑا کیے نماز پڑھنے سے مرد کی نماز فاسد ہوجاتی ہے۔

”والمرأة تتناول الأجنبية والمحرمة أو لحليلة والصغيرة المشتهاة والكبيرة التي ينفر عنها الرجال“(۲)

۴) مسئلہ محاذاۃ میں نماز فاسد ہونے کے لیے عورت اور مرد کے اعضا کھڑے ہونے کی حالت میں ایک دوسرے کے برابر ہونا شرط ہے مثلاً قدم، پنڈلی، کمر وغیرہ، پس اگر اتنے فاصلہ سے کھڑیں کہ سجدہ کی حالت میں عورت کا سر مرد کی کمر تک گھٹنوں تک ہوتا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ ”والمعتبر فی المحاذاة الساق والكعب على الصحيح“(۳)

۵) مرد اور عورت کے درمیان اتنا فاصلہ آجائے جس میں ایک مرد آرام سے کھڑا ہوسکتا ہے تو اس صورت میں کسی کی نماز فاسد نہیں ہوگی، نیز اگلی صف میں عورت کھڑی ہے اور پچھلی صف میں مرد عورت کے بالکل پیچھے نہیں کھڑا ہے بلکہ دائیں یا بائیں ہٹ کر کھڑا ہے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور عورت کی نماز بھی درست ہوجائیگی۔

”ولو كان بينهما فرجة تسع الرجل أو اسطوانة قيل لا

(۱) البحر الرائق: ۱/ ۶۲۰

(۲) فتاوی ہندیہ: ۱/ ۸۹

(۳) ہدایہ: ۱/ ۸۹

تفسد وكذا إذا قامت أمامه وبينهما هذه الفرجة" (۱)

۲) مسئلہ محاذاۃ کے لیے عورت کا مشتہاۃ ہونا (۹ سال سے زیادہ عمر والی) ہونا شرط ہے، اور یہ محاذاۃ کم ازکم یک رکن (تین تسبیح پڑھنے) کے برابر ہونا، یہ شرکت مطلق نماز میں ہونا، ایک امام کی اقتداء میں ہونا، دونوں کی جگہ کی سطح ایک ہونا بھی شرط ہے، پس مرد کے بازو کم سن بچی کھڑی ہوجائے، ایک رکن سے کم محاذاۃ ہوپھر فوراً دوری ہوگئی، جنازہ کی نماز میں محاذاۃ ہوا، عورت یا مرد کی جگہ کی سطح برابرنہیں مثلاً کوئی ایک اتنی اوپر کھڑا ہے کہ ایک قدآدم کا فاصلہ ہو، تونماز فاسد نہیں ہوگی۔

تنبیہ: مرد حضرات کو چاہیے کہ نماز کی نیت میں شامل ہونے سے پہلے دائیں بائیں دیکھ لیں، تاکہ نماز کے بعد کوئی عورت نماز میں شریک ہوکر نماز فاسد کرنے کا سبب نہ بنے۔

نماز شروع ہونے کے بعد صف میں شامل ہوں تو؟

اگر نماز شروع ہونے کے بعد کوئی عورت نماز میں شامل ہواور برابر کھڑی ہوجائے تو جس مرد کے بازو میں کھڑی ہوئی، اس نے اشارہ سے پیچھے چلے جانے کو کہا، اگر وہ اشارہ سے رک جائے تو فبہا، اگر وہ پیچھے نہیں گئی اوراسی صف میں نماز پڑھنے لگی تو اس اشارہ کرنے سے مرد کی ذمہ داری پوری ہوجائے گی، تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ عورت کی نماز فاسد ہوجائے گی۔

واستفيد من قوله: بعد ما شرع، إنها لو حضرت قبل شروعه ونوى إمامتها محاذيا لها، وقد أشار إليها بالتأخر تفسد صلاته، فالإشارة بالتأخر إنما تنفع إذا حضرت بعد الشروع ناوياً إمامتها، قال: والظاهر إن الإمام ليس بقيد،

(۱) فتاوی شامی: ۱/ ۵۷۳

أي فلو حاذت المقتدي بعد الشروع، وأشار إليها بالتأخر ولم تتأخر فسدت صلاتها دونه، وينبغي أن يعد هذا في الشروط(١)

نوٹ: یہ رائے احناف کی ہے، مالکیہ، شوافع اور حنابلہ کے نزدیک اگرچہ عورت کا مرد کی صف میں آجانا درست نہیں، لیکن نماز نہ مردوں کی فاسد ہوگی اور نہ عورتوں کی۔

عورتوں کا مردوں کی بھیڑ میں گھسنا

عورتیں حجر اسود کا بوسہ لینے، ملتزم پر کھڑے ہوکر دعا مانگنے، مقام ابراہیم پر نفلیں پڑھنے یا حطیم میں نماز پڑھنے کے لیے ہرگز گھسنا جائز نہیں، اس عمل سے ثواب کے بجائے گناہ کبیرہ کی مرتکب ہونگیں، اس لیے ازدحام کے وقت مردوں سے ہٹ کر چلیں، حجر اسود کا دور ہی سے استلام کرلیں، مقام ابراہیم کے سیدھ میں پیچھے کی جانب جاکر نفل ادا کریں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مردوں سے الگ تھلگ طواف کرتی تھیں، مردوں کی بھیڑ سے دور رہتی تھیں۔

☆ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس ان کی ایک باندی آئی، کہنے لگی: ام المومنین! میں نے بیت اللہ کا سات دفعہ طواف کیا اور رکنِ یمانی کو دومرتبہ چھوا، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "لاأجركِ الله لاأجركِ الله" تمہیں اس کا اجر اللہ عزوجل ہرگز نہ دے، تمہیں اس کا اجر اللہ عزوجل ہرگز نہ دے، تم مردوں کے ساتھ دھکم پیل کررہی تھیں، تم صرف تکبیر کہہ کر گزر کیوں نہ گئیں؟(۲)

نماز جنازہ میں ایک سلام پر اکتفاء

حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام کے نزدیک نماز جنازہ میں صرف ایک طرف سلام پھیرنے کا حکم ہے، آج کل حرمین شریفین میں بھی اسی کے مطابق عمل کیا جاتا ہے

---

(۱) شامي:۲/۳۲۰، زکریا

(۲) مسند شافعی: ومن کتاب المناسک، حدیث نمبر:۹۵۵

اور حنفی کو ایسے امام کی اقتداء میں نماز جنازہ پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں، مقتدی خود سے بھی دوسری طرف سلام پھیر سکتا ہے۔(۱)

الذي عليه أكثر أهل العلم:أن التسليم من صلاة الجنازة مرة واحدة عن اليمن قال ابن عبدالبر: فجمهور أهل العلم، من السلف والخلف:على تسليمة واحدة (۲)

وقال ابن قدامة: التسليم على الجنازة تسليمة واحدة، عن ستة من أصحاب النبى ﷺ.... ولم يعرف لهم مخالف فى عصرهم مكان إجماعا۔ (۳)

ذهب بعض العلماء إلى أن السنة في صلاة الجنازة أن يسلم تسليمتين، كما هو الحال في الفرائض والنوافل وهو مذهب الحنفية والشافعية (۴)

واستدلوا على ذلك بحديث ابن مسعود : ثلاث خلال كان رسول ﷺ يفعلهن تركهن الناس، إحداهن: التسليم على الجنازه مثل التسليم فى الصلاة (۵)

اسناده جيد، وقال الذهبى فى المهذب ۱۳۸۷/۳ اسناده صالح، وحسنه الالبانى فى احكام الجنائز۔

وهذا الحديث ليس صريحاً فى التسليمين ، فيحتمل أن

---

(۱) عمرہ کے فضائل واحکام:۱۷۸

(۲) انتهى من الاستذكار:۳۲/۲

(۳) المغني:۴۱۸/۳

(۴) المبسوط:۶۵/۲

(۵) السنن الكبرىٰ للبيهقي، باب كيفية رفع اليدين في افتتاح الصلاة، حدیث نمبر: ۷۲۳۱، علامہ نووی نے ”خلاصۃ الاحکام: ۹۸۲/۲ میں اس کی سند کو جید کہا ہے۔

یکون المراد بالتشمیه أصل السلام، أی أنه کان یسلم فی الجنازة، کما کان یسلم فی الصلاة۔

والقول بالتسلیمتین وردعن بعض السلف، ففی المصنف بسند جیدعن جابربن زید، والشعبی، وابراہیم النخعی، انهم کانوا یسلمون تسلیمتین (۱)

من صلی وراء یسلم تسلیمتین علی الجنازة، فالمشروع له أن یتابعة علی ذلك لأن التسلیمة الثانیة محل خلاف معتبر بین العلماء کماسبق بیانه .... الخ (۲) وإن اقتصر علی تسلیمة واحدة: فلا بأس لأن هذا لا یخل بالمتابعة (۳)

مسجد حرام کے باہر صفوں کے درمیان فاصلہ

بعض مرتبہ مکہ مکرمہ میں نماز کی صفیں مسجد کے باہر بھی لگ جاتی ہیں، عموماً رمضان اور حج کے موقع پر ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ درمیان میں کئی صف کی جگہ چھوٹ جاتی ہے، اس کے بعد صفیں لگتی ہیں، اس طرح فاصلہ سے اقتداء درست ہونے کے سلسلہ میں تفصیل یہ ہے کہ مسجد میں چند صفوں کے بہ قدر فصل کے باوجود بھی اقتداء درست ہے، بشرطیکہ درمیان میں کوئی سڑک جس پر سواریاں چلتی ہوں یا کوئی نہر جس میں کشتیاں چلتی ہوں حائل نہ ہوں، اور راجح قول کے مطابق مکان کا بھی وہی حکم ہے جو مسجد کا ہے، لیکن کھلی جگہ میں اگر دو صف کے بقدر فاصلہ ہو تو اقتداء درست نہیں ہوگی، البتہ فقہاء نے ''فناء مسجد'' یعنی مسجد سے لگے ہوئے صحن کو بھی مسجد ہی کے حکم میں رکھا ہے، پس مسجد حرام سے متصل وہ میدان جو مکانات تک چلے گئے ہیں، فناء مسجد کے حکم میں ہیں

---

(۱) عمدۃ القاری: ۱۲/ ۴۰۸

(۲) کشاف القناع: ۴/ ۱۴۰

(۳) الفروع: ۳/ ۳۳۹

اور اگر ان میں ایک دوصفوں کے خلاء کے ساتھ صفیں بن جائیں، تب بھی اقتداء درست ہو جائے گی۔

"ویمنع الاقتداء.....أو خلاء فی الصحراء ....یسع صفین....ان فناء المسجد له حکم المسجد" (۱)

حرم میں غائبانہ نماز جنازہ

احناف اور مالکیہ حضرات کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خصوصیات میں شامل ہے اس لیے کسی اور کے لیے غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں۔(۲)

شوافع اور حنابلہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ درست ہے، البتہ غائبانہ نماز جنازہ کے قائلین حضرات میں یہ اختلاف ہے کہ آیا ہر شخص کا غائبانہ نماز جنازہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

شافعی اور حنبلی حضرات کہتے ہیں کہ علاقے سے دور ہر شخص کا غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا مشروع ہے، چاہے جہاں وہ فوت ہوا ہے وہاں اس کا نماز جنازہ ادا بھی کیا گیا ہو۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ

غائبانہ نماز جنازہ اس صورت میں جائز ہے جب اس کا مسلمانوں کو کوئی منفعت اور نفع حاصل ہو، مثلاً کسی عالم دین یا مجاہد، یا غنی شخص جس کے مال وغیرہ سے لوگ نفع حاصل کرتے رہے ہوں۔ یہ قول امام احمد رحمہ اللہ کا ایک قول ہے، اور شیخ سعدی رحمہ اللہ نے بھی اسے اختیار کیا ہے۔

تیسرا قول:

غائبانہ نماز جنازہ اس شرط پر جائز ہے کہ جہاں وہ فوت ہوا ہے وہاں اس کی نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو، اور اگر اس کی نماز جنازہ ادا کی گئی ہے تو پھر غائبانہ نماز جنازہ مشروع نہیں۔

---

(۱) ردالمحتار: ۲/ ۲۳۲، مستفاد از: کتاب الفتاوی: ۸/ ۴۲

(۲) بدائع الصنائع: ۱/ ۳۱۲

یہ قول امام احمد رحمہ اللہ کی دوسری روایت ہے، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور ان کے شاگرد ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی یہی قول اختیار ریا ہے، اور متاخرین علماء میں سے شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ بھی اس کی طرف مائل ہیں۔

اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اگر اس کی نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو تو غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں۔(۱)

احناف ومالکیہ کے علاوہ علماء کے اس پورے اختلاف سے دو باتیں معلوم ہوئیں کہ

۱) اس شخص کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے جس کی نماز جنازہ ادا نہ ہوئی ہو۔

۲) اس شخص کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کی جائے جس شخص کا مسلمانوں کو کوئی فائدہ اور منفعت تھی، مثلا عالم دین جس کے علم سے لوگ فائدہ حاصل کرتے رہے، اور کوئی تاجر جس کے مال سے مسلمانوں کو فائدہ ہوا، یا پھر اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا مجاہد جس کے جہاد سے لوگوں اور اسلام کو فائدہ ہوا، اور اس طرح کے دوسرے افراد، نجد کے علاقے میں عمل بھی اسی پر ہے وہ علم وفضل اور مسلمانوں پر سبقت والے شخص کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتے ہیں۔

جواز کے قائلین میں سے بعض علماء کرام نے ایک اچھی قید لگاتے ہوئے کہا ہے کہ ایک شرط کے ساتھ وہ یہ وہ مدفون شخص ایسے وقت فوت ہوا ہو جب وہ نماز ادا کرنے والا شخص نماز کا اہل تھا۔

”وإنما تجوز الصلاة على الغائب عن البلد لمن كان من أهل فرض الصلاة عليه يوم موته“(۲)

اس کی مثال یہ ہے کہ

ایک شخص بیس برس قبل فوت ہوا اور ایک انسان تیس برس کی عمر میں ہو کر اس کی

(۱) الانصاف للمرداوی: ۲/۳۵۵

(۲) أسنى المطالب: ۱/۳۲۲

غائبانہ نماز جنازہ ادا کرتا ہے تو یہ صحیح ہے؛ کیونکہ جب وہ شخص فوت ہوا تو اس نمازی کی عمر دس برس تھی جو کہ نماز جنازہ ادا کرنے کے اہل ہوتی ہے، برخلاف اس کے کہ ایک شخص تیس برس قبل فوت ہوا، اور ایک بیس سالہ شخص جا کر اس کی غائبانہ نماز ادا کرنا چاہے تو یہ صحیح نہیں؛ کیونکہ جب وہ شخص فوت ہوا تھا تو یہ نماز اس وقت معدوم تھا اور موجود ہی نہیں تھا تو یہ اس کی نماز جنازہ ادا کرنے سے اہل میں سے نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر پر نماز جنازہ ادا کرنی مشروع نہیں، وہاں کھڑے ہو کر دعا کرنی چاہیے۔

شوافع وحنابلہ کی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجاشی بادشاہ کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی تھی۔

"مذھبنا جواز الصلاۃ علی الغائب عن البلد دلیلنا حدیث النجاشي وھو صحیح"(۱)

احناف یہ کہتے ہیں کہ نجاشی کے قصہ کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ ادا کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص میں شامل ہوتا ہے، دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ نماز غائبانہ تھی ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے پردے ایسے ہی اٹھا دیئے گیے تھے جس طرح معراج کے موقع پر بیت المقدس کا نقشہ پوچھنے پر اٹھا دیے گیے تھے، یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں بے شمار واقعاتِ وفات پیش آئے بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ووفات کے واقعات ہوئے مگر ثابت نہیں کہ نماز جنازہ غائبانہ کا معمول اور عادتِ شریفہ رہی ہو خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا تو حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز علاقوں میں مقیم تھے مگر ثابت نہیں کہ انھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی ہو، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں بھی غائبانہ نماز جنازہ کا معمول کہیں منقول نہیں ملتا۔

---

(۱) المجموع للنووی: ۲۱۱/۵

"لأنه توفي زمن النبي ﷺ أناس من أصحابه غائبين، ولم يثبت أنه صلى على أحد منهم صلاة الغائب" (۱)

شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ کا فتوی:

''جب یہ یقین ہوجائے کہ کسی شخص کی نماز جنازہ ادانہیں ہوئی تو اس کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی، کیوں کہ نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ اس کے اہل وعیال نے اس کی نماز جنازہ ادا کی ہو، کیوں کہ نماز جنازہ ایک شخص بھی ادا کرسکتا ہے، بہر حال جب یہ یقین ہوجائے کہ کسی شخص کی نماز جنازہ ادانہیں کی گئی تو آپ کے لیے اس کی نماز جنازہ ادا کرنا ضروری ہے، کیوں کہ یہ فرض کفایہ ہےاوراس کی ادائیگی ضروری ہے''۔

إذا تأكدت أنه لم يصل عليهم فصل عليهم، لأن الصلاة فرض كفاية. لكن ربما أهله صلوا عليه، لأن الصلاة على الميت تكون بواحد، على كل حال إذا تأكدت أن شخصا ما لم يصل عليه فعليك أن تصلي عليه لأنها فرض كفاية ولابد منها" (۲)

حرم میں عورت کا نماز جنازہ میں شرکت کرنا

حرمین شریفین میں تقریباً ہر نماز کے بعد نمازِ جنازہ ہوتی ہے فرض نماز کے بعد امام صاحب نماز جنازہ کا اعلان کرتے ہیں یہاں خواتین کا نماز جنازہ ادا کرنا درست ہے حرم شریف میں نماز جنازہ پڑھنے کا بہت اجر وثواب ہے، نماز جنازہ کا طریقہ سیکھ لینا چاہیے، اگر بالفرض نہ آتا ہوتو امام کے ساتھ صرف تکبیرات کہہ دینے سے نماز ادا ہوجائے گی۔

---

(۱) نیل المآرب:۱/ ۳۲۴

(۲) مجموع فتاوی الشیخ ابن عثیمین:۱۷/ ۱۴۹

"فإن صلاتها تصح وإن لم يصح الاقتداء بها" (۱)

حرم میں عصر کی نماز ایک مثل پر

جمہور فقہائے کرام اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک عصر کا وقت ایک مثل کے بعد شروع ہوجاتا ہے، جبکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے مروی مشہور روایت کے مطابق عصر کا وقت دو مثل کے بعد شروع ہوتا ہے۔ اور ایک مثل کے بعد عصر کی نماز کا وقت شروع ہونے کے دلائل بھی انتہائی قوی ہیں، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے، جس کے پیش نظر بعض مشائخ حنفیہ رحمہ اللہ نے اسی کو ترجیح دی ہے، اس قول کو علامہ حصکفی رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمہ اللہ کے حوالے سے راجح قرار دیا ہے، جبکہ بعض نے ضرورتاً چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وقت مثل بندہ کے نزدیک زیادہ قوی ہے، روایتِ حدیث سے ثبوت مثل کا ہوتا ہے، دو مثل کا ثبوت حدیث سے نہیں۔ بناء علیہ ایک مثل پر عصر کی نماز ہوجاتی ہے۔ (۲)

اور حرمین شریفین میں عصر کی نماز ایک مثل کے بعد ادا کی جاتی ہے، اور بعض ہجوم کے اوقات میں ایک مثل کے بعد اذان کے فوراً بعد عصر کی نماز ادا کرلی جاتی ہے۔

اور حرمین شریفین میں باجماعت نماز پڑھنے کے عظیم الشان اور مخصوص فضائل کے پیشِ نظر جن مساجد میں عصر کی نماز ایک مثل پر ادا کی جاتی ہے وہ درست ہے اور حنفیوں کو بھی حرمین شریفین میں امام حرم کی اقتداء میں ادا کرلینا افضل بلکہ ضروری ہے تاکہ حرم کی جماعت کا ثواب فوت نہ ہو۔ (۳)

حرمین میں تہجد باجماعت پڑھنا

آج کل حرمین شرفین میں رمضان المبارک کی مخصوص راتوں میں نماز تراویح

---

(۱) فتاوی شامی: ۹۸/۳

(۲) فتاویٰ رشیدیہ مبوب: ۳۱۵، کتاب الصلاۃ

(۳) ردالمحتار علی الدر: ۱۵/۲، رفیق حج وعمرہ: ۵۷، عمرہ کے فضائل واحکام: ۱۷۶، ۱۷۷

کے علاوہ، صلاۃ اللیل وغیرہ کے عنوان سے باجماعت نوافل کی نماز بڑے مجمع میں پڑھی جاتی ہے جو کہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے، لہٰذا حنفیہ کے اصل قواعد کے مطابق حرمین شریفین کی نوافل کی جماعت میں شرکت مکروہ ہے۔

لیکن شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک اس طرح نوافل کی جماعت اور اس میں شرکت جائز ہے، لہٰذا ان فقہائے کرام کے قول پر عمل کرتے ہوئے حرمین شریفین کی قیام اللیل والی جماعت میں کرنے میں کوئی حرج نہیں، بلکہ حرم شریف اور ماہِ رمضان کی برکات کے پیش نظر باعث فضیلت ہے۔

اور اس جماعت میں اگر کوئی شرکت کرے، تو راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ کراہت وممانعت نہیں، لیکن اگر کوئی شرکت نہ کرے اور وہ اپنے مقام یا رہائش گاہ پر جا کر خلوت وتنہائی میں عبادت کرے زیادہ بہتر ہے۔(۱)

ہجوم کے وقت اگلے نمازی کی پشت پر سجدہ

حرمین شریفین میں ہجوم کے زمانہ میں اوقات نماز پڑھنے والے کو، زمین پر سجدہ کرنے کی جگہ نہیں ملتی، ایسی صورت میں اپنے سے آگے والے نمازی کی پشت پر سجدہ کر لینے کی گنجائش ہے۔

چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إن رسول الله ﷺ بنى هذا المسجد ونحن معه المهاجرون والأنصار«، فإذا اشتد الزحام فليسجد الرجل منكم على ظهر أخيه. ورأى قوما يصلون في الطريق، فقال: صلوا في المسجد (۲)

---

(۱) تفصیل کے لیے دیکھئے: المجموع شرح المهذب: ۴/ ۵۵، الموسوعة الفقهية الكويتية: ۴۳/ ۲/ ۱۲۲، عمرہ کے فضائل واحکام: ۱۸۰

(۲) مسند أحمد، أول مسند عمر بن الخطاب، حدیث نمبر: ۲۱۷

ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد (نبوی) کی بنیاد ڈالی، اور ہم مہاجرین اور انصار آپ کے ساتھ تھے، پس جب (نماز پڑھنے کی جگہ میں) ہجوم شدید ہوجائے، تو تم میں سے آدمی اپنے بھائی کی پشت پر سجدہ کرے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو راستہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، تو آپ نے فرمایا کہ تم مسجد میں نماز پڑھو۔

اس روایت کی بناء پر حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے فرمایا کہ جب نماز پڑھنے کے دوران زیادہ رش اور ہجوم ہو (جیسا کہ حج کے زمانہ میں مسجد حرام و مسجد نبوی میں ہوتا ہے) بارش کا یا برف باری وغیرہ کی وجہ سے مسجد کے اندر جگہ کی تنگی ہو، تو نمازیوں کو اپنے سے آگے والے نمازیوں کی پشت پر سجدہ کرنا جائز بلکہ واجب ہے۔

إذا زحم الأموم ورتعذر عليه السجود على الأرض متابعة للأم، وقدرعلى السجود على ظهر إنسان أو دابة ...الخ (١)

طواف کی نماز بغیر سترہ کے

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:

رأيت بخط .....الكمال بن همام فى حاشية فتح القدير: إذا صلى فى المسجد الحرام ينبغى أن لا يمنع المار لما رواه أحمد وأبو داؤد عن المطلب بن وداعه أنه رأى النبى ﷺ يصلى مما يلى باب بنى مخزوم والناس يمرون بين يديه وليس بينهما سترة وهو محمول على الطائفين فيما يظهر لأن الطواف صلاة فصار كمن بين يديه صفوف عن المصلين" (٢)

(١) الموسوعة الفقهية الكويتة: ١١/ ٢٣٤، عمرہ کے فضائل واحکام: ١٧٨، ١٧٩

(٢) مناسک ملا علی قاری

ردالمحتار میں ہے:

تنبيه:ذكرفی حاشية المدنی لايمنع المار داخل الكعبة وخلف المقام وحاشية المطاف"

بعض صحابہ، تابعین کا خیال تو یہ ہے کہ پورے حرم میں نماز کوسترہ کی ضرورت نہیں عبداللہ بن زبیر، عبداللہ بن عباس، محمد بن حنفیہ، اور ابن جریج کا عمل نقل کیا گیا مکہ اور منی میں یہ حضرات بغیر سترہ کے نماز پڑھ رہے تھے۔(۱)

نو ذی الحجہ کو جمعہ کی نماز

نو ذی الحجہ کا دن اگر جمعہ کے دن واقع ہو، تو عورتوں، معذوروں اور مسافروں پر تو جمعہ کی نماز واجب نہیں، اور جو ایسے نہ ہو، تو جن حضرات کے نزدیک عرفات کا میدان مکہ کی حدود میں داخل ہو چکا، ان کے نزدیک جمعہ کی نماز واجب ہے، پھر خواہ عرفات میں پڑھیں، یا اس سے باہر پڑھ کر جلدی واپس آجائیں، یا مسجد نمرہ میں پڑھیں، یا پھر اپنے خیموں میں باجماعت پڑھیں، اور ہمارے نزدیک موجودہ دور میں یہی راجح ہے۔

اور جن کے نزدیک عرفات مکہ کی حدود میں داخل نہیں ہوا، ان کے نزدیک میدان عرفات میں موجود حجاج پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

بخلاف عرفات فإنها مفازة فلا تتمصر باجتماع الناس وحضرة السلطان. (۲)

وتقرير الجواب: إنما لا يعيد فيها يعني لا يصلي صلاة العيد لأجل التخفيف على الناس، لأنهم مشتغلون بأمور المناسك، ولأن منى من أفنية مكة وتوابعها، لأنها في الحرم وتوابع الشيء يقوم مقام ذلك الشيء. وأما عرفات فإنها من الحل وليست من

---

(۱) أعمال الحاج بعد النفر من منى، دكتور ياسين بن ناصر الخطيب

(۲) بدائع الصنائع: ۱/ ۲۶۰

فناء مكة، وبينها وبين مكة أربعة فراسخ (١)

اگر دس ذی الحجہ کو جمعہ کا دن کا واقع ہوتو، تو منیٰ میں جمعہ کا حکم وہی ہوگا جو آٹھ ذی الحجہ کا ہے۔(۲)

کعبہ سے رخصت ہوتے وقت الٹے پیر نکلنا

اکثر حنفیہ اور شافعیہ کے مرجوح قول کے مطابق اس طرح نکلنا مستحب ہے جیسے علامہ زیلعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وينبغي له ان ينصرف وهو يمشي وراءه وبصره إلى البيت متباكيا متحسرا على فراق البيت حتى يخرج من المسجد" ملاعلی قاری رحمہ اللہ نے دوسرا طریقہ بھی نقل کیا ہے کہ پلٹ جائے اور کعبۃ اللہ کی طرف غمگین دیکھتا رہے۔"ينصرف ويمشي ويلتفت الى البيت كالمتحزن على فراقه" لیکن علامہ طرابلسی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ومايفعله الناس عن الرجوع القهقرى بعدالوداع فليس فيه سنة مروية ولااثر محكى" علامہ دسوقی رحمہ اللہ نے اسے صاف بدعت قرار دیا ہے۔"هو فعل الأعاجم عندمفارقة عظيم" علامہ بھوتی حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" ولا يستحب له المشي قهقرى بعد وداعه قال الشيخ تقي الدين: هذابدعة مكروهة" (۳)

روضہ پر حاضری سطحی اشکال کا جواب

بعض لوگ قبر شریف کی زیارت پر یہ شبہ کرتے ہیں کہ اب تو قبر کی بھی زیارت نہیں ہوتی کیونکہ قبر شریف نظر نہیں آتی اس کے گرد پتھر (اور لوہے) کی دیوار (جالی) قائم ہے، جس کا دروازہ بھی نہیں۔ یہ عجیب لغو اشکال ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر زیارت قبر کے لیے دیکھنا ضروری ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

(١) البنايه شرح الهدايه: ۴۸/۳، باب الصلاة الجمعة

(۲) مناسک حج کے فضائل واحکام: ۴۵٦

(۳) مستفاداز: اعمال الحج بعد النفر من منى، دكتور ياسين بن ناصر الخطيب

زیارت کے لیے بھی یہ شرط ہوگی، کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جائے حالانکہ بعض صحابہ کرام نابینا تھے، عبداللہ بن ام مکتوم صحابی ہیں یانہیں؟ مستورات کے بارے میں کیا کہو گے، جس طرح صحابیات کے لیے حکمی زیارت کافی مانی گئی ہے، اسی طرح زیارت قبر شریف میں بھی حکمی زیارت کو کیوں نہ کافی مانا جائیگا، یعنی ایسی جگہ پہنچ جانا کہ اگر کوئی حائل (آڑ) نہ ہوتو قبر شریف کو دیکھ لیتے یہ بھی حکماً قبر شریف کی زیارت ہے۔(۱)

❁❁❁❁❁

(۱) شکر النعمۃ بذکر رحمۃ الرحمۃ ملحقہ رحمت دو عالم: ۵۴، بحوالہ: امداد الحجاج: ۳۲۵

فہرست مراجع

قرآن وتفسیر قرآن

١ القرآن الكريم

١ تفسير القرآن العظيم (ابن كثير): أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي؛ دار الكتب العلمية، منشورات محمد علي بيضون - بيروت، الطبعة: الأولى - ١۴١٩ھ

١ الدر المنثور: عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي؛ دار الفكر - بيروت

حدیث اور شروحات حدیث

١٣ صحيح البخاري: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي؛ دار ابن كثير - بيروت

١۴ صحيح مسلم: مسلم بن الحجاج أبو الحسن القشيري النيسابوري؛ دار ابن كثير، بيروت

١۵ سنن الترمذي: محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى؛ دار احياء التراث العربى

١٦ سنن أبي داود: أبو داود سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير بن شداد بن عمرو الأزدي السِّجِسْتاني؛ دار الفكر بيروت

۱۷ السنن الصغرى للنسائي:أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي؛مكتبه المطبوعات الإسلامية

۱۸ سنن ابن ماجه :ابن ماجة أبو عبد الله محمد بن يزيد القزويني، وماجة اسم أبيه يزيد؛دار الفكر بيروت

۱۸ الموطأ: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني، مؤسسة زايد بن سلطان آل نهيان للأعمال الخيرية والإنسانية - أبو ظبي -الإمارات، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۵ھ- ۲۰۰۴م

۲۱ السنن الكبرىٰ :أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي؛دائرة المعارف، حيدر آباد

۲۳ المصنف:أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميري اليماني الصنعاني؛ المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۳ھ

۲۴ الكتاب المصنف في الأحاديث والآثار:أبو بكر بن أبي شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان العبسي؛دار الفكر -بيروت

۲۵ مسند الإمام أحمد بن حنبل:أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني؛مؤسسة قرطبة القاهرة

۲۵ مسند أبي داود الطيالسي: أبو داود سليمان بن داود بن الجارود الطيالسي البصرى؛ دار هجر - مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ- ۱۹۹۹م

۳۳ المستدرك على الصحيحين: أبو عبد الله الحاكم محمد بن عبد الله بن محمد بن حمدويه بن نُعيم بن الحكم الضبي الطهماني النيسابوري المعروف بابن البيع، دار الكتب العلمية - بيروت، الطبعة الأولى، ۱۴۱۱ھ-۱۹۹۰م

۲۸　المعجم الكبير:سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني؛مكتبة ابن تيمية-القاهرة
۲۲　شعب الإيمان:أحمد بن الحسين بن علي بن موسى الخُسْرَوْجِردي الخراساني، أبو بكر البيهقي؛دار الكتب العلميه،بيروت
۲۲　شرح معاني الآثار: أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدي الحجري المصري المعروف بالطحاوي؛ عالم الكتب، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴م
۲۲　الإحسان في تقريب صحيح ابن حبان: محمد بن حبان بن أحمد بن حبان بن معاذ بن مَعْبدَ، التميمي، أبو حاتم، الدارمي، البُستي؛ مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۸ھ -۱۹۸۸م
۳۲　مجمع الزوائد ومنبع الفوائد:أبو الحسن نور الدين علي بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي؛مكتبة القدسي، القاهرة، ۱۴۱۴ھ-۱۹۹۴م
۳۱　إعلاء السنن :علامه ظفر احمد عثمانی تهانوی؛المكتبة الأشرفي-ديوبند
۲٦　المسند :الشافعي أبو عبد الله محمد بن إدريس بن العباس بن عثمان بن شافع بن عبد المطلب بن عبد مناف المطلبي القرشي المكي؛دار الكتب العلمية،بيروت-لبنان
۲٦　مسند أبي يعلى: أبو يعلى أحمد بن علي بن المثنى بن يحيى بن عيسى بن هلال التميمي، الموصلي؛ دار المأمون للتراث - دمشق، الطبعة: الأولى، ۱۴۰۴ھ- ۱۹۸۴
۳۳　مشكاة المصابيح: محمد بن عبد الله الخطيب العمري، أبو عبد

الله، ولي الدين، التبريزي؛ المكتب الإسلامي - بيروت، الطبعة: الثالثة، ۱۹۸۵م

۱ إتحاف الخيرة المهرة بزوائد المسانيد العشرة: أبو العباس شهاب الدين أحمد بن أبي بكر بن إسماعيل بن سليم بن قايماز بن عثمان البوصيري الكناني الشافعي، دار الوطن للنشر، الرياض، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹م

۲۸ الطبقات الكبرى، القسم المتمم لتابعي أهل المدينة ومن بعدهم: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد، مكتبة العلوم والحكم - المدينة المنورة، الطبعة: الثانية، ۱۴۰۸ھ

۲۸ فتح الباري شرح صحيح البخاري: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي، دار المعرفة - بيروت، ۱۳۷۹ھ

۲۸ فيض الباري:

۳۸ تكملة فتح الملهم شرح صحيح مسلم: مفتى محمد تقى عثمانى؛ مكتبه اشرفيه، ديوبند - الهند

۳ شرح النووي على مسلم: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي

۳۶ الاستذكار: أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمري القرطبي؛ دار الكتب العلميه بيروت

۲۸ شرح الزرقاني على موطأ الإمام مالك: محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني المصري الأزهري؛ مكتبة الثقافة الدينية - القاهرة، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م

٢٨ نيل الأوطار: محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني؛دار الحديث، مصر، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۳ھ-۱۹۹۳م
٢٨ أوجز المسالك: شيخ الحديث زكريا،
٣٣ مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري، اشرفیہ بکڈپو

کتب فقہ، اصول فقہ اور فتاوی

۴۳ المبسوط: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي؛ دار المعرفة-بيروت، تاريخ النشر: ۱۴۱۴ھ -۱۹۹۳م
۴۳ بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع: علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي؛ زکریا بک ڈپو/دار الكتب العلميه-بيروت
۴٦ الهداية في شرح بداية المبتدي: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين؛ اشرفی بک ڈپو
۴٨ البناية شرح الهداية: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى؛ دار الكتب العلمية -بيروت، لبنان، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۰ھ-۲۰۰۰۔
۴۷ العناية شرح الهداية: محمد بن محمد بن محمود، أكمل الدين أبو عبد الله ابن الشيخ شمس الدين ابن الشيخ جمال الدين الرومي البابرتي؛ دار الفكر
۴۹ فتح القدير: كمال الدين محمد بن عبد الواحد السيواسي المعروف بابن الهمام؛ مصر
۴۷ تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق : عثمان بن علي بن محجن

البارعي، فخر الدين الزيلعي الحنفي؛ المطبعة الكبرى الأميرية - بولاق، القاهرة، الطبعة: الأولى، ۱۳۱۳ھ
۴۷ منحة الخالق لابن عابدين: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي؛ دار الكتاب الإسلامي،
۴۷ البحر الرائق شرح كنز الدقائق: زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري؛ دار الكتاب الإسلامي،
۴۴ رد المحتار على الدر المختار: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي ؛ دار الفكر-بيروت؛ الطبعة: الثانية، ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲م
۴۵ الدر المختار شرح تنوير الأبصار للتمرتاشي: علاء الدين الحصفكي؛ دار الفكر-بيروت؛ الطبعة: الثانية، ۱۴۱۲ھ-۱۹۹۲م
۴۴ تقريرات الرافعي:
۵۰ ملتقى الأبحر: إبراهيم بن محمد بن إبراهيم الحلَبي الحنفي؛ دار الكتب العلمية-لبنان/بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۸م
۵۰ مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر: عبد الرحمن بن محمد بن سليمان المدعو بشيخي زاده, يعرف بداماد أفندي؛ دار إحياء التراث العربي
۵۰ حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح: أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي؛ دار الكتب العلمية بيروت-لبنان، الطبعة: الطبعة الأولى ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م
۵۰ حاشية الطحطاوي على الدر المختار:
۹ الذخيرة: أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد

الرحمن المالكي الشهير بالقرافي؛ دار الغرب الإسلامي- بيروت، الطبعة: الأولى، ۱۹۹۴م

۴۵ المدونة الكبرى: مالك بن أنس بن مالك بن عامر الأصبحي المدني، دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۵ھ- ۱۹۹۴

۹ مواهب الجليل في شرح مختصر خليل: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن محمد بن عبد الرحمن الطرابلسي المغربي، المعروف بالحطاب الرُّعيني المالكي، دار الفكر، الطبعة: الثالثة، ۱۴۱۲ھ- ۱۹۹۲م

۹ حاشية الدسوقي على الشرح الكبير: محمد بن أحمد بن عرفة الدسوقي المالكي؛ دار الفكر

۹ الحامي:

۹ بداية المجتهد ونهاية المقتصد: أبو الوليد محمد بن أحمد بن محمد بن أحمد بن رشد القرطبي الشهير بابن رشد الحفيد؛ دار الكتب العلمية

۹ الفقه المالك الميسر: زحيلي؛ دار الكلم الطيب

۴۵ الأم: إدريس الشافعيك

۴۵ المجموع شرح المهذب : أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي، دار الفكر

۴۵ إعانة الطالبين على حل ألفاظ فتح المعين: أبو بكر (المشهور بالبكري) بن محمد شطا الدمياطي، دار الفكر للطباعة والنشر والتوريع، الطبعة: الأولى، ۱۴۱۸ھ-۱۹۹۷م

۹ مغني المحتاج إلى معرفة معاني ألفاظ المنهاج : شمس الدين،

محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي؛ دار الكتب العلمية، الطبعة: الأولى، ١٤١٥ھ-١٩٩٤م

٩ تحفة المحتاج في شرح المنهاج: أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي؛ المكتبة التجارية الكبرى بمصر لصاحبها مصطفى محمد، عام النشر: ١٣٥٧ھ-١٩٨٣م

٩ الحاوي الكبير في فقه مذهب الإمام الشافعي وهو شرح مختصر المزني: أبو الحسن علي بن محمد بن محمد بن حبيب البصري البغدادي، الشهير بالماوردي؛ دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١٩ھ-١٩٩٩م

٩ المغنى: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعيلي المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي؛ مكتبة القاهرة

٩ كشاف القناع عن متن الإقناع: منصور بن يونس بن صلاح الدين ابن حسن بن إدريس البهوتى الحنبلى؛ دار الكتب العلمية

٩ العدة شرح العمدة: عبد الرحمن بن إبراهيم بن أحمد، أبو محمد بهاء الدين المقدسي، دار الحديث، القاهرة، تاريخ النشر: ١٤٢٤ھ-٢٠٠٣م

٩ الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي، دار إحياء التراث العربي

٩ كشف القناع:

١ مسائل الإمام أحمد بن حنبل رواية أبي يعقوب الكوسج:

٩ المبدع في شرح المقنع: إبراهيم بن محمد بن عبد الله بن محمد ابن مفلح، أبو إسحاق، برهان الدين، دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤١٨ھ-١٩٩٧م

٩ الفقه الحنبلي الميسر: زحيلي؛ دار القلم، دمشق

٢ البحر العميق فی مناسک المعتمر والحاج الی البيت العتيق

امام ابوالبقاء محمد بن احمد بن محمد بن الضياء المکی الحنفی، قاضی مکۃ المکرمۃ (۸۵۴) نے ۲۹۱۱ صفحات پر مشتمل زبردست علمی مستند اور تحقیقی کتاب لکھا ہے، کثیر فضائل، دقیق مسائل، استیعابِ تاریخ، اولیاء کے واقعات اور رقت انگیز اشعار کے اعتبار سے بے مثال ہے، کوئی محقق اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، غیر معمولی طریقے سے جزئیات کا احاطہ کیا گیا ہے، واقعی کتاب ''البحر العميق'' اسم بمسمی ہے۔

٢ مجامع الناسك: علامہ رحمۃ اللہ کی وہ کتاب شاید جس کا نام منسکِ کبیر، جمع المناسک ونفع الناسک مشہور ہے، ان کا مفصل تعارف آخر کتاب میں مذکور ہے۔

٢ غنية الناسك في بغية المناسك:؛ ادارة القرآن

محمد حسن شاہ مہاجر مکی (وفات ۱۳۴۶ھ) اصلاً سوات (پاکستان) کے رہنے والے تھے، رام پور کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے دو سال دو مرتبہ کتبِ ستہ کو پڑھا، شیخ کے منظورِ نظر رہے، دیوبند، دہلی، اور بھوپال کے بعد حرمین شریفین میں ہی طویل قیام رہا، مدرسہ صولتیہ کے مدرس اور مناسک میں مرجعیت کا مقام حاصل تھا۔

٢ المناسك لابن أبي عروبة: أبو النضر سعيد بن أبي عروبة: مهران العدوي ـ ولاء ـ البصري، دار البشائر الإسلامية، بيروت - لبنان، الطبعة: الأولى، ١٤٢١ھ -٢٠٠٠م

٢ الاختيارات الفقهية: تقي الدين أبو العباس أحمد بن عبد الحليم بن عبد السلام بن عبد الله بن أبي القاسم بن محمد ابن تيمية الحراني الحنبلي الدمشقي، دار المعرفة، بيروت، لبنان، الطبعة: ١٣٩٧ھ-١٩٧٨م

٧٧ أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه: أبو عبد الله محمد بن إسحاق

بن العباس المكي الفاكهي؛ دار خضر - بيروت، الطبعة الثانية، ۱۴۱۴ھ
۷۷ نضرة النعيم في حكم العمرة من التنعيم: محمد بن محمد المصطفى أبو عبد الله، المدينة المنورة
۵۶ الفتاوى التاتار خانية: شيخ فريد الدين المعروف بابن ملقن؛ زكريا بک ڈپو، ديوبند-الهند
۵۷ الفتاوى الهندية: لجنة علماء برئاسة نظام الدين البلخي؛ اتحاد بک ڈپو، ديوبند-الهند
۵۸ الفتاوى البزازية : شيخ حافظ الدين محمد بن محمد ابن بزاز كردري؛ على هامش الفتاوى الهندية
۵۸ الفتاوى الخانية (قاضی خان) :؛ على هامش الفتاوى الهندية
۵۶ مجموعة فتاوى: ابن تيمية، دار العربية-بيروت
۲ مجموع فتاوى العلامة عبد العزيز بن باز رحمه الله: عبد العزيز بن عبد الله بن باز؛
۲ مجموع فتاوى ورسائل العثيمن؛
۲ الفقه الإسلامي وأدلته: وهبه زحيلي؛
۲ الفقه على المذاهب الأربعة: عبد الرحمن بن محمد عوض الجزيري؛ دار الكتب العلمية، بيروت - لبنان، الطبعة: الثانية، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۳م
۲ الموسوعة الفقهية الكويتية:
۲ صفوة الصفوة: ابن جوزي؛
۲ حجة النبي وعمراته: شيخ الحديث مولانا محمد زكريا كاندهلوي

۲ **النوازل فی الحج**

جامعہ امام محمد بن سعود کے کلیۃ الشریعہ کے شعبۂ فقہ سے ڈاکٹریٹ کے لیے لکھا گیا مقالہ ہے، علی بن ناصر شلعان نے سنہ ۱۴۳۰ھ میں طبع کیا، ۴۰۸ر کتابوں سے استفادہ کیا ہے، قدیم وجدید، عرب وعجم، مذاہبِ اربعہ اور ماہرینِ مناسک کی تقریباً تمام تحریریں، عربی رسائل ومجلّات سامنے رہے، محسوس ہوا کہ مصنف نے مذاہب، دلائل محاکمہ اور حصول ماخذ، فہم مسائل میں کافی تعب اٹھایا ہے، فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

۷۸ **آپ کے مسائل اور ان کا حل: مولانا یوسف صاحب لدھیانوی؛ نعیمیہ بکڈپو، دیوبند**

۷۷ **احسن الفتاویٰ: مفتی رشید احمد صاحب؛ ایچ ایم سعید کمپنی**

۹ **اصلاحی مجالس: مفتی تقی عثمانی**

۹ **امداد الحجاج: مفتی محمد زید مظاہری**

۹ **امداد الفتاوی: مولانا اشرف علی تھانویؒ،**

۹ **انوار مناسک: مفتی شبیر احمد قاسمی**

اصحاب علم وفتوی میں مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی غیر معروف نہیں ہیں، تدریس، تصنیف، اور فتوی نویسی میں نہایت کہنہ مشق ہیں، اس موضوع پر ایضاح المناسک، حج وعمرہ کا آسان طریقہ، سفر حج کی غلطیوں کی اصلاح بھی آپ لکھ چکے ہیں، اس کتاب کی ترتیب میں عام حنفی کتب فتاوی ......، کتاب سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۴۲۷ھ میں مرتب اور مطبوع ہوئی ہے، ۷۰۰ر زائد صفحات پر مشتمل ہے۔

۹ **اہم فقہی فیصلے: اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی**

۹ **اہم مسائل جن میں ابتلاء عام ہے: مفتی محمد جعفر صاحب ملی رحمانی، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا**

۹ **ایضاح الطحاوی: مفتی شبیر احمد قاسمی**

۹ **ایضاح المناسک: مفتی شبیر احمد قاسمی**

۷۷ **جدید فقہی مسائل: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، کتب خانہ نعیمیہ**

۲　حج وعمرہ کے بعض مسائل میں غلواور اس کی اصلاح: مولانا اعجاز صاحب اعظمی،

۲　حج وعمرہ موجودحالات کے پس منظر: ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

۲　خصائل نبوی: دارالاشاعت

۲　رفیق حج وعمرہ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی،

۲　رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقۂ حج: مفتی ارشاد الحق قاسمی؛

۲　رمی جمار کے اوقات اور منی میں شب ی موجودہ حالات کے پس منظر میں: ؛
ایفا پبلیکیشنز جامعہ نگر نئی دہلی

۷۰　فتاویٰ دارالعلوم: مفتی عزیز الرحمن صاحب؛ مکتبہ دارالعلوم

۹　فتاویٰ دارالعلوم زکریا: دارالافتاء دارالعلوم زکریا، زمزم پبلیشرز، کراچی،
پاکستان

۷۶　فتاویٰ رحیمیہ: مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوری، مکتبۃ الاحسان دیوبند

۷۶　فتاویٰ رشیدیہ: مولانا رشید احمد سہارنپوری،

۴　فتاویٰ عثمانی: زکریا بکڈ پو

۷۵　فتاویٰ قاسمیہ: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی؛ زکریا بک ڈپو

۷۱　فتاویٰ محمودیہ: مولانا محمود حسن، ادارہ الفاروقی

۹　کتاب الفتاویٰ: مولانا خالد سیف الہہ رحمانی، مرتب: مفتی محمد عبداللہ سلیمان
مظاہری۔ مکتبہ نعیمیہ، دیوبند

۷۹　کتاب المسائل: مفتی سید سلمان منصور پوری

۷۹　کتاب النوازل: مفتی سلمان منصور پوری صاحب؛ فرید بکڈ پو

۲　عظمت بیت اللہ: مولانا اسحاق ندوی

۲　عمرہ کے فضائل واحکام: مفتی محمد رضوان راولپنڈی

۲　مجالس حکیم الامت: مرتب: مفتی محمد شفیع،

۲ مستند مسائل حج وعمرہ: محترم سعادت صاحب حیدرآباد
۲ مناسک حج فضائل واحکام: مفتی محمد رضوان راولپنڈی
مفتی محمد رضوان صاحب (ادراہ غفران، روالپنڈی، پاکستان) ایک محقق عالم ہیں، مہینوں کے احکام ،سیاست وحکومت کے مساول پر مفصل کتابیں موجودو متداول ہیں،مناسکِ حج پر یہ کتاب بھی اردوزبان میں غیر معمولی اضافہ ہے،نہایت مبسوط،باحوالہ فقہ حنفی کے علاوہ جابجاموسوعہ کویتیہ سے استفادہ کیا گیا،عمرہ کے طریقہ پر بھی آپ کاایک رسالہ موجود ہے،اصلاحِ منکرات،ضعیف احادیث کی تحقیق بھی ان کی امتیازی شان ہے،مناسک حج کے فضائل واحکام آٹھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل ہے۔
۲ منی کے احکام شرعیہ اور استقلال منی کی تحقیق: مفتی رشید احمد فریدی استاذ مدرسہ مفتاح العلوم تراج،سورت گجرات
۷۷ نظام الفتاوی: مفتی نظام الدین اعظمیؒ،

متفرق کتب

۹ البداية والنهاية: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي؛ دار إحياء التراث العربي، الطبعة الأولى ۱۴۰۸ھ- ۱۹۸۸م
۹ تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف: محمد بن أحمد بن الضياء محمد القرشي العمري المكي الحنفي، بهاء الدين أبو البقاء، المعروف بابن الضياء؛ دار الكتب العلمية-بيروت/لبنان، الطبعة: الثانية، ۱۴۲۴ھ- ۲۰۰۴م
۹ زاد المعاد في هدي خير العباد: محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية؛ مؤسسة الرسالة، بيروت- مكتبة المنار الإسلامية، الكويت، الطبعة: السابعة والعشرون، ۱۴۱۵ھ -۱۹۹۴م

۲ لطائف المعارف فيما لمواسم العام من الوظائف: زين الدين عبد الرحمن بن أحمد بن رجب بن الحسن، السَلامي، البغدادي، ثم الدمشقي، الحنبلي؛ دار ابن حزم للطبتعة والنشر، الطبعة: الأولى، ۱۴۲۴ھ-۲۰۰۴م

۲ تاج العروس من جواهر القاموس: محمّد بن محمّد بن عبد الرزّاق الحسيني، أبو الفيض، الملقّب بمرتضى، الزَّبيدي؛ دار الهداية

۹ لسان العرب: محمد بن مكرم بن على، أبو الفضل، جمال الدين ابن منظور الأنصاري الرويفعى الإفريقى؛ دار صادر-بيروت، الطبعة: الثالثة ۱۴۱۴ھ

۹ المعجم الوسيط: مجمع اللغة العربية بالقاهرة، دار الدعوة

۹ المنجد:

علامہ رحمۃ اللہ سندی کی کتابیں

علامہ رحمۃ اللہ سندی علیہ الرحمہ دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں، نہایت علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے، اپنے وطن احمد آباد گجرات سے حرمین شریفین ہجرت کی، علمی اسفار بھی کیے، جلیل القدر علماء کرام سے استفادہ بھی کیا، جن میں علی متقی ہندی اور ابن حجر ہیثمی ہیں، تصنیف وتالیف خاصۃً علم المناسک سے متعلق ان کی لکھی ہوئی کتابوں نے قبول عام حاصل کی ہیں۔

(۱) جمع المناسک ونفع الناسک جس کی منسکِ کبیر بھی کہا جاتا ہے، اس کتاب کی تصنیف میں ایک سو سے زائد کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

(۲) لباب المناسک وعباب السالک، یہ کتاب منسکِ متوسط یا منسکِ وسیط، یا منسکِ اوسط سے مشہور ہے، اول الذکر کے دوتہائی حصہ کو ختم کردیا، دلائل اور مختلف آراء کا ذکر نہیں، صرف مفتی بہ قول پر اکتفاء کیا، اس کتاب کی بہت سی شروحات ومختصرات لکھے گیے۔

(۳) منسکِ صغیر، منسکِ متوسط کی تلخیص کی گئی، اس کتاب کی شرح، شرح کی شروح بھی لکھی گئیں، منظومات بھی ترتیب دئے گیے۔

اس کے علاوہ مصنف کی اور دو کتابیں ہیں، غاية التحقيق وكفاية التدقيق فی مسائل ابتلی بها اهل الحرمين الشريفين، اور تلخيص تنزية الشريعة المرفوعة عن الاحاديث الموضوعة ۔(مستفاد از: جمع المناسک ونفع الناسک مع تحقیق احمد عبدالقیوم عبدرب النبی عبداللہ)

عطاء بن ابی رباح (وفات: ۱۱۴)

اپنے زمانے کے اصحاب فتوی میں سے تھے، اور مناسکِ حج کے علم سے بالاجماع سب سے زیادہ جاننے والے تھے، مسجد حرام میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے بعد عطا بن ابی رباح کا حلقہ ہی سوال وجواب کا ہوا کرتا تھا، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے حج کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: ابن ابی رباح کے ہوتے ہوئے مجھ سے مسئلہ پوچھ رہے ہو؟ **"يا أهل مكة تسألون عن المناسك وفيكم عطاء بن ابی رباح"** انہوں نے ستر سے زیادہ حج کیے، بنی امیہ کے دور میں حجاج کے درمیان اعلان ہوجاتا کہ عطاء کے علاوہ کوئی فتوی نہ دیں، اس لیے ان کی آراء کو بھی تمام علماء کرام میں خاص مقام دے کر نقل کیا، محققین نے مختلف انداز میں اس کو موضوع بحث بنایا۔ (مستفاد از: منسک عطاء، تالیف عادل بن عبدالشکور الزرقی، معاون استاد حدیث کلیۃ المعلمین، ریاض)

مناسک پر ملاعلی قاری رحمہ اللہ کی کتابیں

امام نورالدین علی بن سلطان ملاعلی قاری رحمہ اللہ (وفات ۱۰۱۴ھ) متکلم، محدث اور صوفی شخصیت ہیں، مناسک پر انہوں نے زبردست کتابیں چھوڑی ہیں، علامہ سندی رحمہ اللہ کی منسکِ متوسط (جولباب المناسک سے مشہور ہے) کی شرح المسلک المتقسط شرح المنسک المتوسط کے نام سے لکھی ہے، جس کو قبولِ عام حاصل ہوا، اس پر قاضی حسین بن محمد سعید بن عبدالغنی مکی حنفی رحمہ اللہ نے حاشیۃ ارشاد الساری الی مناسک الملاعلی قاری لکھا ہے، جس کی تحقیق محمد طلحہ بلال احمد مینار نے کی اور مکتبہ امدادیہ مکۃ المکرمۃ سے چھاپا، ملاعلی قاری نے لباب المناسک یعنی منسکِ متوسط کا اختصار بھی کیا جس کا نام ''لب لباب المناسک وحب عباب المسالک'' ہے، مولانا رحمت اللہ سندی کی منسکِ صغیر کی بھی ملاعلی قاریؒ نے **"بدایۃ السالک فی نہایۃ المسالک"** کے نام سے شرح لکھی، جواب تک مخطوطہ کی شکل میں ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

ادارہ دارالدعوۃ والارشاد (حیدرآباد) کی علمی وعصری تحقیقات



زیر طباعت وزیر ترتیب

- سیرت نبوی کے دو باب : میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- مسنون طلاق ، عصری شبہات اور سماجی مسائل کی روشنی میں
- فسادات : اسباب وسدِّ باب
- رئیل اسٹیٹ ، احکام ومسائل
- واقعہ معراج ، اسرار واحکام
- سود احکام ومسائل
- منظم اسلامی اسکول